Commentary on Romans

پولس رسول کی انجیل

یعنی

رومیوں کے نام پولس رسول کا خط

مفسّرہ

س م ظہیر احسن بی ڈی

بہ یادگار انگلش بیپٹسٹ مشنری سوسائٹی کی ڈیڑھ سو سالہ جوبلی

Published by

THE N. I. C. TRACT & BOOK SOCIETY,
18, Clive Road, Allahabad.

Commentary on Romans

Published by

THE N. I C TRACT & BOOK SOCIETY,

18, Clive Road, Allahabad.

تمہید

کلام پاک کی تفسیر ایک ایسا کام ہے جس میں اگر ایمانداری اور دیانتداری سے کام نہ لیا جائے تو یہ بہتوں کی گمراہی کا باعث ہو سکتی ہے اور اگر ہوشیاری اور وفاداری سے کام لیا جائے تو تفسیر مذہبی زندگی کے لئے ایک برکت کا وسیلہ بن سکتی ہے۔ بعض اصحاب ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ چاہیئے کہ تفسیر میں کلام پاک کی ہر ایک آیت سے کچھ ایسے نئے خیالات نکالے جائیں جو وعظ کے لئے مفید ہوں بعض تفسیریں کلام کے الفاظ کی کچھ ایسی کھینچ تان لگاتے ہیں اور ایسے ایسے معانی پیدا کرتے ہیں جو ملہم مصنف کے دماغ میں بھی نہ آئے تھے اور جو مضحکہ خیز ہیں اور جن سے کلام پاک کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اور بہتیرے ایسے ہیں جو کلام پاک کی تفسیر کے بجائے خود اپنے خیالات کی تفسیر کرنے لگتے ہیں۔ اور ملہم مصنف کے خیال کے بجائے خود اپنے عقائد اور تعلیم کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ یہ سب صورتیں قطعی ناجائز ہیں کلام کی تفسیر کا مقصد اس کے مصنف کے خیالات کا ایسا واضح اظہار ہونا چاہیئے جو ہماری سمجھ میں آسکے۔ اور تفسیر چونکہ مصنف کے اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے نہیں بلکہ ہمارے زمانہ کے لوگوں کے لئے ہے اس لئے یہ بھی ضرور ہے کہ ملہم مصنف کے خیالات کا اظہار ہماری زبان اور ہمارے اصطلاحات میں ہو تاکہ کلام کوئی ایسی پرانی بات نہ معلوم ہو جس سے ہمارے زمانہ کے لوگوں کا کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ ہمارے لئے بھی ایک تازہ پیغام اور الٰہی کلام ہو جو ہماری زندگی کے لئے بھی ایسا ہی مفید ثابت ہو جیسا کہ ملہم مصنف کے زمانہ کے لوگوں کے لئے تھا۔ لیکن اپنی زبان اور اصطلاحات میں ملہم مصنف کے خیالات کو کھونا اور اس سے تجاوز نہ کرنا ایک ایسا مشکل معاملہ

ہے جس کی فوقیت کو وہی محسوس کر سکتے ہیں جنہوں نے تفسیر کی خدمت اپنے سر لی ہے۔

تفسیر کے شروع میں ہی دیباچہ ہے جس میں پولس رسول کی زندگی بھی شامل ہے۔ اس دیباچہ میں کم و بیش وہ سب باتیں بہم پہنچائی گئی ہیں جو رومیوں کے خط کے مطالعہ کے لئے مفید ہیں۔ یہ سعی کوشش کی گئی ہے کہ تفسیر ان اصحاب کیلئے بھی دلچسپی کا باعث ہو جو یونانی زبان سے واقف ہیں اور اعلیٰ، ادبی تنقید میں دست رس رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ یہ تفسیر نہ فقط اردو دانوں کے لئے بلکہ ان کے لئے بھی مفید ثابت ہوگی جو اپنا مطالعہ انگریزی کتابوں تک محدود رکھتے ہیں۔

جو اصحاب انگریزی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں وہ اس تفسیر کے پڑھنے سے فوراً معلوم کر سکیں گے کہ مفسر خاص طور سے رومیوں کے انٹرنیشنل کریٹیکل کامنٹری مولفہ سینڈے اور ہیڈلیم اور رومیوں کی بابت نیو ٹسٹامنٹ کامنٹری مولفہ سی۔ ایچ ڈاڈ کا ممنون اور مشکور ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہتیری کتابوں سے امداد لی گئی ہے۔ یونانی متن کے ترجمہ اور دیگر یونانی اور عبرانی کتب کے حوالجات کے ترجمہ اور ان حوالجات کے ترجمہ کا ذمہ دار خود مفسر ہے جو انگریزی کتابوں سے یا ایسی کتابوں سے لئے گئے ہیں جن کی زبان سے مفسر واقف نہیں اور جن کا صرف انگریزی ترجمہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ ترجمہ جہاں تک ہو سکے لفظی ہو اور متن کا ترجمہ جہاں تک ہو سکے ہماری کتاب مقدس کے اردو ترجمہ سے قریب تر ہے۔ اکثر مقامات پر متن کا ترجمہ بالکل وہی چھوڑ دیا گیا ہے جو ہماری اردو کی کتاب مقدس میں موجود ہے۔ اردو میں گو لفظ شانتی استعمال نہیں ہوتا لیکن مفسر نے جان بوجھ کر اس لفظ کو اردو کے الفاظ پر ترجیح دی ہے۔ روح کے اوپر چھوٹا سا "ق" ڈال کر یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ روح سے مراد روح القدس ہے۔

اسی طرح روحانی سے مراد روح القدس کا ہے۔ اس تفسیر میں طرح طرح کی غلطیاں ہونگی لیکن امید ہے کہ میرے مہربان قارئین انہیں نظرانداز کرکے میری حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

اس سال جبکہ انگلستان کی بپٹسٹ مشنری سوسائٹی اپنی ڈیڑھ سو سالہ جوبلی منا رہی ہے۔ بندہ اپنی خدمت کے اس پہلے پھل کو اس جوبلی کی یادگاری میں کلیسیائے ہند کے نذر کرتا ہے اور امید ہے کہ ہند کے مقدسین رسول پولس کی انجیل کو قبول فرمائیں گے اور اپنی خدمت زندگی اور دعا سے اپنے ملک کی نجات کی کوشش کریں گے۔ اب خدا جس نے اپنے پیارے بیٹے کے وسیلہ سے بنی آدم کی نجات کے متعلق اپنے ازلی ارادہ کو تکمیل تک پہونچایا۔ اور اپنے رسول پولس کی معرفت نجات کی انجیل کا پیغام ہمیں سنایا اور بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کو انگلستان کی پہلی تبلیغی انجمن بنایا۔ کہ وہ سارے جہان میں خداوند مسیح کی گواہی دے اور انجیل کا پیغام دنیا کے کناروں تک پہونچائے۔ وہ اپنے روح القدس کی قوت اور قدرت اور اپنے فضل و برکات سے اس انجمن کو ایسی طاقت بخشے کہ یہ دنیا کی نجات اور خدا کے جلال کا باعث ہو۔ آمین!

س۔م۔ظ۔ا

ہنری مارٹن اسکول آف اسلامکس۔ علیگڈھ

۱۲ اپریل ۱۹۴۲ء

تخفیف

اَح۔	احبار
استث۔	استثنا
اَعم۔	اعمال
اِف۔	افسیوں
اک ک۔	انٹرنیشنل کریٹیکل کامنٹری رومنز
اَم۔	امثال
ب۔	باب
پَط۔	پطرس
پَید۔	پیدائش
تَو۔	تواریخ۔ پہلا یا دوسرا
تِھ۔	تھسلنیکیوں۔ پہلا یا دوسرا
تی۔	تیمتھیس۔ پہلا یا دوسرا
حِز۔	حزقی ایل
خُر۔	خروج
دان۔	دانی ایل
ڈب۔ ج۔	ڈکشنری آف دی بائیبل۔ بائی جیمس ہیسٹنگز۔ ایک والیوم۔
روم۔	رومیوں
زب۔	زبور

سَلا۔	سلاطین۔		
سم۔	سموئیل۔ پہلا یا دوسرا		
س دف۔	سٹوڈنٹس ہسٹری آف فلاسفی بائی راجرز		
طِ۔	طِطُس	مکا۔	مکاشفہ
عا۔	عاموس	ملا۔	ملاکی
عبر۔	عبرانیوں	م ن ک۔	مافٹ نیوٹسٹامنٹ کامنٹری رومنز
فلپ۔	فلپیوں		
فلیم۔	فلیمون		
قض۔	قضاۃ	می۔	میکاہ
کُر۔	کرنتھیوں پہلا یا دوسرا	نح۔	نحمیاہ
		نو۔	نوحہ
کُل۔	کلسیوں	یر۔	یرمیاہ
گل۔	گلتیوں	یس۔	یسعیاہ
گن۔	گنتی	یع۔	یعقوب
لُو۔	لوقا	یوح۔	یوحنا۔ انجیل یا خطوط
مت۔	متی		
مر۔	مرقس	یہو۔	یہوداہ
مَق۔	[illegible]		

فہرست مضامین

دیباچہ

رُومی حکومت

کسی خط کو پورے طور سے سمجھنے کے لئے سب سے پہلے کاتب (مصنف) مکتوب الیہ کے علاقوں کی تاریخی حالات اور ان کے شخصی احوال کا مطالعہ ضروری ہے۔ کیونکہ تاریخی حالات کا اثر تصنیفات پر ہمیشہ گہرا ہوتا ہے۔ اگرچہ روزمرہ کی خط و کتابت میں ہم ایسی ضرورتوں کا احساس نہ کرتے ہوں کیونکہ کم و بیش ہم سب حالات سے واقف ہوتے ہیں۔ تاہم نئے عہدنامہ کے خطوط کے مطالعہ کے لئے یہ نہایت ہی ضروری ہیں۔

رومیوں کے نام کا خط نیرو شہنشاہ کے عہدِ حکومت میں لکھا گیا جو سنہ ۵۴ء میں تخت نشین ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کے عہد کے پہلے پانچ سال اس کی حکومت کا نہایت ہی خوشحال وقت تھا۔ صوبوں کا انتظام نہایت ہی اچھی طرح چل رہا تھا۔ تجارت کو فروغ تھا۔ شہر روم کی پولس کا انتظام نہایت ہی اعلیٰ پیمانہ پر پہونچ چکا تھا۔ حکومت میں ہر جگہ اصلاحیں ہو رہی تہیں۔ محصول لینے والوں کے ناواجب مطالبات کی روک تھام ہو رہی تھی۔ گورنروں کو تماشوں کے ذریعے آمدنی پیدا کرنے کی ممانعت کی گئی تھی۔ صوبوں میں لوگوں کو رومی ہونے کے حقوق دیئے جا رہے تھے۔ بعض علاقوں کو خوشی سے آزادی دی جا رہی تھی۔ غلاموں کو برابری کا حق دینا تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس وقت حکومت پر نہ فقط شہنشاہ نیرو کا اختیار تھا بلکہ سینیکا فلسفی کی تعلیم بھی روم میں طاقت پکڑتی جاتی تھی اور اس کا روم کی سیاست پر کافی اثر تھا۔ اس وقت سٹوآئی اصول کا چرچا بھی عوام الناس میں ہو رہا تھا۔ اور سینیکا کی موجودگی میں حق الہی داود [illegible] اور [illegible] عالمگیر اصول کے خیالات عوام الناس [illegible] سے [illegible] سینیکا

غلامی کو برا سمجھتا تھا اور آزاد و غلام کے یکساں حقوق تسلیم کرتا تھا۔ سطوائی اصولوں
نے حکومت کے قوانین میں اصلاحیں پیدا کرنا شروع کر دی تھیں۔ شہر روم نہ فقط
حکومت کا مرکز تھا بلکہ تجارت اور علم و تہذیب کا بھی مرکز ہو رہا تھا۔ ایسی حالت
میں کوئی تعجب نہیں کہ صوبوں کے رؤسا اور امرا اور دیگر لوگ یقیناً روم کی سیر کے خواہاں
ہوں۔ پولس رسول کو بھی روم کی سیر کا اشتیاق پیدا ہو گیا تھا۔ انہیں یہ شوق تھا
کہ میں بھی عالمگیر مذہب کی تعلیم اس شہر میں دوں جو اس وقت دنیا کا مرکز ہو رہا ہے۔
سلطنت کے مشرقی علاقوں میں تو انھوں نے نجات کا پیغام پہنچا دیا۔ اب حکومت
کے مرکز میں نجات کا پیغام پہنچانے کا شوق تھا۔ [illegible] کتاب کے اختتام پر ۱۵:
۲۱ و ۲۲: ۱۱ میں رسول کا یہ شوق بہت ہی زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ روم کی شہرت
رومی حکومت کے عظیم الشان انتظام کا تجربہ۔ رومی ہونے کا حق وغیرہ پولس
رسول کے دماغ پر اتنا اثر رکھتے تھے کہ ان کی [illegible] اور اصطلاحات بھی اس کا
نقشہ پیش کرتی تھیں۔ فلپ ۱: ۲۷ - ۳: ۲۰ افس ۲: ۱۹ اعم ۲۲: ۲۸

رومیوں کے خط کے لکھے جانے تک رومی حکومت اور مسیحی کلیسیا کا رشتہ کشیدہ
نہیں ہوا تھا اور مسیحی جماعت کی طرف حکومت کا رویہ منصفانہ تھا۔ اس وقت کسی کو
کو یہ خواب و خیال بھی نہ تھا کہ یہی حکومت محض چند سالوں کے بعد مسیحیت کی دشمن
ہو جائیگی۔ جہاں کہیں خداوند مسیح کی منادی کی گئی رومی حکام برائی کی طاقتوں کو روکنے
والے نظر آئے۔ ۲ تھس ۲: ۷ جہاں کہیں پولس رسول نے منادی کی یہود
فساد اور بلوہ کھڑا کر دیتے تھے۔ لیکن ایسے موقعوں پر رومی حکام [illegible]
کی یہی وجہ ہے کہ رسول نے بار بار حکومت کا مطیع اور فرمانبردار رہنے کی تعلیم
دی (روم ۱۳) جو دنیا میں امن و امان کی ذمہ دار تھی۔ وسیع رومی حکومت اور اس
کے پرامن انتظام نے رسول کے دماغ میں کلیسیا کی وحدانیت اور عالمگیری کا تصور

پیدا کیا۔ اور وہ مقامی کلیساؤں کو عالمگیر متحد کلیسیا کے محض اعضا سمجھتے تھے۔ جیسے کہ رومی حکومت میں رومی صوبے اور شہر تھے اور مسیحی انہیں اس یا اس شہر کے باشندے نہیں بلکہ وسیع رومی سلطنت کے افراد نظر آتے تھے اور وہ انہیں واحد اور عالمگیر کلیسیا کے ایسے اعضا دکھائی دیتے تھے جو بدن سے کبھی بھی جدا نہ کئے جا سکتے ہوں۔ ایسے خیالات کے ساتھ ساتھ رسول کو تنظیم کا بھی قدرتی مادہ حاصل تھا۔

یہودی

پہلے پہل روم کے جس حصہ میں مسیحیت پھیلی وہ یہودی بستیاں تھیں۔ پولس رسول کو روم جانے کا اشتیاق محض شہر دیکھنے کے لئے نہ تھا بلکہ رسول کی دلچسپی ان مسیحی افراد سے تھی جو شہر میں ادھر ادھر منتشر تھے اور جن کا ذکر رسول نے اکولہ اور پرسکلہ سے سن رکھا تھا۔ روم کی مسیحی جماعت کے خیال کے ساتھ ہی ساتھ رسول کے دماغ میں یہودیوں کا بھی خیال آ جاتا تھا کیونکہ رومی کلیسیا کے اول مسیحی دیگر کلیساؤں کی مانند یہودی ہی تھے۔

جس وقت کہ رسول نے یہ خط لکھا روم میں ایک بہت بڑا یہودی محلہ یا نو آبادی موجود تھی۔ پہلے پہل رومیوں اور یہودیوں کا تعلق مکابیوں کے زمانہ میں ہوا جبکہ یہوداہ نے ۱۶۱ ق م میں اور یونتن نے ۱۴۳ ق م میں اور شمعون نے [illegible] ق م میں روم کی سینٹ کے پاس اپنے اپنے سفیر بھیجے اور آخرکار ۱۳۹ ق م میں یہودیوں اور رومیوں کا معاہدہ ہو گیا۔ ۱ مکابی ۱۴ : ۲۴ ؛ ۱۵ : ۱۵-۲۴

آخری مرتبہ جبکہ یہودی سفارت روم گئی تو انھوں نے وہاں تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ اس لئے وہ پریٹر ہسپالوس کے حکم سے یروشلم واپس بھیج دئے گئے۔

۶۳ ق م میں جبکہ پامپیئس نے یروشلم پر قبضہ کیا تو وہ اپنے ساتھ بہت

سے یہودیوں کو اسیر کر کے روم لے گیا۔ جہاں وہ بطور غلام بیچ دیئے گئے۔ لیکن ان کے آقا ان کے مذہبی دستور العمل اور کٹر پنے سے بہت جلد تنگ آ گئے اور ایسے غلاموں کی ایک کثیر تعداد آزاد کر دی گئی۔ یہ آزاد غلام لبرتین یعنی آزاد کہلائے ان ہی لبرتینوں نے اپنی سہولت کے لئے یروشلم میں ایک عبادتخانہ قائم کیا جس کا ذکر اعمال ۶: ۹ میں ہے۔ شروع شروع تو رومی شہنشاہ یہودیوں پر بہت ہی مہربان رہے۔ شہنشاہ جولیس ان پر اس قدر مہربان تھا کہ اس کی موت پر انھوں نے بہت ماتم کیا۔ قیصر آگستس نے انہیں شہر سے باہر دریائے تائبر کے کنارے ایک نوآبادی قائم کرنے کی اجازت دی۔ یہ آبادی یہاں تک ترقی کر گئی کہ کہتے ہیں کہ جب ارخلاؤس (سنہ [illegible]ء) کے مظالم اور بدنظمی کے خلاف یہودیہ کے یہودی قیصر آگستس (سنہ ۲۳ ق م – ۱۴ء) کے پاس شکایات لے گئے تو اس وقت روم کے یہودیوں میں سے آٹھ ہزار اس وفد کے ساتھ شامل ہو لئے۔ روم کی یہودی آبادی یہاں تک بڑھ گئی کہ قیصر طبریُس (۱۴ تا ۳۷ء) نے سنہ ۱۹ء میں ان کی طاقت کو توڑنے کی غرض سے چار ہزار یہودیوں کو ڈاکوؤں کی سرکوبی کے بہانہ سے سارڈینیہ بھیج دیا۔ پھر ایک آفت آگستس کے پوتا کلیگولا (سنہ ۳۷ – ۴۱ء) کے زمانہ میں آتے آتے رہ گئی جبکہ وہ خود ہیکل میں اپنی مورت نصب کرنے کا خواہشمند تھا۔ اس کے ناگہاں قتل نے اس آفت کو ٹلا دیا۔ شہنشاہ طبریُس کے بھتیجے شہنشاہ کلاڈیُس (سنہ ۴۱ – ۵۴ء) نے سنہ ۴۹ء میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد کو روم سے شہر بدر کر دیا۔ سوئیطونیُس مورخ کہتا ہے کہ "کلاڈیُس نے یہودیوں کو روم سے نکال دیا۔ کیونکہ وہ آئے دن خرِستُس نامی ایک شخص کے اشتعال پر بلوہ کرتے رہتے تھے"۔ غالباً یہ عبارت کلام مسیحی منادی کے موقعوں پر یہودی مخالفتوں اور شرارتوں کی طرف اشارہ

کرتا ہے۔ اکولہ اور پرسکلہ بھی روم سے نکالے ہوئے یہودی مسیحی تھے جو تقریباً
۵۲ء میں کرنتھس میں موجود تھے۔ شہنشاہ آگسٹس کے پرپوتا شہنشاہ نیرو
(۵۴ء تا ۶۸ء) کی تخت نشینی پر یہودیوں کو روم میں پھر آباد ہونے کا موقعہ مل گیا۔
اکولہ پرسکلہ بھی دوبارہ جاکر آباد ہوگئے۔ رومی ۱۶: ۳۔ یہودی پھر یہاں تک
بارسوخ ہوگئے کہ الیٹرس اور اگرپا دوم نے روم کے دربار میں شمولیت
کا شرف حاصل کیا۔

مذہبی آزادی کے ساتھ حکومت نے انہیں طرح طرح کی سہولتیں بھی
بہم پہنچائیں۔ انہیں فوجی خدمات سے معافی۔ عبادت کرنے اور عبادتخانوں
کی تعمیر کا حق۔ انجمنوں کے قائم کرنے کی آزادی اور ہیکل کے لئے خراج لینے
کی اجازت تھی مشرق میں وہ اپنی عدالت قائم کر سکتے تھے فلسطین میں ان کی ایک
صدر عدالت تھی جسے عدالت اور ملکی انتظام کا اختیار حاصل تھا۔ لیکن جبکہ
۶۶ء کی یہودی بغاوت کے بعد یروشلم فتح ہوا اور مطابق ۹ راگست ۷۰ء میں
طیطس سپہ سالار نے ہیکل کو مسمار کیا تو یہ سب انتظامات ٹوٹ گئے۔ اور سنہڈرن
یا صدر عدالت کے سارے اختیارات گورنر کو حاصل ہوگئے۔ سکندریہ میں گورنر
کے اختیار کے علاوہ یہودیوں کا ایک انتظامیہ بورڈ بھی تھا۔

روم میں ہر ایک عبادتخانہ کا الگ الگ انتظام تھا اور افراد کسی
نہ کسی عبادتخانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ہر ایک عبادتخانہ کا ایک سینیٹ ہوا کرتا
تھا اور اس کے ممبر پریسبیٹر یا بزرگ کہلاتے تھے۔ سینیٹ کا ایک صدر بھی ہوتا تھا
اور ہر ایک عبادتخانہ میں ایک سردار ہوتا تھا۔ (لوقا ۸: ۴۱) جس کے ہاتھ
میں عبادت کا انتظام رہتا تھا۔ سردار عبادتخانہ کے ماتحت ایک خادم (خازن)
ہوتا تھا۔ جس کے سپرد کتاب مقدس کی حفاظت تھی۔ یہ ملزموں کو کوڑے لگاتا

اور عبادت خانہ کے مدرسہ کا مدرس بھی ہوتا تھا متی ۱۰ : ۱۷، لوقا ۴ : ۲۰۔ روم میں یہودی مدبر اور سامرا میں سے مردوں کو باپ اور خواتین کو ماں کا لقب دیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ عبادتخانوں کے مربی ہوا کرتے تھے جو سرکاری یا دیگر خارجی معاملات میں اپنے عبادتخانہ کی امداد کرتے تھے۔

روم میں یہودی جماعت کے بڑے بڑے لوگ بھی پائے جاتے تھے۔ ہیرودیس اعظم کی دس اولادوں سے پانچ بیٹوں یعنی ارستبولس، سکندر، ارخلاؤس، ہیرودیس انطیپاس اور جو تھائی ملک کے حاکم فلپس نے روم ہی میں تعلیم پائی تھی۔ بعد میں ہیرودیس اعظم کا بیٹا ہیرودیس فلپس ہیرودیاس کا پہلا شوہر، ارستبولس اور اس کے بیٹے ہیرودیس اگرپا اول نے روم میں رہائش اختیار کر لی شاہی محل کی ملازمتوں میں بھی یہودی موجود تھے۔ بہتیرے یہودی تاجر بھی تھے۔

شرع کی پابندی کی وجہ سے روم میں یہ بہت ہی بدنام تھے یہ ضرب المثل ہو رہا تھا۔ یہودی محلوں کے گرد اگرد غیر یہودی بھی آباد ہونے جا رہے تھے۔ یہ وہ خدا ترس لوگ تھے جو یہودی مذہب کو اختیار کر چکے تھے اور یہودی تعلیم اور یہودی ملت کے خیر خواہ اور واحد خدا کے پرستار تھے۔ ان ہی لوگوں کے درمیان انجیل نہایت ہی آسانی اور سرعت کے ساتھ مقبول ہوئی۔

مکتوب الیہ

ہر ایک مکتوب کے پڑھنے سے پیشتر ہی انسان مکتوب الیہ کا نام جاننا چاہتا ہے اور جب تک کہ یہ واقفیت نہ ہو کہ مکتوب الیہ کون ہے خط کے پڑھنے میں نہ کوئی مزہ ملتا ہے نہ اس سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے اور اکثر اوقات مضمون

کے سمجھنے میں بھی دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم یہ سوال اٹھائیں کہ اس خط کا مکتوب الیہ کون تھا۔

اندرونی شہادتیں

(۱) مکتوب کے سرنامہ پر لکھا ہے "رومیوں کے نام" جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط رومیوں کو لکھا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ۱: ۷ و ۱۵ میں رومہ کا نام بھی پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط روم بھیجا گیا۔ لیکن نسخہ جی (G) (نویں صدی) میں یہاں پر "رومہ میں" نہیں پایا جاتا ہے۔ باقی سارے قدیم نسخوں میں موجود ہے۔

(۲) مکتوب الیہ سے ملاقات کا کاتب کا بڑا اشتیاق رومی ۱: ۱۲ و ۱۵: ۲۲-۲۴۔ اس کے بالمقابل اعمال ۱۹: ۲۱ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کو روم جانا ضرور تھا۔ اس لئے اگر اس خط کے کاتب رسول پولس ہیں تو یہ خط یقینی روم کو بھیجا گیا۔

(۳) رومی ۱: ۸ و ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ غیر قوم مسیحی تھے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ کلیسیا اس وقت بہت شہرت حاصل کر چکی تھی۔ اور یقینی یہ پولس رسول کی قائم کردہ کلیسیا نہ تھی۔ جہاں تک ہمیں تاریخ کی واقفیت ہے رسولی زمانہ میں رومی کلیسیا ہی صرف ایسی کلیسیا تھی جو غیر یہودی کلیسیا تھی اور جسے رسول پولس نے قائم نہ کیا تھا۔ اور جو بہت مشہور بھی تھی۔ اس لئے یہ خط یقینی رومی کلیسیا کے نام بھیجا گیا ہوگا۔

(۴) ۱۳: ۱-۷ میں سرکار کی تابعداری کی نہایت ہی وضاحت سے تعلیم دی گئی ہے۔ حالانکہ جتنے خطوط بھی رسول کے نام سے منسوب ہیں۔ ان میں طِطُس ۳: ۱ کے سوا کہیں اس قسم کا اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۳: ۱-۷ کی تعلیم مکتوب الیہ کے لئے وقت کے لحاظ سے ضروری یا مناسب تھی۔

اور یہ صرف دو حالتوں میں ممکن ہے۔ رسول کے زمانہ میں ایسی تعلیم فلسطین کے
یہودیوں کے لیے مزیدی تھی کیونکہ آزادی کا خیال فلسطین میں جڑ پکڑ چکا
تھا۔ اور رومیوں کے خلاف نفرت کا پیالہ ایسا لبریز ہو چکا تھا کہ عنقریب نقل
بغاوت کا اندیشہ تھا۔ ایسی حالت میں ایک کمزور ملک اور ضعیف قوم کو جابر
اور طاقتور دشمن سے بچانے کے لیے یہ ایک مفید صدا ثابت ہوتی لیکن مختلف
دلائل کی بنا پر ہم نہایت ہی وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خط ہرگز فلسطین
کے یہودیوں کو نہ لکھا گیا۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ خط حکومت
کے مرکز کو لکھا گیا ہو اور ایسی تابعداری کا مشورہ وہاں کے لوگوں کو دیا گیا ہو
جو نہایت ہی مناسب ہے۔ پس یہ خط رومی حکومت کے مرکز روم کو بھیجا گیا۔

(۵) رومی ۱۵: ۲۲۔۲۴ سے ظاہر ہے کہ جس شہر کو یہ خط بھیجا گیا وہ یروشلم اور
اسپانیہ کی راہ میں پڑتا تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس شہر سے اسپانیہ کا سفر کوئی مشکل
نہ تھا اور رسولی زمانہ میں روم ہی ایک ایسا شہر تھا جہاں مسیحی کلیسیا بھی تھی۔ اس لیے یہ
خط روم کو لکھا گیا۔

(۶) رومی ۱۶: ۱۰۔۱۱ میں ارستبولس کے گھر والوں اور ہرماس کا ذکر ہے۔ اور
تاریخ سے ثابت ہے کہ ارستبولس نے روم میں رہائش اختیار کر لی تھی اور ہرماس
رومی مسیحی تھے جنھوں نے مشہور کتاب شبان لکھی اسلئے یہ خط یقینی روم کو بھیجا گیا۔

(۷) بشپ لائٹ فوٹ کے قول کے مطابق رومی ۱۶ باب کے قریب قریب سارے
نام رومی کتبوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ خط یقینی رومیوں کو لکھا گیا۔

بیرونی شہادتیں

ارشن (از سنہ ۱۴۰ء) نے اسے رومیوں کے نام کا خط کہا
ہے۔ میوراطوری پارچہ (دوسری یا تیسری صدی) بھی اسے
رومیوں کے نام کا خط گردانتا ہے۔ طرطولین (سنہ ۱۵۰-۲۲۵ء) اور یجن (سنہ ۱۸۵-۲۵۴ء)

لوسیلینیس مورخ ۱۹۶۳ء ... خرسوستم ۳۴۴ء تا ۴۰۷ء اور تھیوڈوریٹ اینڈ
سعدی ۴۵۰ء نے ضرور تھا اس خیال کو اختیار کیا ہے کہ یہ خط رومیوں کے روم کو بھیجا
ان تمام دلائل سے علاوہ تم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس خط کا روم ہی سے زیادہ تعلق تھا
جس سے یہ بھی ... معلوم ہوتا ہے کہ اس کا روم سے گہرا تعلق تھا۔ علاوہ ازیں کبھی کسی نے
اس خط کو کسی اور شخص کا خط نہیں کہا۔ ان سب امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط یقینی
رومی کلیسیا کو بھیجا گیا

شہر روم

روم کب قائم کیا گیا اس کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ دریائے
ٹائبر کے دہانے سے تقریباً ۱۸ میل کے فاصلہ پر یہ شہر شروع ہوا تھا
پلاتین کی پہاڑی پر آباد ہوا بعد میں آہستہ آہستہ اس نے پڑوس کی دیگر پہاڑیوں
کو بھی گھیر لیا کہتے ہیں کہ چھٹی صدی ق م میں اس شہر کے چاروں طرف ایک فصیل بنائی
گئی۔ جس کا چکر ۵ میل کا تھا۔ اس فصیل میں ۱۲ دروازے تھے پہلی صدی میں روم
کی آبادی یہاں تک بڑھ گئی کہ فصیل کے باہر بھی عمارتیں بننے لگیں روم کے مشہور چوک
کے میدان کی لمبائی سو گز سے کچھ زیادہ اور چوڑائی تقریباً پچاس گز تھی۔ چوک
روم کا سیاسی۔ عدالتی اور تجارتی مرکز رہا تھا۔ اس چوک کی چڑھائی میں ایک طرف
تو تقاریر کے لئے ایک پنڈال بن رہا تھا۔ اور اس کے مقابل میں دوسری طرف
دوکانیں تھیں اور چڑھائی میں سینیٹ گھر اور کچہریاں تھیں۔ کپتولین کی پہاڑی پر
روم کے مشہور دیوتاؤں کا مندر کپتولیئم تھا۔ اور پلاتین کی پہاڑی پر شاہی محل
اور اپالو کا مندر تھا۔ جس میں کہ یونانی اور لاطینی کتابوں کا ایک پبلک کتبخانہ بھی تھا
جولیس۔ آگستس۔ نروا۔ اور تراجان قیصروں نے ... اور چوک بنائے۔ جو شہر کی
قانونی۔ تحریری اور مذہبی دلچسپیوں کے لئے مقرر تھے کہتے ہیں کہ خداوند مسیح کے
زمانہ میں روم کی آبادی تقریباً بیس لاکھ کے تھی۔ جس میں ہر قوم اور ملت کے لوگ

اور اس کے بعد بھی وہ انہا کیے گئے۔ پھر اگر یہ کلیسیا کسی رسول کی قائم کی ہوئی ہوتی تو
پولس رسول ہرگز اسے اپنی خدمت کا علاقہ نہ بتاتے۔ رومی ۱۵: ۲۰ و ۱: ۸و ۱۳۔
اس کے ساتھ رومی کلیسیا اب تک یہودی اور غیر قوم کے سوال سے بالکل الگ نظر آتی
ہے۔ اگر بفرض محال یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ رومیوں کے خط کے لکھے جانے
سے پیشتر پطرس رسول وہاں جا کر ایک کلیسیا قائم کر چکے تھے۔ جس میں کہ محض
یہودیوں کی شمولیت تھی تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ روم میں دو جدا جدا کلیسیائیں
تھیں۔ ایک یہودی اور دوسری غیر یہودی جسے رسول نے اپنا مکتوب لکھا۔ لیکن اس
کا کوئی نام و نشان نہیں کیونکہ رومی کلیسیا کے ممبر یہودی اور غیر یہودی دونوں
معلوم ہوتے ہیں۔ ان حالات کی بنا پر نتیجہ یہ نکالنا پڑتا ہے کہ پطرس اور پولس
رسولوں کے جانے سے پیشتر ہی روم میں مسیحی جماعت قائم ہو چکی تھی لیکن رسولوں
کی آمد پر کلیسیا کی بڑی ترقی ہوئی۔ چونکہ رومی کلیسیا محض یہودیوں پر مشتمل نہ تھی
اس لئے پولس رسول نے بھی اپنے مخاطبین کو اپنے حلقۂ خدمت کا شریک جانا۔ ۱: ۱۳
۱۵ تا ۱۵: ۱۵-۸۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ کلیسیا کا ایک بڑا حصہ غیر یہودی تھا کیونکہ
پولس اپنے آپ کو غیر قوموں کا رسول سمجھتے تھے۔ خط میں رسول عام یہودی اعتراضات
کا جواب بھی دیتے ہیں اور ایسے موقعوں پر یہودی اصطلاحات بھی استعمال کئے گئے
ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کلیسیا میں کچھ تعداد یہودیوں کی بھی تھی۔ خط
میں رسول نے جن ۲۶ اصحاب کو سلام کہا ہے ان میں سے کم از کم ۹ یہودی تھے
آمد و رفت کی کثرت اور سہولت کی وجہ سے اس وقت روم میں ایسے لوگ
بھی موجود تھے جو رسول کے دوست تھے یا آپ کے وسیلہ خداوند پر ایمان لائے
تھے۔ ممکن ہے کہ مریم۔ اندرنیکس اور یونیاس کلیسیا کے قائم کرنے والوں میں سے
ہوں۔ کلیسیا کی ابتدا تو حسب دستور یہودیوں ہی سے ہوئی ہوگی مگر جماعتی ترقی

غیر یہودی افراد سے ہوئی۔ ۴۰:۱۱۰: ۶:۷ ؛ ۹ : ۱۰ تا ۱۵ : ۱ ؛ ۱۱ : ۱۳ میں کلیسیا کے لیئے یہودی اور غیر یہودی کا سوال خاصہ اہمیت رکھتا تھا کیونکہ یہاں بھی یہودیوں کی تعداد کافی تھی ۔ مگر کوئی ایسا اشارہ نہیں ملتا جس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکے کہ روم میں بھی یہودی اور غیر یہودی کا سوال ایسا طوفان برپا کر رہا تھا جیسا کہ گلتیہ کی کلیسیا میں۔ نہ کوئی اس کا ثبوت ہے کہ یہودی تعلیم یہاں تک جڑ پکڑ چکی تھی کہ فساد کا باعث ہو۔

کلیسیا کی عام زبان یونانی تھی اور تقریباً دوسو سال تک اسکا رواج رہا کیونکہ پہلی اور دوسری صدی عیسوی کی رومی کلیسیا کی ساری تحریرات یونانی زبان میں پائی جاتی ہیں۔ سولھویں باب میں بھی جن افراد کا ذکر ہے ان میں سے اکثر نام یونانی ہیں۔ رومی تہ خانوں کے قبرستان کے قدیم نام بھی اکثر یونانی ہیں۔ اور رومیوں کے خط کے قریب قریب سارے نام ان تہ خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

کلیسیا کے افراد ہر طبقہ سے تھے۔ غلام آزاد غلام ۔ پیشہ ور۔ تاجر امرا۔ اور بہت جلد مسیحیت روم کے شاہی خاندانوں میں بھی گھس گئی۔ ممکن ہے کہ نرکسّس وہی نرکسّس غلام ہو جسے شہنشاہ کلادیس نے آزاد کیا تھا ۱۶ : ۱۱ اور ممکن ہے کہ ارستبولس کے گھر والے ہیرودیس اعظم کے بیٹے ارستبولس کی اولاد ہوں ۱۶ : ۱۰۔ شہنشاہ نیرو کے زمانہ میں ۶۴ء میں جبکہ پہلے پہل حکومت کی طرف سے مسیحیوں کی ایذا رسانی ہوئی۔ تو بزرگ کلیمنٹ کہتے ہیں کہ شہر روم میں اس وقت مقدسوں کی "ایک کثیر جماعت تھی" ان کی تعداد غالباً اتنی زیادہ بڑھ گئی تھی کہ کوئی تعجب نہیں کہ حکومت کو ان کی بڑھتی تعداد سے خوف پیدا ہو گیا ہو جب وقت کہ پولس نے اپنا خط لکھا اس وقت بھی روم میں ایک بڑی اور طاقتور کلیسیا تھی جو

اعمال ۲۰: ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] میں پولس رسول کا نہایت
ہی سرگرم استقبال ہوا جس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ رومیوں کے خط کو بھی
واجب احترام کیا گیا ہوگا۔ فلپیوں کے خط (اگر یہ روم سے لکھا گیا ہو) سے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول قید خانہ میں تھے تو کلیسیا میں رسول کے خلاف
شرارتیں پیدا ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ فلپیوں ۱: ۱۵-۱۸ بلکہ ۲: ۱۹-۲۲ سے ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی مخالفت اس قدر زیادہ ہو گئی تھی کہ رسول کا کوئی بھی ہمدرد
باقی نہ رہا تھا۔ اور ۲ تیمتھیس ۴: ۱۶ میں تو یہاں تک ذکر ہے کہ مقدمہ کے پہلے اظہار پر
مقامی مسیحیوں میں سے ایک نے بھی رسول کا ساتھ نہ دیا۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ
ہوتا ہے کہ رومیوں کے خط کا مقصد پورے طور سے حل نہ ہوا۔

کاتب یا مصنف

نئے عہد نامہ کے قانون میں جو تیرہ خطوط پولس رسول کے
نام سے منسوب ہیں۔ وہ سب کے سب یقینی رسول مذکور کے نہیں۔ عبرانیوں کے
خط کے متعلق تو عام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ ہرگز رسول مذکور کا نہیں اور بعض خطوط
ایسے ہیں جن کے کاتب کا سوال ابھی تک بحث طلب ہے۔ لیکن رومیوں -
دونوں کرنتھیوں اور گلتیوں کے چاروں خطوط پر کوئی قابل ذکر اعتراض نہیں۔
اور ان چاروں خطوط کو عام طور سے رسول پولس کا مکتوب مانا جاتا ہے۔ پولس رسول
کی تاریخی شخصیت کا ثبوت اور ان کی تعلیم اور تصنیفی صلاحیت کا اندازہ سب سے
پہلے یہی چار خطوط پیش کرتے ہیں۔ رومیوں کے کاتب کا سوال اب نہیں اٹھتا
اور علماء اس امر پر متفق ہیں کہ چاہے کوئی اور خط پولس رسول کا ہو یا نہ ہو یہ
رومیوں کے نام کا خط یقینی رسول مذکور ہی کا ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ
رومیوں کے خط کی موجودہ صورت بھی یقیناً وہی ہے جو پہلے پہل رسول نے تیار

کی تھی۔

اندرونی شہادتیں

(۱) خط کے سراسر اور ۱:۱ میں صریحاً پولس ہی کا نام مذکور ہے۔

(۲) ۱۵: ۲۶ میں یروشلم کے غریب مقدسوں کے لئے مکدنیہ اور اخیہ کے چندہ کا ذکر ہے [illegible] کی ذمہ داری رومیوں کے مصنف پر تھی۔ اگر اس کا مقابلہ ۱ کرنتھیوں ۱۶: ۱-۵، ۲ کرنتھیوں ۸: ۴، ۹: ۱-۵ کے ساتھ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہی ذمہ داری کرنتھیوں اور رومیوں کے کاتب پر تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کرنتھیوں اور رومیوں کے کاتب ایک ہی شخص تھے۔ پس اگر کرنتھیوں کے کاتب پولس رسول تھے تو رومیوں کے کاتب بھی یہی ہیں۔ اور اعمال ۲۴: ۱۷ تو اس امر کو ظاہر کر دیتا ہے کہ چندہ کا کام رسول پولس کی نگرانی میں تھا۔

(۳) رومی ۱۵: ۳۱ سے ظاہر ہے کہ مصنف یہودیہ جانے سے [illegible] تھے کیونکہ وہاں ان کی جان کا خوف تھا۔ اگر اس کا مقابلہ اعمال ۲۰: ۲۲-۲۳ اور ۲۱ باب سے کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ رسول پولس تھے۔

(۴) ۱: ۱۳، ۱۵: ۲۲-۲۴ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رومیوں کے مصنف کو روم جانے کا اشتیاق تھا۔ اگر اس کا مقابلہ اعمال ۱۹: ۲۱ سے کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ جنہیں اس وقت روم جانے کا شوق تھا وہ رسول پولس تھے۔

(۵) ۱۶: ۲۱ میں تیمتھیس کو مصنف نے اپنا ہمخدمت بتایا ہے۔ اعمال ۱۹: ۲۲ اور ۱۶: ۱-۳ کے مقابلہ سے ظاہر ہے کہ تیمتھیس رسول پولس کے ہمخدمت تھے۔

(۶) مذکورہ بالا دلیلوں کے علاوہ خط کی زبان، عبارتیں، اصطلاحات، طرز تحریر اور خیالات وغیرہ خود اس امر کے شاہد ہیں کہ خط کے کاتب رسول پولس ہی ہیں۔

بیرونی شہادتیں

(۱) مارشن (قریب ۱۳۹ء) میور طوری پارچہ (دوسری یا تیسری صدی ء) یوسیبیس مورخ (۲۶۳-۳۳۹ء) نے رومی کو رسول پولس کے خطوں میں شمار کیا ہے۔

(۲) ادنی ناسٹکوں (دوسری صدی ء) نے رومی ۱: ۲۰-۲۳، ۲۶-۲۷ کا حوالہ دیتے ہوئے اسے پولس رسول کا قول کہا ہے۔

(۳) قدیم کلیسیا کے کسی بزرگ نے بھی اس خط کو کسی غیر شخص کا نہیں کہا۔

ان سب امور سے یہ ثابت ہے کہ یہ خط رسول پولس ہی کا لکھا ہے نہ کہ کسی غیر کا۔

محرر اور قاصدہ

رسول پولس اپنے ہاتھ سے خط نہیں لکھتے تھے بلکہ خود بولتے جاتے تھے اور ان کے محرر لکھتے جاتے تھے۔ رومی کے محرر ترتیس تھے۔ رومی ۱۶: ۲۲ اور جن کی معرفت رسول نے یہ خط روم کو بھیجا ان کا نام رومی ۱۶: ۱ میں فیبے بتایا گیا ہے۔ فیبے کرنتھیس شہر کی بندرگاہ کنخریہ کی ایک خاتون تھیں جو کلیسیا میں ڈیکن کا عہدہ رکھتی تھیں۔

وجوہات اور مقاصد

رومیوں کے نام کے خط لکھے جانے کی وجوہات اور مقاصد حسب ذیل ہیں:۔

(۱) کرنتھیس میں جبکہ رسول نے اکولہ اور پرسکلہ سے رومی کلیسیا کے ایمان کی تعریف سنی تو انہیں وہاں کے مسیحیوں سے ملاقات کا شوق پیدا ہو گیا اور یہ خط اس ملاقات کی تیاری کی غرض سے لکھا گیا ۱: ۸۔

(۲) روم جانے کا خیال کے ساتھ ہی رسول کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ مغرب میں بھی کچھ مسیحی خدمت کریں اور اب جبکہ مشرق کی خدمت تمام ہوئی تو

تو رسول کو مغرب جانے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ رسول کا یہ ارادہ ہوا کہ جلد سپانیہ میں خدمت شروع کریں اور جس طرح مشرق میں انطاکیہ کو اپنی خدمت کا مرکز بنایا تھا اسی طرح روم کو مغرب کا مرکز بنائیں۔ اور اب یہ خط اس لئے لکھا تا کہ رومی کلیسیا کو اپنے ارادہ سے واقف کریں۔ اور ان سے اس معاملہ میں امداد کی درخواست کریں ۱۵: ۲۴ و ۲۸

(۳) صرف یہی نہیں کہ رسول کو رومی کلیسیا سے ملاقات کا اشتیاق تھا اور وہ ان کی امداد سے اپنے مقاصد کا سفر کامیاب بنانا چاہتے تھے۔ بلکہ رسول کو یہ بھی امید تھی اور یہ خواہش تھی کہ روم میں میرا قیام کلیسیا کے لئے روحانی ترقی اور برکت کا باعث ہو اور وہ برکتیں جو خدا نے میری معرفت غیر قوموں کو دیں وہ انہیں بھی حاصل ہوں تا کہ وہ اور بھی مضبوط ہو جائیں۔ ۱: ۱۱ و ۱۵: ۱۵ و ۲۹

(۴) روم پہونچنے سے پیشتر رسول نے بہتر یہ سمجھا کہ خط کے ذریعے پہلے اپنا تعارف کرائیں اور رومی مسیحیوں کو بتائیں کہ خدا نے خاص طور سے مجھے غیر قوموں کا رسول مقرر کیا ہے تا کہ وہ میری آمد پر قبول کرنے کو تیار ہوں۔ اور اس وقت چونکہ رسول کے بہتیرے دوست و احباب روم میں موجود تھے اس لئے موقع کو غنیمت جان کر رسول نے انہیں سلام لکھا تا کہ وہ بھی کلیسیا کو رسول کے استقبال کے لئے تیار کریں۔ کیونکہ جب تک کلیسیا رسول کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوتی ان سے کسی طرح کی امداد کی توقع لا حاصل تھی۔

(۵) پچھلے کئی سالوں سے رسول کو یہودی نما مسیحیوں سے واسطہ پڑ رہا تھا۔ اور جا بجا ان کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا کیونکہ وہ رسول کی رسالت کے قائل نہ تھے اور ان کی خدمت کے مخالف تھے۔ اور یہ رسول کے خلاف

ہر جگہ فساد کی آگ لگانے میں نہایت ہی سرگرم بھی تھے۔ اس لئے رسول کو خوف تھا کہ کہیں یہ شرارت کی آگ روم بھی نہ پہونچ گئی ہو اور پھر معلوم نہیں کلیسا میرے خط کو اور مجھے قبول کرے یا نہ کرے۔ یہ خیال کرکے رسول نے بہتر سمجھا کہ کلیسا کے آگے اپنی نجات کی تعلیم وضاحت کے ساتھ پیش کریں تاکہ لوگ خود ہی جانچ کر پہچان لیں کہ آیا خالص مسیحی تعلیم میری ہے یا یہودی نما مسیحیوں کی۔ اور اگر صحیح تعلیم میری ہے تو پھر یہودی نما مسیحیوں کی مخالفت اور فساد کہاں تک جائز ہے۔ رسول کو امید تھی کہ جب لوگ میری تعلیم سے واقف ہو جائیں گے تو مجھے خوشی سے قبول کریں گے۔ اور میرے خلاف جھوٹی باتوں کو دل میں جگہ نہ دیں گے اور یہودی نما مسیحیوں کی شرارتوں سے آگاہ ہو کر کلیسا اس شر سے محفوظ رہے گی اور خدا کا کام تیزی سے چلتا رہیگا ۱۶: ۱۷۔

تاریخ

پولس رسول کی زندگی کے واقعات کی صحیح تاریخیں نہیں بتائی جا سکتیں۔ اس لئے جو کچھ تاریخیں بتائی جاتی ہیں ان میں دو چار سال کا فرق ہو سکتا ہے۔ اعمال ۱۸: ۱۲ میں مذکور ہے کہ جب رسول اپنے دوسرے دورہ پر کرنتھس میں تھے اس وقت سنیکا بھائی گلیو آخیہ کا صوبہ دار تھا۔ گلیو کی بابت صحیح علم ہے کہ وہ شہنشاہ کلادیس کے عہد میں جولائی ۵۱ یا ۵۲ء میں کرنتھس شہر میں آخیہ کا صوبہ دار ہو کر آیا۔ اور جب رسول ۵۳ یا ۵۴ء میں کرنتھس سے انطاکیہ روانہ ہوئے تو اس وقت گلیو موجود تھا۔ اگر یہاں سے رسول کے دوروں کا حساب لگایا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جلد سے جلد رسول کو ۵۷ء کے ایسٹر سے کچھ ہی بیشتر کرنتھس میں تیسرا دورہ تمام کرکے یروشلم روانہ ہونے کا موقع ملا ہوگا۔ اور

۵۵ء کے اختتام سے بیشتر تو وہ یقینی روانہ ہو چکے ہونگے۔ ہم جانتے ہیں کہ تیسرے دورہ کے اختتام پر رسول نے تین ماہ کا قیام کرکے کرنتھس میں گزارا تھا۔ یہ قیام ۵۶-۵۵ء میں کسی وقت ہوا جبکہ رسول نے رومیوں کا خط تحریر کیا۔ تحریر کے وقت رسول یا تو خاص کرنتھس شہر ہی میں تھے یا اس کی بندرگاہ کنخریہ میں۔ رومیوں کا خط غالباً فروری یا مارچ ۵۶ء میں لکھا گیا۔ خط کے لکھنے کے بعد ہی رسول یروشلم روانہ ہو گئے

اگر یہ خط ۵۶ء کے موسم بہار میں لکھا گیا تو یقینی پہلا کرنتھی ۵۵ء کے بہار میں اور دوسرا کرنتھی پہلے کے چھ ماہ بعد یعنی ۵۳-۵۴ یا ۵۵ء میں لکھا گیا یا افسس سے لکھا گیا۔ فلپی بیشتر [illegible] گلتی کا وقت رومیوں چند ماہ بیشتر ۵۶-۵۸ء کا موسم بہار بتاتے ہیں۔

وقت کے لحاظ سے پولس رسول کے خطوط کو عام طور سے چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:-

(۱) پہلا اور دوسرا تھسلنیکی

(۲) گلتی - پہلا اور دوسرا کرنتھی اور رومی

(۳) فلپی - افسی - کلسی اور فلیمون

(۴) پہلا اور دوسرا تیمتھیس اور ططس

یہ خطوط اوقات کے لحاظ سے رسول کے خیالات کی تبدیلی کا بھی اظہار کرتے ہیں۔

زبان

رومیوں کا خط رسول پولس نے یونانی زبان میں لکھا۔ یہ بات تو بڑی عجیب ہے کہ روم کے باشندوں کو کوئی خط بجائے لاطینی کے یونانی زبان میں لکھا

جائے لیکن وجہ یہ ہے کہ تقریباً ڈھائی سو سال تک رومی کلیسیا میں لاطینی کی نسبت
یونانی زیادہ عام فہم تھی۔ کیونکہ کلیسیا کے کثیرالتعداد افراد کی زبان یونانی ہی تھی۔
شہر میں بھی تجار اور غلامان میں سے یونانیوں اور یونانی بولنے والے مشرقی لوگوں
کی تعداد بہت ہی زیادہ تھی۔ اعلیٰ خاندان اور امراء و شرفاء کے بچے بھی اپنی
یونانی دایوں سے یونانی سیکھتے تھے یہاں تک کہ اعلیٰ طبقوں میں یونانی بولنا
ایک فیشن تھا۔ یہودیوں اور مسیحیوں میں اس زبان کا اس قدر عام رواج تھا
کہ پہلی صدی عیسوی کے اخیر میں کلیمنٹ نے اپنے خطوط اور دوسری صدی
میں ہرماس نے اپنا چوپان بھی یونانی ہی میں لکھا۔ علاوہ ازیں رسول پولس بھی
یونانی زبان سے واقف تھے اور لاطینی سے انہیں واقفیت تھی یا نہ تھی اس کی بابت
کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

رومی کلیسیا کی پہلی لاطینی تصنیفات اپولانیس اور وکٹر افریقی کی ہیں۔
اپولانیس نے معذرت نامہ اور اعمال لکھ کر شہنشاہ کمودس کے زمانہ میں ۱۸۵ء
میں شہادت کا جام پیا۔ اور وکٹر افریقی سنہ ۱۸۹-۱۹۸ء میں روم کے بشپ رہے
لیکن روم میں لاطینی کا رواج تیسری صدی عیسوی کے وسط میں زور پکڑنے
لگا اور تقریباً سو سال میں یہ روم کی عام زبان بن گئی۔

طرزِ تحریر

پولس رسول کے نام سے جتنے خطوط منسوب ہیں ان کی طرزِ تحریر ایک
دوسرے سے بہت ہی مختلف ہے۔ بنابریں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ سب
کے سب رسول مذکور کے ہیں یا نہیں۔ رسالہ کے خطوط میں سے رومیوں اور فلپیوں
کے نام کے خطوط طرزِ تحریر میں ایک دوسرے سے بہت ہی زیادہ مختلف ہیں یہ

اختلافات چنداں خیالات اور الفاظ کے انتخاب کے مضمون کی ساخت اور ترتیب کے ہیں۔

رومیوں کا خط دیگر خطوط کی طرح گو بہت زوردار اور رواں ہے لیکن تو بھی یہ نہایت ہی پیچیدہ ہے۔ اس کے الفاظ نہایت ہی سنبھلے ہوئے ہیں اور اس کا طرز بیان حلیم اور سہنیں۔ دلی جوش کی وجہ سے موزوں الفاظ کی آمد مضمون کے حسن کو اور بڑھا دیا کرتی ہے۔ اس خط کا مضمون چست ہے اور زبان ترانہ اور تلمیح ... دلیلیں مختصر اور پیرائے ...

اس خط میں ... ایسے الفاظ ہیں جو رسولوں کے دیگر خطوط میں نہیں پائے جاتے۔ ان یونانی الفاظ کی فہرست حسب ذیل ہے:-

(۱) δικαίωμα (دیکے اوما) - ۱:۳۲ ؛ ۲:۲۶ ؛ ۵:۱۶ اور ۱۸ ؛ ۸:۴ - حکم - راستبازی - تقاضا۔

(۲) δικαίωσις (دیکے اوسس) ۴:۲۵ اور ۵:۱۸ - بریت

(۳) ἀσθένημα (اَستھنیما) ۱:۱۵ - کمزوری۔

(۴) κατακαυχᾶσαι (کتا کوخاسے) ۱۱:۱۸ فخر

(۵) ὀφείλημα (اُفائیلیما) ۴:۴ حق

(۶) ὠφέλεια (اوفیلائیا) ۳:۱ نفع

رومیوں میں رسول نے پرانے عہدنامہ کے بیانات بھی کثرت سے شامل کئے ہیں۔

ادبی تواریخ

رومیوں کے خط کی زبان اور خیالات عبرانیوں کے نام کے خط، یعقوب کے

خط۔ پہلا پطرس اور یہوداہ کے خط سے بہت ہی زیادہ ملتے جلتے ہیں۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ ان سب خطوط میں سے رومیوں کا خط قدیم تر ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ ان خطوط کی تیاری میں کام نہ آسکتا تھا۔ لیکن پروفیسر مور نے بالکل الٹا نتیجہ نکالا ہے اور وہ ان خطوط میں رومیوں کے خط کو سب سے آخری بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ رومیوں کے خیالات لفظی یا معنوی طور سے دیگر خطوط سے ماخوذ ہیں۔

ملتے جلتے خیالات کی مثالیں حسب ذیل ہیں:۔

رومی	عبرانی
۴:۱۶-۲۱	۱۱:۱۱ و ۱۲ و ۱۹ و
۱۲:۱۹	۱۰:۳۰
رومی	**یعقوب**
۲:۱	۴:۱۱
۲:۱۳	۱:۲۲
۳:۲۰ و ۴:۱-۶، ۲	۲:۱۴-۲۶
۴:۱	۲:۲۱
۴:۲۰	۱:۶
۵:۳-۵	۱:۲-۴
۷:۲۳	۴:۱
۱۳:۱۲	۱:۲۱

رومی	پہلا پطرس
۹:۲۵-۲۶	۲:۱۰
۹:۳۲-۳۳	۲:۶-۸
۱۲:۱	۲:۵
۱۲:۲	۱:۱۴
۱۲:۳-۶، ۱۱-۱۳ اور ۸-۱۰، ۹، ۱۳	۴:۷-۱۱
۱۲:۹ و ۱۰	۱:۲۲
۱۲:۱۶ و ۱۷	۳:۸، ۹
۱۲:۱۸ و ۱۹: ۱۴:۱	۳:۱۱
۱۳:۱، ۳، ۴ و ۷، ۱-۷	۲:۱۳-۱۷

رومی	یہوداہ
۱۶:۲۵-۲۷	۲۴، ۲۵

علاوہ ازیں رسولی آبا میں سے کلیمنٹ رومی نے رومیوں کے خط کی تعلیم کو مستند الہیات کے طور پر استعمال کیا۔ اگنیشیس نے اس کے اصطلاحات اور خیالات استعمال کئے۔ پولیکارپ نے بار بار اس کے حوالے دئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی کے شروع ہی سے یہ خط کثرت سے استعمال کیا جانے لگا۔ اور کلیسیا میں مستند رسولی تعلیم اور پولس رسول کا خط سمجھ کر قبول کیا گیا۔ الغرض پہلی صدی عیسوی میں رومی کلیسیا اور شاید دیگر کلیسیائیں بھی رومیوں کے خط سے واقف تھیں اور سنہ ۱۴۰ء تک مشہور کلیسیاؤں میں سے انطاکیہ روم سمرنا اور غالباً کرنتھس کی کلیسیاؤں نے اس خط کو پولس رسول کے خطوط کے ساتھ کیا اور اسے رسول کا مستند خط تسلیم کیا۔ سنہ ۱۵۰ء تک مارشن نے اسے پولس رسول کا خط سمجھ کر اپنے قانون میں شامل کیا اور دوسری صدی کے اختتام تک اسے ساری کلیسیاؤں نے پولس رسول کا مستند خط تسلیم کیا گیا اور اس طرح یہ مستقل طور پر قانونی خط بن گیا۔

رومیوں کا خط مسیحی الہیات کی پہلی بڑی تصنیف ہے۔ بزرگ آگسٹین کے زمانہ سے سولھویں صدی تک اس کا اثر مغرب کی الہیات، فلسفہ اور سیاست پر بہت ہی گہرا رہا اور اصلاح کے زمانہ میں رومیوں کی تعلیم تو مصلحین کی پشت پناہ ہی تھی موجودہ زمانہ میں بھی یہ اس قابل ہے کہ اسے مسیحی زندگی کا رہنما سمجھا جائے۔ اگر یہ سچ ہے تو کیا رومیوں کی تعلیم اس قدر قابل قدر ہے کہ انسان اسے ہضم کرکے اپنے خیالات کو اسی شکل پر ڈھالے؟ کیا سچ مچ کوئی ایسا زندہ اور لاتبدیل خدا ہے جو انسان کو اپنے ارادے کے مطابق بلاتا ہے اور جس کی ایک ایک جنبش پر بنی آدم کی زندگی میں اور انسانی کاروبار میں ایک انقلاب واقع ہوتا ہے؟ اگر یہ سچ ہے کہ خداوند مسیح کے ظہور کے وسیلہ خدا نے سچ مچ دنیا کے کاروبار میں

ایک بار زبردست طور پر دخل انداز ہوا تو پھر رسول کے دلائل بھی درست ہیں۔
پروٹسٹنٹ تبلیغی انجمن جبکہ شروع شروع میں قائم کی گئی تھیں تو اس وقت کلیسیائیں غیر مسیحی ممالک کی تاریک زندگی پر کانپ اٹھتی تھیں اور بغیر مسیح کے زندگی کا محض خیال ہی انہیں ہراساں کر دیتا تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں ایسا خوف وخیال علمی کمی کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ چاہے یہ علمی کمی کی دلیل ہو یا ایمان کی پختگی مگر رومیوں کے خط کی تعلیم کی ابتدا بھی اسی خیال سے ہوتی ہے ——— "کوئی راستباز نہیں۔ ایک بھی نہیں نہیں" ——— رسول کا عالمگیر اتحاد کا خیال جو سارے بنی آدم کو ایک تن بنا کر وحدت انسانی کا نظریہ پیش کرتا ہے اس وقت بھی ایک ایسا نظریہ ہے جو دنیا کے دکھ اور درد کا واحد علاج ہے۔
یہ وہ وحدت انسانی ہے جس کی رگ رگ میں انسانی ہمدردی بھری ہے جو اس عظیم الشان جسم کے سارے اعضاء میں اس طرح پھیلی ہوئی ہے کہ وہ سب آپس میں ایک دوسرے سے متفق ہیں اور ایک دوسرے کے خادم اور مددگار ہیں۔ خدا کے غضب کے ساتھ دنیا میں انقلاب آئے۔ اور ضرور آئے اور خدا کے فضل کا چشمہ بھی پھوٹ نکلے اور دنیا کو خوب فیضیاب کرے اور کاش کہ ہر ایک فرد کی زندگی میں ایسا ہی ہو۔ کیا اس وقت بھی کلیسیا یہ کہہ سکتی ہے کہ متغیر حالات میں بھی ہمیں کوئی شے مسیح کی محبت سے نہیں جدا کر سکتی؟ حقیقت یہ ہے کہ جتنی زیادہ ہماری واقفیت رسول پولس سے ہوتی جائے گی اتنی ہی زیادہ ہم ان کی اس بڑی تصنیف کو بھی سمجھتے جائیں گے۔

قانون میں شمولیت

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے عبرانی۔ یعقوب۔ پہلا پطرس اور یہوداہ

کے خطوط میں رومیوں کے لفظی اور اقتباسات موجود ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکور بالا خطوط کے مصنف رومیوں کے خط کو مستند الہامی خط تسلیم کرتے تھے۔ بزرگ کلیمنٹ رومی نے کئی بار اس خط کا حوالہ دیا ہے۔ بشپ اگنیشیس اور بشپ پولیکارپ کی تعلیم رومیوں کے خط کی تعلیم سے ملتی جلتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اس خط کو الہامی اور اسکی تعلیم کو مستند قرار دیا۔ مارشن نے بھی اسے اپنے قانون میں شامل کیا۔ میور توری فہرست میں بھی یہ موجود ہے۔ بزرگ آئرنیس کے زمانے سے آبا نے کثرت سے اسکے حوالجات بطور سند پیش کرنا شروع کر دئیے۔ توبنگن کے مقلد بھی اسے قانون سے خارج نہیں کرتے۔ بورنے آخری دو ابواب کا انکار کیا کیونکہ انکی سمجھ میں خداوند مسیح کا یہودیوں کا خادم کہنا پولس رسول کے خیال سے پرے تھا ۱۵: ۸۔

خط کی تصنیفی وحدت

رومیوں کے خط کی وحدت پر طرح طرح کے سوالات اٹھائے گئے ہیں جن کا مختصر بیان حسب ذیل ہے:-

۱: ۱۸-۳: ۲۰ میں گناہ کو ایک عالمگیر مرض اور ہر ایک انسان کو ملزم قرار دیا گیا ہے۔ اس میں خاص طور سے یہودی مدنظر ہیں اور اس کا طرز بیان خط کے دیگر حصوں سے مختلف ہے۔ گرچہ یہ کوئی علحدہ تحریر نہیں معلوم ہوتی تاہم اس کا طرز بیان تقریری اور وعظ سا معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ حصہ ان خیالات کا مجموعہ ہو جنہیں رسول نے یہودیوں کے عبادتخانوں میں بار بار بحث کرتے ہوئے پیش کیا (اعم ۱۸: ۴، ۱۹: ۸)

نویں صدی عیسوی کے نسخہ G میں ۱: ۷، ۱۵ میں "روم میں" نہیں پایا جاتا

ہے اور برکت کے کلمہ کی جگہ کے متعلق بھی نسخوں میں اختلاف ہے۔ اس سے یہ نتائج اخذ کئے گئے ہیں کہ یا تو رسول نے شروع میں ایک چھوٹا خط عام کلیسیاؤں کے فائدہ کے لئے لکھا جس میں لفظ "روم میں" نہیں پایا جاتا تھا۔ اور بعد ازاں اسی خط کو اور زیادہ واضح کیا اور ۱: ۷، ۱۵ میں لفظ "روم میں" اضافہ کرکے رومی کلیسیا کو بھیج دیا۔ یا رسول کے بعد کی کلیسیا نے عام کلیسیاؤں کے فائدہ کے لئے رومیوں کے خط کا ایسا اختصار تیار کیا۔ اور اس میں سے لفظ "روم میں" نکال دیا۔ اور اس اختصار کے آخیر میں خط کے برکت کا کلمہ بھی جوڑ دیا تاکہ رسالہ مکمل نظر آئے۔ یہ رسالہ غالباً ۱۴: ۲۳ یا ۱۶: ۲۵-۲۷ کے ساتھ تمام ہوا۔ نسخہ الف میں برکت کا کلمہ یہیں پر ہے۔

ڈاکٹر سی۔ ایچ ڈاڈ کا خیال ہے کہ باب ۹-۱۱ خود ہی ایک علیحدہ رسالہ ہے کیونکہ اس کے نکال دینے سے خط پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور بغیر کسی کمی کے احساس کے خط پورے طور سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ رسالہ بھی مکمل ہے۔ اور اپنی تکمیل کے لئے رومیوں کے کسی حصہ کا محتاج نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ اسرائیل کے رد کئے جانے کے مضمون پر رسول کا کوئی وعظ یا رسالہ ہو جسے رسول نے اس خط سے پیشتر تیار کیا تھا اور گاہ بگاہ مضمون مذکور کی ضمن میں اسے استعمال کرتے رہے کیونکہ گفتگو کا طرز اس میں نہایت ہی نمایاں ہے۔ یہ باہمی بحث کا طریقہ سطوآئی اور سنکی فلسفیوں کی تحریرات میں بھی عام تھا اور عوام الناس میں مقبول بھی تھا۔ حضرت یعقوب کا خط بھی اسی طرز پر ہے۔ اگر اس حصہ کو علیحدہ پڑھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم رسول کا وعظ سن رہے ہیں۔ کیونکہ اس کی ابتدا اور اختتام اور اس کا لب ولہجہ وعظ کی طرح ہے۔ ممکن ہے کہ جب ۳: ۱-۹ میں رسول نے اسرائیل کے رد کئے جانے کے مضمون کو چھیڑا تو پھر جان بوجھ کر اسے

ملتوی کر دیا۔ کیونکہ آپ کا ارادہ تھا کہ ب ۹-۱۱ کا رسالہ آگے اضافہ کر دیں گے جس میں اس مضمون پر بحث کی گئی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خیالات کے تسلسل اور زبان کی روانی میں رسول نے اس رسالہ کی جگہ آٹھویں باب کے بعد پائی۔ اور اس کے بعد بارہویں باب سے پھر نئی ابتدا کی۔ لیکن ب ۱۲ کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تحریر کی نئی ابتدا نہیں اور اس کا تسلسل پیشتر ہی سے ہے۔ کیونکہ ب ۱۲ خدا کی رحمتوں کے ذکر سے شروع ہوتا ہے اور رحمت یا رحم ب ۹-۱۱ کا خاص لفظ ہے۔ حالانکہ ب ۸ کا خاص لفظ محبت ہے اس لئے یہ ثابت ہوا کہ ب ۱۲ کا تسلسل ب ۱۱ کے بعد ہے نہ کہ ب ۸ کے بعد جس کا خاص لفظ محبت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ب ۹-۱۱ کا طرز خط کے باقی حصہ سے جداگانہ ہے اس حصہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پرانا عہدنامہ کے حوالجات پر بالوضاحت گفتگو کی گئی ہے۔ چوتھا باب بھی قدرے ایسا ہی ہے۔ اور خط کے دیگر حصوں میں پرانا عہدنامہ کے حوالجات کی طرف محض اشارتاً کچھ کہا گیا ہے نہ کہ بالوضاحت اس لحاظ سے گلتیوں کا خط اس حصہ سے بہت ہی ملتا جلتا ہے۔ اس بنا پر بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حصہ کسی نہ کسی صورت میں خط سے پیشتر ہی موجود تھا۔ اگر یہ پیشتر موجود تھا اور وقت کی بچت کی خاطر رسول نے خط میں شامل کر لیا ہو تو کوئی تعجب کی بات بھی نہیں۔ اس لئے کہ رسول بہت ہی مشغول آدمی تھے۔

ب ۱۵-۱۶ کے متعلق بھی طرح طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ بہتیرے علما اسے رومیوں کا حصہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ قرین قیاس ہے کہ مارشن نے اس حصہ کو قطع کر دیا۔ آئرینیس۔ طرطولین اور سپرین نے اپنی تحریرات میں اس کی کوئی آیت بطور حوالہ نہیں استعمال کی۔ بعض علما کا خیال ہے کہ کم از کم ب ۱۶ کسی ایسے

خط کا حصہ ہے جو رسول نے افسیوں کے نام لکھا۔ یہ خیال خاص طور سے اپینیتس۔ اکولہ اور پرسکلا حضرات کے ناموں کی موجودگی کی وجہ سے پیش کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن نہیں کہ روم میں رسول کے اتنے ملاقاتی موجود ہوں جبکہ وہ خط سے پیشتر کبھی روم نہ گئے ہوں۔ ۱۶ب کے متعلق جو کچھ خیالات پیش کئے گئے ہیں۔ ان کا اطلاق ۱۵ب پر نہیں ہوتا۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دکھایا جا سکتا ہے کہ جن ناموں کا ۱۶ب میں ذکر ہے۔ ان ناموں کے لوگ روم میں موجود تھے۔ گو سولھویں باب کا کسی اور خط یا تحریر کا حصہ ہونا بعید از قیاس نہیں۔ لیکن تو بھی خط سے اس کی علیحدگی ممکن نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ کوئی مرکب تصنیف نہیں بلکہ مفرد اور واحد خط ہے۔ اور چاہے خط کے مختلف حصوں کے خیالات اور زبان کی تاریخ کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ سارے کا سارا خط اس وقت ایک ہی مضمون کے تحت ہے۔ اور اس کے ٹکڑے پارچے کر کے علیحدہ علیحدہ تحریرات کی شکل میں تقسیم کر کے دکھانے سے بھی اس کی وحدت پر حرف نہیں آتا۔ ۱: ۱۶-۱۷ میں خط کی سرخی پیش کرنے کے بعد مضمون نہایت ہی مدلل طور پر چلتا ہوا ۱۵: ۱۳ پر جا کر اختتام پر پہونچتا ہے۔ اس کے بعد شخصی معاملات اور دیگر متفرقات کا ذکر ہے۔ اس خط میں بھی رسول کے دیگر خطوط کی طرح جا بجا مضمون سے علیحدگی دوران بحث میں کسی اور بات کا ذکر۔ اور کہیں کہیں پر تشریحی اضافے ہیں لیکن یہ سب اپنی اپنی جگہ خط کے مضمون کی صفائی کے لئے ضروری ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ نجات کے جس مضمون کو رسول نے رومیوں میں پیش کیا۔ اس پر تحریر سے پیشتر ہی وہ غور و خوض کر چکے تھے۔ کیونکہ رومیوں کے خط کی تعلیم رسول کے دیگر خطوط کی نسبت زیادہ صریح اور صاف ہے۔

خط کا مضمون

جس طوفان کا اظہار گلتیوں کے خط سے ہوتا ہے وہ رومیوں کے لکھے جانے سے پیشتر ہی تمام ہو چکا تھا کیونکہ وہی خیالات جو گلتیوں میں غصہ کی حالت میں حملہ اور جلوں میں قلمبند کئے گئے ہیں رومیوں میں نہایت ہی سنجیدگی اور وضاحت کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ بیس پچیس سال کی جان توڑ خدمت کے عرصہ میں رسول پولس کا یہودیوں اور یہودی نما مسیحیوں سے ہر جگہ مقابلہ رہا کیونکہ وہ ہر جگہ آپ کی مخالفت پر کمر بستہ رہتے تھے اور یہ خط اس طویل عمر کے مباحثوں اور غور و خوض کا نتیجہ ہے اور یہودی مخالفتوں پر فتحیابی کا اظہار اس طویل عرصہ کی خدمت اور تلخ تجربات کے بعد اس خط میں رسول نے انجیل اور یہودیت کا رشتہ ظاہر کیا ہے۔ رسول کی خاص تعلیم خط کے دیباچہ میں پائی جاتی ہے جسے آپ نے بطور معذرت نامہ کے پیش کیا ہے۔ ۱: ۱۶۔ گلتیوں کا اور اس خط کا مضمون ایک ہی ہے جبکہ رسول نے ڈنکے کی چوٹ کے ساتھ اعلان کرتے ہوئے کہا کہ "میں انجیل سے شرماتا نہیں اس لئے کہ وہ ہر ایک ایمان لانے والے کے واسطے پہلے یہودی پھر یونانی کے واسطے نجات کے لئے خدا کی قدرت ہے اس واسطے کہ اس میں خدا کی راستبازی ایمان سے اور ایمان کے لئے ظاہر ہوتی ہے جیسا لکھا ہے کہ راستباز ایمان سے جیتا رہیگا"۔ ۱: ۱۶-۱۷ یہ خط اس سوال کا جواب ہے کہ مسیحیت کیا ہے اور خط کا یہ عنوان مسیحی نجات کی تعلیم کی بنیاد پر رسول نے اپنی نجات کی تعلیم کو اس طرح پیش کیا کہ سارا جہان بغیر استثنا گناہ کے مرض میں مبتلا ہے۔ اس سے نہ تو یہودی بری ہیں نہ غیر یہودی۔ اور سب کے سب الٰہی راستبازی حاصل کرنے سے قطعی مجبور ہیں۔ گناہ عدول

شریعت ہے۔ اور عدول شریعت نے سارے جہان کو خدا کے غضب کا مستحق بنا دیا ہے۔ اس لیئے کہ نہ یہودیوں نے موسوی شریعت کے تقاضے کو پورا کیا۔ نہ غیر یہودیوں نے ضمیر کی شریعت کی پرواہ کی۔ نہ قانون فطرت کی طرف توجہ دی الغرض سب کے سب گناہ کی حالت میں پڑے ہیں۔ ایسی حالت میں جبکہ انسان کے لیئے الہٰی راستبازی کا حصول ایک امر محال تھا۔ خدا نے خداوند مسیح پر ایمان رکھنے کے ذریعے الہٰی راستبازی کا حاصل کرنا انسان کے لیئے ممکن بنا دیا جو نجات خداوند مسیح کے وسیلہ سے حاصل ہوتی ہے وہ خدا کی طرف پہلے پہل بریت کا حکم ہے جو راستبازی کی ایک نئی حالت پیدا کرتی ہے جو تبریہ کہلاتی ہے۔ گناہ کا انجام بیماری کے انجام کی طرح موت ہے۔ یہ موت گناہ کی اس فیصلہ کن حالت کا نام ہے جو الہٰی رفاقت سے علیحدگی اور خدا کے سارے عہود اور وعدوں سے بے حق ہونا ہے۔ مسیحی نجات کے ابتدائی امور چار ہیں۔ انسان کی طرف ایمان اور اس کا ظاہری نشان بپتمہ۔ اور خدا کی طرف سے بریت کا حکم اور روح القدس کا انعام۔ ایمان۔ بریت۔ اور روح القدس تینوں کا حصول بہ یک وقت ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک کی کمی یا غیر موجودگی باقی دو کی کمی یا غیر موجودگی کا بھی ثبوت ہے۔ اور بپتمہ گو زمانی طور سے ان تینوں کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ لیکن امکانی طور سے تینوں کے ساتھ ہے۔ (یہاں محض بالغوں کا بپتمہ مدنظر ہے)۔ ان چاروں امور کے حصول کو تبریہ یا راستباز ٹھہرایا جانا کہتے ہیں۔ ان چاروں میں سے جب ایک کا ذکر ہو تو لامحالہ باقی تینوں کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے۔ نجات یہ ہے کہ تبریہ کے وسیلہ خداوند مسیح کے ساتھ ہم اس طرح ایک ہو جاتے ہیں کہ گناہ کی طرف سے مردہ ہو کر ایک نئی زندگی کے ساتھ جی اٹھتے ہیں [illegible] ہم [illegible] زندگی کے [illegible] کی شریعت مسیح یسوع میں ہم کو گناہ اور موت کی

شریعت سے آزاد کرتی ہے ۔ ۸:۲ اور چونکہ مسیح کا روح ہم میں لبا ہوا ہے اس لیئے ہماری زندگی بھی روحانی زندگی ہے اور اس روحانی زندگی کی حالت کا نام تقدیس ہے ۔ واضح ہو کہ رسول کی تعلیم میں تقدیس کوئی علیحدہ شئے نہیں ۔ بلکہ تبریہ کا لازمی نتیجہ ہے ۔ اور زندگی چونکہ ایک ہی ہے جس کی ابتدا تبریہ سے ہوتی ہے ۔ اس لیئے رسول کے لفظ تبریہ یا راستباز ٹھہرایا جانا میں تقدیس کا مفہوم بھی شامل جاننا چاہیئے ۔

رسول کی یہودی زندگی ایک کشمکش کی زندگی تھی ۔ جس میں وہ باطنی طور سے گناہ سے ہمیشہ شکست ہی کھاتے رہے مسیحی ہونے پر انہیں ایک ایسی شانتی حاصل ہوئی جو ان کی ساری سمجھ سے باہر تھی ۔ اسی شانتی کے خیال کو وہ تبریہ یا تقدیس کے الفاظ سے ادا کیا چاہتے ہیں ۔ یہ شانتی رسول کی سمجھ میں کچھ ایسی حیرت انگیز ہے کہ صرف خدا ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے یہ خدا کی بخشش ہے جسے کوئی انسان کما نہیں سکتا ۔ لیکن خداوند مسیح پر ایمان رکھنے کے وسیلہ اس کا تجربہ ہر ایک انسان کر سکتا ہے ۔ چاہے وہ یہودی ہو یا یونانی ۔ لیکن اگر ایمان کے وسیلہ نجات حاصل ہوتی ہے اور ایمان الہٰی فضل سے پیدا ہوتا ہے تو پھر خدا کیوں بعض کو یہ فضل بخشتا ہے ۔ اور بعض کو نہیں اور اسرائیل کیوں اس بخشش سے محروم رہا ؟ رسول نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ خدا حاکم کل ہے اور اس پر کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ۔ کیونکہ انسان اس کے بھیدوں کو سمجھنے سے قاصر ہے ۔ علاوہ ازیں اعتراض بھی وہی کر سکتا ہے ۔ جو حقدار ہو نہ کہ بے حق ۔ لیکن اسرائیل اس لیئے ایمان کی بخشش سے [illegible] آکہ بنی آدم پر خدا کی عالمگیر رحمت ظاہر ہو

مختصر یہ کہ رسول کا مضمون تبریہ سے تقدیس پر اور تقدیس سے تقدیر [illegible]

چلا جاتا ہے۔ خدا کے عہود اور وعدوں کی وارث خدا کی برگزیدہ قوم اسرائیل کے رد کئے جانے کا سوال قدیم کلیسیا کے لئے ایک حل طلب مسئلہ تھا۔

پولس رسول کی زندگی

کسی مکتوب یا تصنیف کا سطحی علم حاصل کر لینا کچھ دشوار نہیں لیکن اس کی گہرائی تک پہونچنے کے لئے ضرور ہے کہ ہم اس کے کاتب یا مصنف کی زندگی سے واقف ہوں۔ کم از کم اس کی زندگی کی ان حالات کا علم تو نہایت ہی ضروری ہے جو تصنیف پر اپنا اثر رکھتی ہیں۔ تصنیف کے مواقع اور مصنف کے ماحول کو کسی تحریر کے مطالعہ کے وقت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

رسول پولس صوبہ سوریہ کے علاقہ کلکیہ کے مرکزی شہر ترسس میں پیدا ہوئے جو اس وقت علم و ادب کا بھی مرکز ہو رہا تھا۔ ان کا خاندان و نسب کا یہودی۔ قبیلہ کا بنیمینی اور تعلیم کا غالباً فریسی تھا۔ ان کی زبان ارامی تھی۔ رسول کا یہودی نام دراصل ساؤل تھا۔ لیکن کسی خدمت کے سلسلہ میں ان کے خاندان کو رومی ہونے کا حق مل گیا تھا اور اس لحاظ سے ان کا رومی نام پولس تھا۔ ان کا خاندان شہر میں ایک باعزت اور دولتمند خاندان تھا۔ حضرت ساؤل نے پہلے پہل تو اپنی تعلیم ترسس میں حاصل کی۔ جہاں کہ سطوآئی فلسفہ کا بہت رواج تھا۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے حصول کی غرض سے آپ یروشلم تشریف لے گئے۔ اور وہاں مشہور فریسی عالم گملی ایل کے شاگرد بنے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خداوند کی تبلیغی خدمت سے پیشتر ہی آپ تعلیم حاصل کر کے اپنے وطن واپس جا چکے تھے۔ اسی لئے آپ کو خداوند کی ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ رسول تعلیمی لحاظ سے کٹر فریسی تھے۔

اور گو آپ کا وطن فلسطین سے باہر تھا تو بھی آپ کی تعلیم و تربیت یونانی نہیں بلکہ عبرانی تھی۔ علم کے علاوہ یہودی دستور کے مطابق آپ نے خیمہ دوزی کا فن بھی سیکھا تھا۔

رسول کے خیالات کی دنیا میں داخل ہونے کے دو دروازے ہیں اول پرانا عہدنامہ۔ دوم یونانی تعلیم و تہذیب۔ لیکن رسول کی زندگی کا قریبی ماحول نہ تو پرانا عہدنامہ تھا نہ قدیم یونانی تہذیب۔ سکندر اعظم بادشاہ مکدنیہ ۳۳۶ تا ۳۲۳ق م نے ۳۳۲ ق م میں یہودیہ پر قبضہ کیا اور ۳۳۱ ق م تک سارا فلسطین فتح ہو گیا۔ اس وقت یونانی اور یہودی تہذیبوں کا پہلے پہل مقابلہ ہوا اور تقریباً دوسری صدی ق م کے شروع میں یونانی تہذیب اور مشرقی تہذیبوں کے ملاپ سے ایک نئی نیم یونانی اور نیم مشرقی تہذیب ظاہر ہونے لگی۔ پولس رسول کا قریبی ماحول یہی نئی تہذیب تھی۔ اس نئی تہذیب میں بھی رسول کا قریب تر ماحول جدید یہودی تہذیب تھی۔ جس کے وارث پراگندہ یہودی تھے۔ جہاں تک رومیوں کے خط کا تعلق ہے پرانے عہدنامہ میں سے ۲ یسعیاہ نسبتاً۔ یونانی یہودی تصنیفات میں سے سلیمان کی حکمت اور ارامی حلقہ میں ۲ عزرا کی کتابوں کا رومیوں کے خط کی تصنیف پر خاص اثر ہے۔ گو یہ کتابیں پولس رسول کی الہیات کا مصدر نہیں لیکن تو بھی وہ زندگی کے تجربات اور تواریخ کی ترجمانی میں رسول کے تصورات کی رہنما ہیں۔

پیتمہ نیا عہدنامہ میں پہلے پہل آپ کا ذکر حضرت ستفنس کی شہادت کے سلسلہ میں ہوا ہے جہاں مذکور ہے کہ "گواہوں نے اپنے کپڑے ساؤل نام ایک جوان کے پاؤں کے پاس رکھ دیئے ...... اور ساؤل اس کے قتل پر راضی تھا" اعم ۷: ۵۸؛ ۸: ۱۔ اس وقت انہوں نے یروشلم

سے مسیحیت کے نام و نشان مٹانے کا بیڑا اٹھایا۔ اور سردار کاہنوں کی اجازت
سے مسیحیوں کو بری طرح ستانے لگے۔ عبادتخانوں میں انہیں کوڑے لگوائے
الزام لگا کر انھیں قید میں ڈلوایا۔ بلوہ کرا کر بعضوں کو قتل کرایا اور اسقدر
سخت مخالفت پر اتر آئے کہ انہیں دوسرے شہروں میں بھی آرام سے نہ
رہنے دیا بلکہ جا بجا گھوم کر مسیحیوں کو مٹانے کا ارادہ کیا۔ اعم ۲۶ : ۱۰-۱۲
چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ یروشلم سے سردار کاہنوں سے اختیار اور
پروانے کر مسیحیوں کو ستانے کی غرض سے دمشق روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ
کے ساتھ چند اور یہودی بھی تھے جبکہ وہ دمشق کے پاس پہونچے تو دوپہر کا
وقت تھا کہ یکایک ان کے گرداگرد ایک سورج سے بھی روشن تر نور چمکا۔
یہ دیکھ کر سب خوفزدہ ہو کر منھ کے بل گر پڑے۔ اس وقت خداوند مسیح
حضرت ساؤل پر ظاہر ہوا اور غیب سے عبرانی زبان میں ایک آواز آئی کہ
"اے ساؤل! اے ساؤل!! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ پینے کی آر پر لات مارنا
تیرے لئے مشکل ہے"۔ اس پر حضرت ساؤل نے پوچھا کہ "اے خداوند تو کون
ہے؟" خداوند نے جواب دیا کہ "میں یسوع ناصری ہوں جسے تو ستاتا ہے لیکن
اُٹھ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو۔ شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہیئے۔ وہ تجھ سے کہا جائیگا۔
کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ان چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر
کروں جن کی گواہی کے لئے تو نے مجھے دیکھا ہے۔ اور ان کا بھی جن کی گواہی کے
لئے میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں گا اور میں تجھے اس امت اور غیر قوموں سے بچاتا
رہوں گا جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں کھولدے
تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف
رجوع لائیں اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی اور مقدسوں میں شریک

ہو کر میراث پائیں۔" رسول کے ساتھیوں نے جب آواز سنی تو کھڑے ہو کر ادھر اُدھر تکنے لگے مگر انھوں نے کسی کو بھی نہ دیکھا۔ اتنے میں جب حضرت ساؤل نے زمین پر سے سر اٹھایا تو ان کی آنکھیں الٰہی نور سے ایسی چکا چوندہ ہو گئی تہیں کہ وہ تین دن تک دیکھنے سے قطعی قاصر رہیں۔ اسی حالت میں ان کے ساتھی انہیں شامل لے کر دمشق میں داخل ہوئے۔ نابینائی کے ساتھ ساتھ یہ اس قدر خوفزدہ بھی تھے کہ تین دن تک نہ کچھ کھا سکے نہ پی سکے اور روزہ کے ساتھ اپنے اوقات کو عبادت ریاضت اور واقعہ کے غور و خوض میں کاٹتے رہے۔ تیسرے دن حضرت ساؤل نے حضرت حنیاہ کے ہاتھ سے دمشق میں بپتسمہ لیا اور اسیوقت دوبارہ بینائی بھی حاصل ہوئی اور دل بھی الٰہی نور سے معمور ہو گیا۔ آپ کی آنکھیں کھل گئیں اور آپ نے خداوند مسیح کو پہچان لیا۔ اعمال ۹: ۲۲-۲۶۔ اب کلیسیا کو قائم ہوئے کچھ سال ہو چکے تھے جبکہ حضرت ساؤل سنہ ۳۰-۳۷ء میں کسی وقت مسیحی ہوئے۔

خداوند مسیح کے اس ظہور کا واقعہ رسول کی ساری زندگی اور آپ کی تقاریر اور تحریرات پر ایسا اثر رکھتا ہے کہ رسول کی تحریرات کے مطالعہ کے وقت ضرور ہے کہ اسے پیش نظر رکھا جائے۔ اس موقعہ پر آپ کی زندگی میں ایک ایسا زبردست انقلاب اور تبدیلی واقع ہوئی جس کا شان و گمان بھی نہ تھا۔ اسوقت حضرت ساؤل نہ فقط مسیحی ہوئے بلکہ انہیں رسالت کا بھی مژدہ سنایا گیا۔

گواہی بپتسمہ پاتے ہی آپ نے دمشق کے عبادتخانوں میں اپنے مسیحی ایمان کی گواہی دی۔ دمشق کے یہودی آپ کی اس تبدیلی پر سخت حیران تھے۔ چند دن کے قیام کے بعد آپ ایک عرصہ کے لئے عرب (غالباً بیابان سینا) روانہ ہو گئے۔ یہاں آپ نے اپنے ایمان کی تبدیلی پر دوبارہ غور و خوض کیا اور الٰہی رفاقت اور رسالت کی تیاری میں اپنے اوقات کو کاٹا۔ [illegible]

سے وہ پھر دمشق واپس گئے اور وہاں یہودیوں کے عبادتخانوں میں اس بات کو ثابت کرنے لگے کہ خداوند یسوع ہی مسیح ہے اور خدا کا بیٹا بھی۔ یہودی اس بات سے سخت ناراض ہوئے اور آپ کی جان کے درپے ہو گئے۔ وہ اس بات کی تاک میں لگے رہتے تھے کہ جب کبھی موقعہ ہو آپ کا کام تمام کر دیں۔ لیکن دمشق کے مسیحیوں کو اس سازش کی خبر لگ گئی اور انھوں نے ایک رات موقع پاکر آپ کو ٹوکرے میں بٹھایا اور دیوار پر سے باہر لٹکا کر کسی اور طرف سے نکال دیا جہاں کہ دشمنوں کا خدشہ نہ تھا۔ دمشق سے نکل کر آپ سیدھے یروشلم پہونچے۔ یہاں حضرت برناباس نے پطرس اور یعقوب رسولوں سے آپ کا تعارف کرایا اور آپ کی دلی تبدیلی کا حال کہہ سنایا۔ رسولوں سے یہ پہلی ملاقات مکاشفہ کے حاصل ہونے کے تین سال بعد ہوئی۔ یروشلم میں بھی جا بجا آپ نے خداوند کے نام کی منادی شروع کردی۔ یہودی یہاں بھی آپ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ ایک روز ہیکل میں عبادت کے وقت خداوند آپ پر ظاہر ہوا اور اس نے کہا "جلدی کر اور فوراً یروشلم سے نکل جا کیونکہ وہ میرے حق میں تیری گواہی قبول نہ کریں گے۔" اس پر جب حضرت ساؤل نے اپنی پچھلی یہودی غیرت کا ذکر کیا تو خداوند نے فرمایا کہ "میں تجھے غیرقوموں کے پاس دور دور بھیجوں گا۔" ادھر تو خداوند نے نکل جانے کا حکم دیا ادھر مسیحیوں کو بھی یہودیوں کی دشمنی کا حال معلوم ہو گیا۔ ابھی حضرت ساؤل کے قیام کو صرف پندرہ ہی دن ہوئے تھے کہ کلیسیا نے آپ کو قیصریہ روانہ کر دیا جہاں سے وہ بعد ازاں اپنے وطن ترسس کو چلے گئے اور سوریہ اور کلکیہ کے علاقوں میں خداوند کی منادی کرنے لگے۔ ایک عرصہ دراز کے بعد حضرت برناباس آپ کو ترسس سے انطاکیہ کو لائے۔ یہاں ایک سال کے قیام کے بعد کلیسیا نے آپ دونوں اصحاب کی معرفت یروشلم کے غریب بھائیوں کے لئے چندہ روانہ کیا۔ کیونکہ اس وقت

اگبوس ہی نبی کے قول کے مطابق سنہ ۴۴ء-۴۶ء میں کسی سال شہنشاہ کلاڈیس کے عہد میں یہودیہ میں سخت کال پڑ رہا تھا۔ حضرت شاؤل نے اپنے ہمراہ اس وقت حضرت طِطُس کو بھی لے لیا تھا جو نامختون یونانیوں میں سے مسیحی ہوئے تھے۔ اپنے مسیحی ہونے کے چودہ سال بعد یہ دوسری بار آپ یروشلم تشریف لے گئے۔ اپنی خدمت تمام کر کے تینوں اصحاب انطاکیہ کو لوٹے اور یروشلم سے اپنے ہمراہ یوحنا مرقس کو لیتے آئے۔

انطاکیہ میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جب کلیسیا روزہ اور عبادت میں مشغول تھی تو روح القدس نے ہدایت کی کہ حضرت پولس اور حضرت برنباس کو الٰہی بلاہٹ کے مطابق کلیسیا مخصوص کرے اور ان کی رسالت پر مہر کرے۔ کلیسیا نے الٰہی حکم کی فوراً تعمیل کی اور روزہ اور دعا کے ساتھ ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر الٰہی خدمت کے لئے انہیں مخصوص کیا اور تبلیغی خدمت کے لئے انہیں رخصت کیا۔

رسول پولس کے تبلیغی دورے تین حصوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں:-

پہلا دورہ سنہ ۴۷-۴۹ء

خدا کے دونوں رسول حضرت پولس اور حضرت برنباس مع حضرت یوحنا مرقس کے انطاکیہ سے روانہ ہو کر نزدیک کی بندرگاہ سلوکیہ پہنچے۔ جہاں سے وہ جہاز پکڑ کر جزیرہ کپرس آئے اور سلمیس شہر کے یہودی عبادتخانوں میں خدا کا کلام سنانے لگے۔ وہاں سے وہ جزیرہ کے مغربی شہر پافس آئے جہاں انہیں ایک یہودی جادوگر اور جھوٹا نبی الیماس بریسوع نامی ملا جس کا کہ صوبہ دار سرگیس پولس معتقد تھا۔ جب رسولوں نے صوبہ دار کو مسیحی پیغام سنانا چاہا تو اس جادوگر نے مخالفت کی۔ آخرکار رسول پولس نے اسے ڈانٹا اور اس کی نابینائی کی اسے خبر دی اور جب وہ نابینا ہو گیا تو صوبہ دار نہایت ہی حیران ہوا اور الٰہی کلام کی

طرف رجوع لایا۔ یہیں سے رسول کا نام شاؤل کے بجائے پولس چلنے لگا۔ پافس سے پھر وہ جہاز پکڑ کر پمفیلیہ کے شہر پرگہ پہونچے۔ جہاں یوحنا مرقس انہیں چھوڑ کر یروشلم روانہ ہوگئے۔ پرگہ سے دونوں رسول پسدیہ کے شہر انطاکیہ پہونچے اور وہاں کے عبادتخانہ میں خداوند یسوع مسیح کے نام کی منادی کرنے لگے۔ کلام سُنکر بہتیرے یہودی اور غیر یہودی ایمان لے آئے۔ یہاں سے نکال دئے جانے کے بعد وہ اکنیم گئے اور وہاں بھی عبادت خانہ میں تعلیم دینے لگے۔ یہاں بھی بہتیرے یہودی اور یونانی خداوند پر ایمان لائے لیکن بعد میں جب یہودی اور دیگر رسولوں کو سنگسار کرنے کے لئے چڑھ آئے تو مُشکل خدشہ محسوس کرکے لکاؤنیہ کے علاقہ کو بھاگ گئے۔ جب درلسترہ پہنچے تو وہاں ایک جنم کا لنگڑا ملا جسے رسول پولس نے شفا بخشی۔ یہ معجزہ دیکھ کر وہاں کے لوگوں نے انھیں دیوتا سمجھا اور حضرت پولس کو ہرمیس اور حضرت برنباس کو زیوس کہا۔ زیوس کے مندر کا پجاری فوراً قربانی کے لئے آموجود ہوا۔ لیکن رسولوں نے انہیں منع کیا۔ کچھ دنوں کے بعد انطاکیہ اور اکنیم کے شرتی یہودی پیچھا کرتے ہوئے یہاں بھی آپہونچے اور شہر کے یہودیوں کی اکسار کر رسول پولس کو سنگسار کیا اور مردہ جان کر شہر سے باہر پھینک دیا۔ لیکن بعد میں شہر کے مسیحی جو خداوند پر ایمان لے آئے تھے رسول کو اٹھا کر شہر میں لے گئے۔ اس واقعہ کے دوسرے ہی دن دونوں رسول دربے چلے گئے۔ وہاں بھی انجیل سن کر بہتیرے خداوند پر ایمان لائے۔ یہاں سے پھر وہ اسی راستے لوٹتے ہوئے پرگہ پہونچے۔ راہ میں انھوں نے کلیساؤں کو نصیحت کرکے ایمان میں مضبوط کیا اور ہر ایک کلیسیا میں بزرگوں کو مقرر کیا۔ پرگہ سے وہ اتلیہ آئے۔ جہاں سے جہاز پکڑ کر انطاکیہ واپس پہونچ گئے۔ یہاں کلیسیا کے روبرو انھوں نے اپنی خدمت کی رپورٹ

سنائی۔ کلیسیا نے اس پر مسرت کا اظہار کیا کہ خدا نے ہر جگہ غیر یہودیوں کے لئے بھی
نجات کا دروازہ کھول دیا ہے۔

تکرار

پولس رسول کے پہلے دورہ کا اختتام کے کچھ عرصہ بعد حضرت پطرس
رسول انطاکیہ تشریف لائے اور وہ بھی غیر یہودیوں کو کلیسیا
کا شریک دیکھ کر نہایت ہی مسرور ہوئے اور ان کے ساتھ کھانا پینا اور مل جل کر
رہنا سہنا روا ٹھہرایا۔ پطرس رسول کی آمد کے بعد ہی کچھ یہودی نما مسیحی یہودیہ
سے آدھمکے اور انھوں نے غیر یہودی مسیحیوں کو جھوٹ موٹ حضرت یعقوب
صادق کی طرف سے کہنا شروع کیا کہ "اگر موسیٰ کی رسم کے موافق تمہارا ختنہ
نہ ہو تو تم نجات نہیں پا سکتے"۔ انھوں نے نامختون مسیحیوں کے ساتھ کھانا پینا
بھی ناروا قرار دیا۔ انکا یہ رویہ دیکھ کر اور حضرت یعقوب صادق کا نام سنکر
حضرت پطرس رسول نے نامختون مسیحیوں سے کھانے پینے کے معاملات میں اس
وقت کنارہ کشی مصلحت سمجھی تاکہ یہودیہ کے مختون مسیحیوں کو ٹھوکر نہ لگے اور
حضرت یعقوب صادق سے خلاف مرضی بھی نہ ہو۔ اس لئے کہ آپ بھی یروشلم کی
کلیسیا کے شریک تھے۔ آپ کے ساتھ ساتھ آپ کے دیگر ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا
اس لئے کہ وہ بھی یہودیہ سے آئے ہوئے تھے۔ اس امر کی تقلید حضرت برنباس
نے بھی کی۔ جب پولس رسول نے یہ حال دیکھا تو انھوں نے سخت مخالفت کی اور
یہودی نما مسیحیوں سے اس مسئلہ پر سخت بحث اور تکرار کرنے لگے۔ حضرت برنباس
نے بھی رسول کی طرف سے بحث میں حصہ لیا۔ آخرکار معاملہ اس قدر طول پکڑ
گیا کہ انطاکیہ کی کلیسیا نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ مسئلہ یروشلم میں بزرگوں کے
سامنے پیش کیا جائے۔ چنانچہ انطاکیہ کی طرف سے اس امر کے لئے حضرت پولس
حضرت برنباس اور چند دیگر اصحاب یروشلم روانہ کئے گئے۔ یروشلم میں غیر اقوام نے

ایمان لانے کا حال فینیکے اور سامریہ کے بھائیوں کو بھی سناتے گئے۔ اور انہیں اس مسئلہ پر متفق پایا۔

واضح ہو کہ اس وقت تک مسیحی جماعت کی حیثیت ایک یہودی فرقہ سے زیادہ نہ تھی جس کی خصوصیات اور خصوصی تعلیمیں حسب ذیل سمجھی جاتی تھیں۔

(۱) خداوند یسوع ہی یہودیوں کا مسیح موعود ہے۔ جو مر گیا اور مردوں میں سے جی اٹھا اور خدا کے دہنے ہاتھ جا بیٹھا۔ وہ مسیحانہ زمانہ کو قائم کرنے لئے پھر دوبارہ آئیگا۔

(۲) وہ سب انفرادی اور جماعتی طور سے روح القدس کی حضوری کے احساس کے باعث آپس میں متحد تھے۔

(۳) بپتسمہ اور عشاء ربانی۔

(۴) بارہ رسولوں کی موجودگی اور ان کی پیشوائی۔

ان خصوصیات کے ساتھ عام یہودی مومنین ساری یہودی ملت کو اپنے عقائد پر لانے کے امیدوار تھے لیکن جب غیر یہودی بھی کلیسا میں شامل ہونے لگے تو طرح طرح کے سوالات پیدا ہونے لگے اور مسیحی کلیسا یہودی جماعت سے ایک علیحدہ ملت بننے لگی۔ یہودی اور غیر یہودی کا سوال نہ فقط انطاکیہ میں تھا بلکہ یہ سوال ہر جگہ پیدا ہوتا جا رہا تھا اور حل طلب تھا۔

رسولی مجلس
سنہ ۴۹ یا ۵۰ عیسوی

جبکہ ہر چہار طرف سے نامختونوں کے ایمان لانے کی خبریں آ رہی تھیں اور یہودی نامسیحی جا بجا اس بات پر تکرار کر رہے تھے کہ انہیں شریعت کا پابند بن کر یہودی طور پر زندگی بسر کرنا چاہیئے تو رسولوں اور کلیسا کے بزرگوں نے مصلحت سمجھا کہ اس مسئلہ کے لئے ایک مجلس فراہم کریں تاکہ ہمیشہ کے لئے اس کا فیصلہ

ہوجائے۔ چنانچہ رسول اور بزرگ یروشلم میں جمع ہوئے مجلس کے صدر حضرت یعقوب
صادق تھے۔ بہت بحث و مباحثہ کے بعد حضرت پطرس۔ حضرت پولس۔ اور حضرت
برنباس نے اپنی تبلیغی خدمتوں کی کامیابی کا حال سنا کر حاضرین کے سامنے یہ دلیل
پیش کی کہ جب غیر یہودی افراد نے محض ایمان سے روح القدس حاصل کیا جو اپنی نجات
اور فضل کا ثبوت ہے تو پھر ان پر شریعت کا فاضل بوجھ کیوں لادا جائے۔ الغرض مجلس اس
نتیجہ پر پہنچی کہ نجات شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ خداوند یسوع پر ایمان لانے سے حاصل ہوتی
ہے۔ اس لئے کسی مسیحی کا یہودی طور پر زندگی بسر کرنا غیر ضروری ہے لیکن مختونوں
اور غیر مختون مسیحیوں کے تعلقات کو آسان کرنے اور کلیسیا کی یگانگت کو قائم رکھنے
کے لئے صاحب صدر نے یہ فیصلہ دیا کہ "جو غیر قوموں میں سے خدا کی طرف رجوع
ہوتے ہیں ہم ان کو تکلیف نہ دیں (شریعت پر عمل کرنے کی) مگر ان کو لکھ بھیجیں
کہ بتوں کی مکروہات اور حرامکاری اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور لہو سے
پرہیز کریں" اعم ۱۵: ۱۹-۲۰ اس فیصلہ کو مجلس نے خوشی سے قبول کیا۔
اور کلیسیاؤں میں اسے بھجوا دیا اور انطاکیہ کو یہ لکھ بھیجا کہ یہودی نما مسیحی
جنہوں نے انطاکیہ میں فساد مچایا وہ ہرگز حضرت یعقوب صادق یا کسی بزرگ
کی طرف سے بھیجے ہوئے نہ تھے مجلس کے برخاست ہونے پر حضرت پولس اور
حضرت برنباس مع قاصدان مجلس حضرت یہوداہ اور حضرت سیلاس خوش
خوش انطاکیہ روانہ ہوئے۔ اور وہاں پہونچکر سارا حال کہہ سنایا۔ پیغام سنا کر
حضرت یہوداہ نبی تو واپس چلے گئے لیکن حضرت سیلاس نبی نے انطاکیہ ہی میں قیام
کرنا بہتر سمجھا۔

دوسرا دورہ ۵۰ تا ۵۳ء	دوسرے دورہ میں پولس رسول نے رسول مجلس کے قاصد سیلاس نبی کو بھی اپنے شامل لے لیا تاکہ وہ کلیسیاؤں

کو مجلسی فیصلہ سے آگاہ کریں۔ صوبہ سوریہ اور اس کے علاقہ کلکیہ سے ہوتے ہوئے، وہ دربے اور لسترہ پہنچے جہاں انھوں نے کلیساؤں کو مجلسی فیصلہ سے آگاہ کیا۔ لسترہ میں اسوقت حضرت یونیکے کا خاندان نہایت ہی نیک نام مشہور ہو رہا تھا۔ حضرت یونیکے اور ان کی والدہ لوئیس یہودی تھیں اور دونوں ماں بیٹی کتاب مقدس سے خوب واقف تھیں۔ ان کے شوہر یونانی تھے۔ یہ خاندان غالباً رسول کے پہلے دورہ کے موقع پر ایمان لایا تھا اور دوسرے دورہ پر رسول نے حضرت یونیکے کے صاحبزادے حضرت تیمتھیس کو جو اب جوان ہو چکے تھے لسترہ اور اکنیم کی کلیساؤں میں نیک نام اور معزز پایا۔ جب رسول یہاں پہنچے تو خدا کے نبیوں نے الٰہی حکم سنایا کہ کلیسیا حضرت تیمتھیس کو تبلیغی خدمت کے لئے مخصوص کرے۔ چنانچہ خدا کے حکم کے مطابق رسول پولس اور کلیسیا کے بزرگوں نے حضرت تیمتھیس کے سر پر ہاتھ رکھ کر مخصوص کیا۔ دورہ پر اپنے ہمراہ لے جانے سے پیشتر رسول نے حضرت تیمتھیس کا ختنہ کرا دینا مصلحت سمجھا تاکہ کسی طرح یہودیوں کو ٹھوکر نہ لگے۔

لسترہ سے تینوں بزرگ صوبہ گلتیہ، و فروگیہ کے علاقوں میں ہوتے ہوئے جنوب مغرب کی طرف صوبہ آسیہ میں داخل ہونے لگے۔ لیکن روح القدس نے انہیں اسوقت وہاں جانے سے منع کیا۔ پھر وہ آسیہ کے شمالی علاقہ موسیہ کے قریب پہنچکر صوبہ بتونیہ میں داخل ہونے لگے لیکن روح المسیح نے انہیں وہاں جانے سے بھی روکدیا تب وہ موسیہ کے سارے علاقہ کو طے کرتے ہوئے اسکے مغربی بندرگاہ تروآس آئے جہاں حضرت لوقا سے ملاقات ہوئی۔ یہاں ایک رات خواب میں رسول کو ایک مکدونی آدمی نظر آیا جس نے ان سے منت کرکے کہا۔ "کہ پار اتر کر مکدنیہ میں آ اور ہماری مدد کر"۔ اس خواب کو الٰہی انتظام جان کر چاروں بزرگ

تروآس سے ایک جہاز پر سوار ہو کر سمتراکے ہوتے ہوئے صوبہ مکدنیہ کے بندرگاہ
نیاپلس پہنچ گئے۔ جہاں سے وہ بعد ازاں فلپی آئے۔ فلپی میں چند روز قیام کرنے
کے بعد سبت کے روز عبادت کی غرض سے شہر کی عبادتگاہ میں گئے۔ کیونکہ شہر
میں یہودیوں کے لئے کوئی عبادت خانہ نہ تھا اس لئے کہ یہاں ان کی تعداد بہت
ہی تھوڑی تھی۔ یہ عبادتگاہ شہر کے باہر ندی کے کنارے واقع تھی۔ یہاں انہوں
نے کچھ خواتین کو اکٹھا پاکر خدا کا کلام سنانا شروع کیا۔ اس وقت یہاں صوبہ
آسیہ کے شہر تھواتیرہ کی لدیہ نامی ایک خدا پرست خاتون بھی موجود تھیں جنکی
فلپی میں قرمزی کی تجارت تھی یہ نیک خاتون یہودی مرید تھیں۔ انہوں نے انجیلی پیغام
سنکر خداوند یسوع کو اپنا منجی اور مسیح تسلیم کیا اور ایمان لاکر اپنے گھرانے سمیت
بپتسمہ لیا۔ اور منت کر کے چاروں بزرگوں کو اپنا مہمان بنایا۔ فلپی میں اسوقت
تک ایک لونڈی تھی جسکی نسبت اسکے مالکوں کا دعویٰ تھا کہ اسمیں ایک غیبدان
روح ہے جو غیب کی باتیں بتاتی ہے۔ یہ لونڈی غیب کی باتیں بتا بتا کر اپنے
مالکوں کیلئے کمایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ سبت کے روز حضرت پولس وغیرہ
عبادتگاہ جا رہے تھے۔ تو راہ میں یہ لونڈی ملی اور چلا چلا کر کہنے لگی کہ یہ آدمی خدا
تعالے کے بندے ہیں۔ جو تمہیں نجات کی راہ بتاتے ہیں'' اعمال ۱۶ : ۱۷۔ رسول پولس نے
اسے خداوند مسیح کے نام سے شفا بخشی اور غیب دانی کی بدروح اسمیں سے جاتی رہی
جب اسکے مالکوں نے یہ حال دیکھا تو حضرت پولس اور حضرت سیلاس کے خلاف
انہوں نے سارے شہر کو ابھار کر انہیں پکڑا۔ اور حاکم کے پاس لائے حاکم نے ان کے
خلاف جھوٹی شکایات کا یقین کیا اور انہیں یہودی جانکر ننگے بدن بید سے
پٹوایا اور ان کے پاؤں کاٹھ میں ٹھونک کر قید خانہ میں ڈلوا دیا۔ آدھی رات
کے قریب جب حضرت پولس اور حضرت سیلاس خدا کی عبادت اور اسکی تمجید

کر رہے تھے تو ایسا ہوا کہ اس وقت ایک بڑا زلزلہ آیا اور قید خانہ کے دروازے کھل گئے اور شکنجے ٹوٹ گئے۔ یہ حال دیکھکر قید خانہ کے داروغہ نے سمجھا کہ قیدی بھاگ گئے اور تلوار نکال کر سزا اور ذلت سے بچنے کے لئے خودکشی کرنا چاہا کہ اتنے میں رسول نے آواز دیکر اسے روکا۔ خوفزدہ داروغہ چراغ لیکر ان کے پاس اندر گیا اور ان کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور انہیں قید خانہ سے نکال کر اپنے گھر لے گیا اور ان کی مرہم پٹی کی اور مع اپنے گھرانے کے خداوند پر ایمان لاکر بپتسمہ لیا اور نجات کا وارث بنا۔ جب صبح ہوئی۔ تو فوجداری کے حاکموں کی طرف سے ان کے رہائی کا پروانہ بھی آ گیا۔

حضرت لوقا فلپی میں رہ گئے اور رسول مع سیلاس نبی اور حضرت تیمتھیس حضرت لدیہ کے خاندان سے رخصت ہو کر امفپلس اور اپلونیہ ہوتے ہوئے تھسلنیکے پہونچے یہاں رسول نے کافی عرصہ تک قیام کیا اور یہیں سے خدا کا کلام آپ نے اِلرکم تک پہنچا دیا۔ اس قیام کے عرصہ میں بزرگوں نے اپنی روزی کا انتظام آپ ہی کیا اور خود ہی محنت و مشقت کر کے اپنی پرورش کرتے تھے فلپی کی کلیسیا نے بھی دو مرتبہ رسول کے پاس نذرانہ بھیجا اور آپ کی احتیاج کو رفع کرنے کی کوشش کی یہاں کے یہودی عبادت خانہ میں رسول نے تین سبت کے موقعوں پر نجات کا کلام پیش کیا اور کتاب مقدس کا حوالہ دے کر مسیح کی موت و قیامت اور خداوند کا مسیح ہونا ثابت کیا۔ سامعین میں سے بعض یہودی اور خدا پرست یونانیوں کی ایک بڑی جماعت اور بہتری شریف عورتیں ایمان لے آئیں۔ رسول کی کامیابی دیکھکر شہر کے یہودی جل گئے اور بزرگوں کے خلاف طرح طرح کی افواہیں اڑانے لگے۔ اس علاقہ میں ابھی یہ خبر سرگرم تھی کہ شہنشاہ کلاڈیس

نے یہودیوں کو روم سے خارج کر دیا ہے (سنہ ۴۹ء میں) ادھر یہودیوں نے
موقع کو غنیمت جان کر بچے لفنگوں کی امداد سے شہر میں فساد کرنا شروع
کر دیا۔ اور تمام شہر میں اپنی خیر خواہی اور وفاداری کے ثبوت میں ایک افواہ
پھیلا دی کہ "جنہوں نے جہان کو باغی کر دیا ہے یہاں بھی آئے ہیں"۔ اور
قیصر کے خلاف کسی یسوع کو مسیح اور اپنا بادشاہ مانتے ہیں" اور یاسون
نے انہیں اپنے ہاں اتارا ہے"۔ ایک روز ناکفوں نے بدمعاشوں کی امداد سے
حضرت یاسون کے گھر کے چاروں طرف بھیڑ لگا دی اور رسول اور ان کے
ساتھیوں کو پکڑنے کا ارادہ کیا لیکن جب انہیں کوئی نہ ملا تو انہوں نے حضرت
یاسون اور شہر کے چند مسیحیوں کو پکڑ کر حاکم کے پاس لے گئے۔ اور رسول کے
ساتھیوں اور دیگر مسیحیوں پر بغاوت کا الزام لگایا۔ اور شہر میں ایسی افواہ
پھیلائی اور ایسا شور مچایا کہ عوام الناس اور حاکم گھبرا گئے۔ لیکن باوجود اس
کے حاکم نے مسیحیوں کو حضرت یاسون کی ضمانت پر چھوڑ دیا۔ فساد کو مٹانے کی
غرض سے اسی روز شب میں پولس رسول اور سیلاس بھی بیریہ روانہ کئے گئے۔
لیکن حضرت تیمتھیس کو کلیسیائی خدمت کی غرض سے کچھ عرصہ کے لئے وہیں چھوڑ
گئے جیسا کہ حضرت لوقا کو فلپی کی کلیسیا کی خدمت کے لئے چھوڑا تھا بیریہ میں
بھی انہوں نے یہودیوں کے درمیان خدمت کی اور ان کے عبادتخانہ میں تعلیم دینے
لگے۔ یہاں کے لوگ سنجیدہ تھے۔ انہوں نے بڑی خوشی سے الہٰی پیغام
کو قبول کیا اور خود بھی کتاب مقدس میں تحقیق کر کے مسیحی پیغام کی صحت
کو جانچنے لگے۔ یہودیوں کے علاوہ بہتیرے یونانی شرفا بھی ایمان لائے۔ جب
تھسلنیکے کے شریر یہودیوں کو یہاں کی مسیحی کامیابی کا حال معلوم ہوا تو یہاں آ کر
بھی انہوں نے "لوگوں کو ابھارا اور ان میں کھلبلی ڈالی"۔ جب مسیحیوں نے یہ حال دیکھا

توفا دے بیچنے کی غرض سے فوراً ہی رسول پولس کو سمندر کنارے بھیج دیا۔ کہ جہاز پکڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ سیلاس نبی اور حضرت تیمتھیس جو تھسلنیکے سے آ چکے تھے۔ کچھ دنوں کے لئے بیریہ ہی میں چھوڑ دیئے گئے۔ تاکہ مکدنیہ کی کلیسیاؤں کی امداد کریں۔ اور فساد مٹ جانے کے بعد اگر مکدنیہ میں اُن مسیحی خدمت کا دوبارہ موقع ہو تو رسول کو آگاہ کریں۔

رسول مکدنیہ سے جہاز پر روانہ ہو کر صوبہ اخیہ کے مشہور شہر اتھینے آئے جہاں سے انھوں نے بیریہ کے مسیحیوں کی معرفت جو انہیں یہاں تک پہنچانے کے لئے آ گئے تھے۔ سیلاس نبی اور حضرت تیمتھیس کو بلا بھیجا۔ مکدنیہ میں اس وقت تھسلنیکے تو حضرت تیمتھیس کی خدمت کا مرکز بن رہا تھا اور غالباً فلپی حضرت سیلاس کا۔ اور اخیہ کے شہر اتھینے میں رسول خود تھے۔ رسول نے جب شہر کو بتوں سے بھرا دیکھا تو نہایت ہی رنجیدہ ہوئے۔ اور یہودی عبادتخانہ کے علاوہ یونانی چوک میں بھی ایک عرصہ تک اپنی تبلیغی خدمت انجام دیتے رہے۔ چوک میں اپکوری اور ستوآئی فیلسوفوں سے آپ کا مقابلہ رہتا تھا۔ انہیں خداوند مسیح کی منادی اور اسکی قیامت کا ذکر بڑا عجیب سا معلوم ہوا۔ اور اسکو سننے کیلئے انہوں نے رسول کو ایک مرتبہ خاص طور سے اریوپگس کے کانسل ہال میں تقریر کی دعوت دی۔ رسول نے دعوت کو قبول کیا اور وہاں تقریر میں واحد خدا کی پرستش کی تلقین کی اور خداوند مسیح کی قیامت اور اسکی معرفت الٰہی عدالت کا ذکر کیا اور انہیں بت پرستی سے توبہ کر کے مسیحی ایمان میں شامل ہونے کی دعوت دی بعضوں نے تو آپکی فلسفیانہ تقریر کو نہایت ہی دلچسپی سے سنا لیکن بعض قیامت کے خیال کا ٹھٹھا کرنے لگے۔ رسول کو یہاں نہایت ہی مایوسی ہوئی کیونکہ آپکی خدمت سے کانسل کا ممبر دیونسی سیس اور ایک خاتون دمرس نامی کے علاوہ بعض چند ایمان لائے

آ بھیتیے میں خدمت کرنے کے بعد رسول صوبہ آخیہ کے دارالسلطنت کرنتس پہنچے۔ جہاں بعد میں حضرت تیمتھیس اور حضرت سیلاس بھی آ گئے۔ یہاں آپ نے اکولہ اور پریسکلہ کے ساتھ رہائش اختیار کی اور انہیں ساتھ اپنی پرورش کیلئے خیمہ دوزی کا کام بھی کرنے لگے۔ اکولہ دراصل پُنطس کے رہنے والے تھے اور روم میں تجارت کرتے تھے لیکن کلادیس کے حکم سے جب یہودی روم سے ۴۹ء میں نکالے گئے تو یہ کرنتس چلے آئے یہ خاندان روم ہی میں مسیحی ہو چکا تھا۔ کرنتس پہونچکر رسول حسب دستور تعلیم دینے اور یہ کہنے لگے کہ خداوند یسوع ہی مسیح ہے۔ آپکی تعلیم سنکر عبادتخانہ کا سردار کرسپس مع اپنے خاندان کے ایمان لے آیا۔ لیکن جب دیگر یہودیوں نے سخت مخالفت شروع کی اور خداوند کے نام پر کفر بکنے لگے تو رسول غیر قوموں کیطرف متوجہ ہوئے۔ خدا پرست رومی طیطس یوستس بھی ایمان لے آئے۔ اور بہتیرے یونانی بپتسمہ پا کر کلیسیا کے شریک ہوئے۔ یہودیوں کی سخت مخالفت سے رسول کچھ بیدل ہو گئے۔ لیکن ایک دفعہ رات کو رویا میں خداوند نے انہیں دلاسا دیا اور خدمت کو جاری رکھنے کا حکم دیا۔ خداوند کے حکم سے رسول یہاں ڈیڑھ سال تک خدمت انجام دیتے رہے۔ اور بہتوں کی نجات کا باعث ہوئے۔ کرسپس مسیحی ہونے کے باعث اپنی خدمت سے برطرف کئے گئے اور انکی جگہ سوستھنیس عبادتخانہ کے سردار مقرر ہوئے لیکن اپنے تقرر کے کچھ ہی دنوں بعد یہ بھی خداوند پر ایمان لے آئے جب یہودیوں نے یہ دیکھا کہ مسیحیت تیزی کے ساتھ بڑھتی چلی جا رہی ہے تو آپ نے دستور کے مطابق فساد پر اتر آئے اور رسول کو پکڑ کر گلیو صوبہ دار کے پاس لے آئے اور آپ پر غیر شرعی پراپیگنڈہ کا الزام لگانے لگے۔ صوبہ دار نے اسے محض ایک مذہبی معاملہ دیکھکر مقدمہ کو خارج کیا۔ جب یہودیوں نے دیکھا کہ مقدمہ خارج ہو گیا تو سردار سوستھنیس کو پکڑ کر عدالت کے سامنے ہی مارنے کوٹنے لگے

تاکہ مقدمہ فوجداری کا مقدمہ بن جائے۔ اور بلوہ کا اندیشہ سمجھ کر صوبہ دار مسیحی
تبلیغ کی روک تھام کرے۔ لیکن گلیو نے ان سب باتوں کی کچھ بھی پرواہ نہ کی۔
اور مقدمہ خارج ہی رہا۔ جبکہ حضرت تیمتھیس کے ذریعہ رسول نے تھسلنیکے کی
کلیسیا کے ایمان اور محبت کی تعریف سنی تو انہیں اپنی اور حضرت تیمتھیس اور حضرت
سلوانس بنی (غالباً انہی کا اصل نام سلوانس تھا اور حضرت سیلاس) کی طرف سے اپنا
تھسلنیکیوں کے نام کا پہلا خط لکھا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد تھسلنیکیوں کے نام کا دوسرا
خط لکھا۔ چونکہ اکھیتے میں اپنی خدمت سے رسول کو مایوسی ہوئی تھی۔ اس لئے
کرنتھس میں آپ فلسفیانہ اور عالمانہ طرز تقریر کو چھوڑ کر سیدھا سادھا صلیب
کا پیغام پیش کرتے تھے۔ کرنتھس میں انہیں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

ڈیڑھ سال کے قیام کے بعد ۵۳ یا ۵۱ء میں آپ اپنا دورہ تمام کرکے انطاکیہ
[illegible] پرسکلہ بھی ہو لئے جو افسس کو جا رہے تھے۔ غالباً
حضرت تیمتھیس [illegible] وقت آپ کے ساتھ ہی تھے لیکن سیلاس نبی کسی اور
[illegible] روانہ ہو گئے۔ جب یہ سب کرنتھس کے بندر کنخریہ کو
پہنچے تو [illegible] حضرت اکولہ (یا رسول) کی منت کا عرصہ تمام ہوا۔ اور انہوں
نے [illegible] کے ساتھ سر منڈایا۔ کنخریہ سے جہاز پر وہ صوبہ آسیہ کے
[illegible] پہنچے جو پہلے عدم دوسرے دورہ کے شروع میں
[illegible] کو جانے سے منع کر دیا تھا۔ افسس میں رسول نے
[illegible] اور عبادت خانہ میں جا کر منادی اور اکولہ اور پرسکلہ اور
غالباً حضرت تیمتھیس کو چھوڑ کر پھر جہاز سے قیصریہ روانہ ہو گئے۔ افسس
سے غالباً حضرت تیمتھیس اپنے شہر لسترہ کو روانہ ہو گئے جو علاقہ گلتیہ
میں تھا۔ اور رسول خود قیصریہ سے یروشلم چلے گئے۔ یہ غالباً ۵۳ ۔ ۵۴ء تھا

جبکہ رسول چوتھی بار یروشلم کی کلیسیا کے بزرگوں سے ملے۔ یہاں سے آپ انطاکیہ واپس آ گئے۔

ابھی دوسرا دورہ ختم ہوئے چند ہی روز گذرے تھے کہ غالباً حضرت تیمتھیس بھی گلتیہ کے علاقہ سے انطاکیہ آ پہونچے اور وہاں کی کلیسیا کی نہایت ہی دہشتناک خبر لائے۔ اور رسول کو آگاہ کیا کہ گلتیہ کی کلیسیا میں یہودی نما مسیحیوں کے زیر اثر فتنہ کو اگر نجات نہیں تو کم از کم کامل مسیحی زندگی کے لئے نہایت ہی ضروری سمجھنے لگی ہیں اور یہودی طرز پر زندگی بسر کرنا لازمی تسلیم کرتی ہیں۔ اس خبر کے سنتے ہی رسول نے نہایت ہی جلدی میں گلتیوں کے نام خط لکھا اور حضرت تیمتھیس کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ (اگر انطاکیہ سے نہیں تو غالباً یہ خط افسس یا مکدنیہ سے بھیجا گیا جب رسول اپنے تیسرے دورہ پر تھے) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ادھر تو رسول اور سیلاس نبی رسولی مجلس کا فیصلہ سناتے ہوئے اور کلیسیاؤں کو مضبوط کرتے آگے بڑھے ادھر یہودی نما مسیحی بھی پیچھے پیچھے کلیسیاؤں کو یہودی شریعت پر عمل کرنے اور یہودی طرز پر زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتے گئے۔ اپنی یہودی تعلیم کے علاوہ وہ یہ لوگ رسول پولس کی رسالت کے بھی قائل نہ تھے۔

تیسرا دورہ ۵۳ء سے ۵۶ء یا ۵۷ء

حضرت تیمتھیس کے چلے جانے کے بعد بہت جلدی رسول خود بھی گلتیہ اور فروگیہ گئے اور کلیسیاؤں کو مضبوط کر کے آسیہ کے شہر افسس پہونچے۔ یہاں وہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کے بارہ شاگردوں سے ملے۔ اور انہیں خداوند مسیح کی بابت یوحنا نبی کا پیغام سنایا۔ پیغام سنکر وہ خداوند پر ایمان لائے۔ اور انہوں نے بپتسمہ لیا اور روح القدس

حاصل کیا۔ پہلے تو رسول یہاں تین ماہ تک یہودیوں کے درمیان کام کرتے رہے
اور عبادتخانہ میں تعلیم دیتے اور لوگوں کو قائل کرتے رہے۔ لیکن جب انھوں
نے مسیحیوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ اور مخالفت شروع کی تو رسول نے
مسیحیوں کو ان کے درمیان سے علیحدہ کیا اور خود بھی غیر یہودیوں کی طرف
رجوع ہوتے۔ دو سال تک ان کے درمیان کام کرتے رہے اور اس عرصہ
میں آپ نے بہتیرے مریضوں کو خداوند مسیح کے نام سے شفا بخشی۔ جادوگروں
کو توہمات سے پھیرا اور انہوں نے اپنی جادوگری کی کتابوں کو جن کا
دام تقریباً پچاس ہزار روپیہ تھا جلا کر برباد کر دیا۔ اور خدا کا کلام تیزی
سے پھیلتا گیا اور لوگ کثرت سے مسیحی ہونے لگے۔ یہیں رسول کا ارادہ
تھا کہ مکدنیہ اور اخیہ میں خدمت تمام کرنے کے بعد یروشلم واپس جائیں
اور پھر وہاں سے روم اور اسفانیہ جائیں۔ گلتیہ سے حضرت تمتھیس
تو رسول کے ساتھ آئے ہی تھے۔ ادھر کرنتھس شہر کے خزانچی اراستس اور
عبادتخانہ کے سردار سوستھنیس بھی آ پہونچے۔ رسول نے حضرت تمتھیس
اور اراستس کو مکدنیہ کی کلیسیاؤں میں ہوتے ہوئے کرنتھس بھیجا۔
تاکہ وہ کلیسیاؤں کو آپ کی آمد کی خبر دیں (یہ روانہ ہی ہوئے تھے
کہ غالباً حضرت اپلوس کرنتھس میں کچھ مسیحی خدمت انجام دے کر
نہایت ہی رنجیدہ اور مغموم افسس واپس ہوئے اور وہاں کے بعض
مسیحیوں کی حرامکاری کا حال رسول کو آ سنایا۔ رسول کلیسیائی
ابتری کا حال سنتے ہی تری کی راہ سے فوراً کرنتھس روانہ ہو گئے
وہاں پہونچکر آپ نے معاملہ کو سدھارنے کی کوشش کی۔ لیکن یہودی
تما مسیحیوں نے یہاں بھی کچھ ایسی مذمت پھیلائی اور کلیسیا میں

ایسا اتفاق پڑا کہ رسول بھی محض چند دن کے قیام کے بعد نہایت ہی رنجیدہ اور ناکام افسس واپس ہوئے اور وہاں پہونچکر انہیں ایک سخت خط لکھا جس میں دیگر امور کے علاوہ مسیحیوں کو تاکید کی کہ "حرامکاروں سے صحبت نہ رکھنا" اور ترتی کی راہ سے اس خط کو غالباً حضرت طیطس کی معرفت روانہ کیا اور واپسی میں ان سے تردآس میں ملنے کو کہا (بعد میں یہ خط کسی طرح ضایع ہوگیا) رسول کے رنجیدہ چیلے آنے اور اس خط کے پانے کا کلیسیا پر کچھ اچھا اثر ہوا۔ اس خط کے بھیجے جانے کے بعد ہی خلوئے کے مسیحی غلام جو کسی سلسلہ میں کرنتھس گئے ہوئے تھے۔ یہ خبر لائے۔ کہ وہاں مسیحیوں میں مقدمہ بازی ہورہی ہے۔ اور ان کا آپس کا نفاق اس قدر بڑھ گیا ہے کہ انھوں نے جماعت بندی کرلی ہے اور کوئی جماعت اپنے آپ کو پطرس رسول کا مقلد بتاتی ہے کوئی پولس رسول کا۔ کوئی حضرت اپلوس کا اور کوئی اپنے آپ کو مسیح کا بتاتی ہے اور کسی کی تقلید نہیں کرتی انہوں نے اس نفاق کے علاوہ غالباً اگاپے کی ابتری کا بھی ذکر کیا۔ [نفاق غالباً یہودی نامسیحیوں کا پیدا کردہ اور حضرت اپلوس کے مداحوں کا پروردہ تھا] ابھی ان سب معاملات کو کچھ زیادہ دن نہ ہوئے تھے کہ کرنتھس کی کلیسیا کی کچھ حالت سدھرنے پر وہاں سے رسول کے نام ایک خط موصول ہوا جس میں کلیسیا نے رسول کے گم شدہ خط کے حکم کی وضاحت دریافت کی اور اس کے علاوہ چند سوالات مثلاً شادی غیر مسیحی رفیق زندگی سے تعلق اور بت کی قربانی کا گوشت کھانے کے متعلق پوچھے۔ رسول نے ان کے جواب میں انہیں کرنتھیوں کے نام کا پہلا خط لکھا جس میں انہوں نے دیگر امور کے علاوہ یروشلم کے مقدسوں کے لئے چندہ جمع کرنے کو بھی کہا۔ یہ خط کرنتھس کے قاصدوں کی

معرفت تری سے بھیج دیا گیا۔
جب افسس میں یہودیوں کی مخالفت کی وجہ سے رسول کو عبادتخانہ
میں منادی کا موقع ملنا بند ہو گیا تو آپ نے ترنس کی درسگاہ کو اس کام کے
لئے منتخب کیا اور یہیں عوام الناس کے سامنے الٰہی پیغام کو پیش کرتے رہے
اور ان سے بحث و مباحثہ کرتے رہے۔ اس قیام کے عرصہ میں نہ فقط افسس
میں بلکہ تمام صوبہ آسیہ میں خدا کا کلام پھیل گیا۔ اور ہزاروں ایمان لائے اور
جا بجا کلیسیائیں بھی قائم ہو گئیں یہ سب رسول کی انتھک کوششوں سے ہوا۔
یہاں آپ نے ہر طرح کی ذلتیں سہیں۔ کوڑے کھائے۔ قید میں ڈالے گئے
یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی ناامید ہو گئے لیکن خدمت نہ چھوڑی۔ دکھوں اور
مصیبتوں میں انسفرس کے گھرانے نے آپ کی بہت خدمت کی جس کا احسان
آپ کبھی نہ بھولے۔ جب مسیحیت اس قدر تیزی سے بڑھنے لگی تو بتکدہ خالی
ہونے لگے۔ اور بت فروشوں کی تجارت میں بہت کمی پڑنے لگی۔ یہ حال دیکھ
کر دیمتریس سنار نے دیگر اور سناروں کو جو ارتمس دیوی کے چھوٹے
چھوٹے روپہلے مندر اور بت بنایا کرتے تھے ابھارا اور انہیں مسیحیوں کے خلاف
فساد پر آمادہ کیا۔ انہوں نے شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک
فساد کی آگ لگا دی۔ اور ایک روز شہر میں بلوہ سا کر دیا۔ انہوں نے
گیس اور ارسترخس کو پکڑ لیا جو رسول کے ساتھ مکدنیہ جانے والے
تھے اور انہیں لے کر تماشا گاہ کی طرف دوڑے تاکہ مجلس میں ان
کے خلاف مقدمہ چلائیں۔ لیکن مجمع نہایت ہی بے قاعدہ تھا اور مجلس
کے افراد خود بھی بلوہ کی وجہ اور بھیڑ بھاڑ کے جمع ہونے سے
ناواقف تھے اس لئے مجلس درہم برہم ہو گئی اور شہر کے محرر نے

انہیں باضابطہ مقدمہ چلانے کا مشورہ دیا اور مجلس کو برخواست کیا جب رسول نے یہ حال دیکھا تو ملیط کے موقوف ہونے پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ سوا دو سال کی کامیاب خدمت کے بعد مکدنیہ روانہ ہو گئے۔

رسول افسس سے جہاز پکڑ کر تروآس پہونچے اور وہاں آپ نے حضرت طِطُس کا انتظار کیا۔ اس جگہ کچھ بھی خدمت بھی انجام دی جو نہایت ہی کامیاب رہی۔ کچھ دنوں کے قیام کے بعد جب آپ نے دیکھا کہ حضرت طِطُس تشریف نہ لائے تو مکدنیہ روانہ ہو گئے۔ آسیہ کی مصیبتوں سے نکل کر یہاں بھی آپ دوبارہ مصیبتوں میں گرفتار ہو گئے لیکن ہر طرح کی مخالفتوں کا مقابلہ کیا اور جب حضرت طِطُس کرنتھس سے تشریف لائے تو آپ کو بہت ہی تقویت ملی اور کرنتھس کی دلی تبدیلی کا حال سنکر نہایت ہی مسرور ہوئے۔ مکدنیہ میں چند دنوں کے قیام کے بعد حضرت طِطُس کو معہ دو اصحاب کے ساتھ ساتھ رسول نے پھر کرنتھس کو روانہ کر دیا اور ان کی معرفت آپ نے کرنتھیوں کے نام کا دوسرا خط بھیجا اس کے ساتھ ساتھ حضرت طِطُس کو یہودیہ کے غریب مسیحیوں کے لئے آخیہ میں چندہ جمع کرنیکو بھی کہا اور خود مکدنیہ میں چندہ جمع کرنے کا انتظام کرنے لگے۔ یہ چندہ مکدنیہ، اور آخیہ کے علاوہ گلیتہ اور آسیہ میں بھی جمع کیا گیا۔ مکدنیہ سے روانہ ہو کر رسول کرنتھس پہونچے جہاں آپ نے تین ماہ قیام کیا اور موسم سرما کاٹا اسی قیام کے موقع پر ۵۶-۵۷ء میں کسی وقت رسول نے رومیوں کے نام کا خط لکھا۔ اگر ہم خط لکھنے کے مواقع پر نظر ثانی کریں تو کچھ ہرج نہ ہوگا۔ رسول اس وقت دو تبلیغی دورے تمام کر چکے ہیں اور تیسرا بھی اختتام پر آ رہا ہے رسول کی خدمت سے اسوقت تک سوریہ، گلیتہ، آسیہ، مکدنیہ اور آخیہ کے صوبوں میں بڑی بڑی کلیسیا میں قائم ہو چکی تھیں۔ کرنتھس میں رسول گئیس کے ہاں مہمان

تھے۔ اور اس وقت آپ کے ساتھ تیمتھیس، سوسپطرس اور اساسیتس بھی موجود
تھے جنہوں نے رومی کلیسیا کو سلام لکھا (رومی ۱۶: ۲۱-۲۳: اعمال ۲۰: ۴) اب تک خدا
کا کلام یروشلم سے الرکم تک پھیل چکا تھا اور حکومت روم کے مشرقی علاقہ میں کوئی
ایسی جگہ باقی نہ رہی تھی۔ جہاں رسول نے خدمت نہ کی ہو (رومی ۱۵: ۱۹-۲۰) اب
رسول کی خواہش یہ تھی کہ کسی نئے علاقہ میں کام شروع کریں۔ چنانچہ رسول نے اب
اپنی خدمت کے حلقہ میں رومی سلطنت کے مغربی علاقہ کو بھی شامل کرنا چاہا اور
روم ہوتے ہوئے اسفانیہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا (رومی ۱۵: ۲۴-۲۸) لیکن روم
روانہ ہونے سے پیشتر یروشلم جانا ضرور تھا کیونکہ مکدنیہ اور اخیہ کی کلیسیاؤں
نے یروشلم کے غریب مسیحیوں کے لئے چندہ جمع کر رکھا تھا۔ اور چندہ کی یہ رقم رسول کے
سپرد تھی رومی ۱۵: ۲۵-۲۸۔ اعمال ۱۹: ۲۱۔ ۱کر ۱۶: ۱-۳۔ ۲کر ۸: ۱-۹-۱۱
۵ رسول کو یروشلم جانا تو ضرور تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ انہیں خوف بھی تھا کہ کہیں یہودی
نامسیحی یروشلم میں میرے خلاف سازش نہ کریں۔ اس لئے انہوں نے رومیوں سے
درخواست کی کہ تم میرے لئے دعا کرو کہ میری خدمت یروشلم میں مقبول ٹھہرے
۱۵: ۳۰-۳۲ خوف کی وجہ یہ تھی کہ چند سال سے رسول اور یہودی نامسیحیوں
کا سخت مقابلہ ہو رہا تھا جس کا نمایاں نتیجہ دوسرا کرنتھی اور گلتیوں کے
نام کا خط ہے انہوں نے رسول کی جا بجا لعنت کی اور ان کی تعلیم کو بدعت
قرار دیا۔ انہوں نے رسول مجلس کے فیصلہ کی بھی پرواہ نہ کی اور آہستہ آہستہ
فریسی تعلیم پر مستحکم ہوتے چلے گئے یہاں تک ان کی تعلیم یہ شکل اختیار کرنے لگی۔
کہ مسیحیوں پر بھی فرض ہے کہ وہ شریعت کے سارے اصول اور رسومات پر کاربند ہوں کیونکہ
بغیر شریعت کے نجات ممکن نہیں۔ حالانکہ رسول پولس کا شخصی تجربہ یہ تھا کہ شریعت سے
کوئی فرد نجات پا ہی نہیں سکتا اور صرف نجات خدا کے فضل اور خداوند مسیح پر ایمان رکھنے کے

حاصل ہوتی ہے اور غیر یہودیوں میں رسول کی مسیحی خدمت کی کامیابی نے رسول کے عقیدہ پر سچائی کی مہر کردی۔ یہودی نما مسیحیوں کی تعلیم نہ فقط رسول کی رسالت اور خدمت پر اعتراض کا ثبوت تھا بلکہ ایسی تعلیم ماننے سے مسیحی نجات کی ساری تعلیم لا حاصل ہوجاتی تھی۔ رسول نے اسے پورے طور سے محسوس کیا اور اسکی جان توڑ مخالفت کی۔ یہودی تعلیم کا مرکز یروشلم تھا جہاں سے یہ خیال ہر جگہ پھیل رہا تھا اور رسول کی مخالفت کی جارہی تھی۔ گلتیہ اور کرنتھس کی کلیسیاؤں میں یہ تعلیم کچھ زیادہ زور پکڑ گئی تھی اور رسول کو خوف تھا کہ کہیں یہ روم تک نہ پہنچ گئی ہو۔ پس انہیں ایک خط لکھنا ضروری ہوگیا۔ یہ خط رسول نے اپنی خدمت کے عروج کے وقت میں لکھا جبکہ ہر جگہ انہیں کامیابی حاصل ہورہی تھی۔ اس خط کو رسول کے دیگر خطوط کی طرح کلیسیا کے وقتی سوالات کا جواب یا حل نہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ اسے رسول کی ساری مسیحی تعلیم کا لب لباب جاننا چاہیے۔ جو ہر زمانہ کے لئے یکساں مفید ہے خدمت کے اختتام پر یہ ساری زندگی اور خدمت کے تجربوں کا نچوڑ ہے جو رسول کے پختہ خیالات کو ظاہر کرتا ہے جو خیالات رسول نے رومیوں میں پیش کئے ہیں وہ ان کے تجربہ کی بنیاد پر ایسے واقعات کی ترجمانی ہیں جن میں رسول نے خدا کی نجات کا کام دیکھا اور اس لحاظ سے خدا رسول کو ساری دنیا کی تواریخ میں کام کرتا نظر آیا۔ مکاشفہ جیسی یہودی تحریرات کا بھی رسول پر خاصہ اثر تھا۔ ان تحریرات کا تصور یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ آہستہ آہستہ اختتام پر پہنچ رہی ہے جبکہ موجودہ زمانہ تمام ہوگا اور پھر آئندہ زمانہ شروع ہوگا جس میں خدا خود براہ راست دنیا کے سارے کارخانہ کو چلائیگا اور یہ آئندہ زمانہ ایک بڑے معجزے یا عجائبات کا زمانہ ہوگا۔ اسی بنیاد پر رسول نے یہ خیال پیش کیا کہ آئندہ زمانہ خداوند مسیح کے ظہور سے شروع ہوچکا ہے۔ اور مسیح کی آمد سے "پرانی چیزیں جاتی رہیں۔ دیکھو وہ نئی ہوگئیں"۔

۴ گرہ: ۱۷ الغرض رسول کی الہیات کا خاکہ رسول کے اپنے ذاتی مسیحی تجربوں کی بنیاد پر دنیا کے تواریخی واقعات کی ترجمانی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واضح ہو کہ رسول کے اپنے تجربات بھی رسول کے دماغ پر دنیا کے واقعات کے اثر کا نتیجہ ہیں۔ جو واقعات رسول کے دماغ پر گہرا اثر رکھتے تھے وہ یہ ہیں کہ خداوند مسیح دنیا میں آیا مر گیا اور مردوں سے جی اٹھا۔ اور دنیا میں مسیحی کلیسیا ایک ایسی نئی طاقت اور نئی زندگی کے ساتھ نمودار ہوئی جو کسی اور جماعت میں نہیں پائی جاتی۔ ان واقعات نے رسول کے دماغ پر ایک ایسا اثر گہرا کیا کہ وہ ایک نئے مخلوق بن گئے۔ اور اب چونکہ دنیا پر ایک بڑا انقلاب آ چکا ہے اور آئندہ زمانہ کا دور شروع ہو چکا ہے اسلئے کہ رسول خود بھی سوچنے سمجھنے والے تھے مجبور ہوا کہ وہ اس انقلاب کا ایک مدلل بیان اپنے اور دنیا کے فائدہ کیلئے پیش کریں۔ اور وہ اس امر پر آمادہ ہوئے کہ جہاں تک ممکن ہو دنیا کو اس انقلاب سے آگاہ کریں اور لوگوں کو اس نئے دور کی زندگی کا شریک بنائیں اس طرح وہ ایک گشتی مبلغ بن گئے کیونکہ وہ اس امر میں اپنے آپ کو سارے جہان کا قرضدار سمجھتے تھے اور انجیل سے شرماتے نہ تھے (رومی ۱: ۱۴-۱۶) بعد ازاں اس امر کی بھی ضرورت پیش آئی کہ رسول کے نو مرید مسیحی بھی اپنے ایمان کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ اور اسکی کمی کو پورا کرنے کے لئے رسول نے خطوط لکھے۔ لیکن بعض اصحاب۔ جن میں سے چند رسول کے یہودی رفیق بھی تھے رسول کی تعلیم اور واقعات کی ترجمانی سے متفق نہ ہوتے۔ بعض ایسے یہودی مسیحی بھی تھے جو اپنے ایمان کے بعض ایسے مطالبات سے جھجکتے تھے۔ جنہیں رسول اٹل خیال کرتے تھے۔ ایسوں کی نسبت جب رسول نے یہ خیال کیا کہ وہ سمجھانے سے سمجھ جائیں گے۔ تو انہوں نے مذمت اور بحث کا طرز اختیار کیا اور اس طرح وہ الہیات کے عالم بن گئے

رومیوں میں بحث اور معذرت کا اظہار نہایت ہی نمایاں ہے۔ بحث کے بعض سوالات مثلاً :- (۱) مسیحیت اور یہودیت کا رشتہ جس سے کہ مسیحیت نکلی۔

(۲) شریعت جس کی بابت رسول نے کہا کہ مسیحیت روح کی آزاد زندگی ہے جو شریعت سے بری ہے۔

ایسے ہیں جو ہمارے لئے چنداں وقعت نہیں رکھتے تو بھی وہ ہر زمانہ میں کسی نہ کسی شکل میں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آج کل ہندمیں یہ خیالات اٹھ رہے ہیں کہ مسیحیت کا اسلام یا ہندو مذہب سے کیا رشتہ ہے۔ یا ان کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہیئے۔ ہندی رسم ورواج اور ہند کی مذہبی کتابوں اور تحریرات کا مسیحیت میں کیا حصہ ہے۔ وغیرہ

چاہے تھسلونیکیوں کے خطوط۔ کرنتھیوں کے خطوط اور گلتیوں کے خط کی تحریر کی تاریخیں کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔ وہ سب کے سب رومیوں سے پیشتر لکھے گئے۔ کیونکہ بہتیرے خیالات جن کا رومیوں میں محض اشارہ ہے۔ ان خطوط میں نہایت ہی وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔ مثلاً

(۱) خداوند کے دن کی آمد کی تیاری کی تلقین جو رومیوں میں ۱۳: ۱۱-۱۴ میں کی گئی ہیں۔ زیادہ وضاحت کے ساتھ ۱ تھ ۵: ۱-۱۰ میں موجود ہے۔

(۲) رومی ۱۲: ۴-۸ میں بدن کا ذکر اس بحث کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ۱ کر ۱۲: ۴-۳۱ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

(۳) اسی طرح رومی ۱۴: ۱-۱۵: ۱۳ میں حرام و حلال کی تعلیم اس بحث کی طرف اشارہ کرتی ہے جو ۱ کر ۸-۱۰ باب میں موجود ہے۔

رومیوں کی مذکورہ بالا تعلیمات اس وقت تک پورے طور سے نہیں سمجھی جا سکتیں جب تک کہ کرنتھیوں کے مذکورہ ابواب کا مطالعہ نہ کیا جائے۔

رومیوں کا اس سے بھی نزدیکی تعلق گلتیوں کے خط کے ساتھ ہے۔ گلتیوں کی خاص تعلیم ایمان اور روح کا اعمال اور شریعت سے مقابلہ ہے اور رومی ۳: ۲۱-۸: ۳۹ کا مقصد بھی یہی ہے۔ اس ضمن میں دونوں خطوط کا خاکہ بھی یکساں ہے۔ رومیوں میں بعض اوقات ہم ایسی جگہ پر پہنچ جاتے ہیں جہاں کہ خیالات کا تسلسل اس وقت تک صحیح طور سے نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ ہم گلتیوں کے حوالے کے ساتھ اس کا مقابلہ نہ کریں مثلاً رومیوں کے ابرہام اور تبنیٰ کا ذکر جو کہ ۴ اور ۸: ۱۴-۱۷ میں پایا جاتا ہے گلتی ۳: ۱-۵: ۱۲ میں تفصیلاً موجود ہے۔

اب ہم اپنی توجہ کو پھر رسول کے سفر کی طرف مبذول کریں۔ کرنتھس میں تین ماہ کے قیام میں رسول نے حضرت فیبے کی معرفت رومی کلیسیا کے نام ایک خط بھیجا اور یروشلم کے غریب بھیوں کے لئے تمام سے چندہ جمع کرنے کے بعد سردی کے گذر جانے پر ۵۶-۵۷ء میں کسی سال موسم بہار میں جہاز سے سید ھے سوریہ جانے کا ارادہ کیا لیکن جب یہ انکشاف ہوا کہ بعض دشمنوں نے جہاز پر آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ باندھا ہے تو پھر ارادہ تبدیل کر کے مکدنیہ کی راہ سے جانے کا انتظام کیا۔ اور حضرت تمتھیس وغیرہ کو جہاز سے ترواس روانہ کر دیا۔ اور انہیں وہاں اپنا انتظام کرنے کو کہا۔ الغرض خشکی کی راہ سے رسول فلپی پہنچے۔ جہاں حضرت لوقا سے ملاقات ہوئی وہاں عید فسح منا کر رسول اور حضرت لوقا جہاز سے پانچ دن کا سفر طے کر کے ترواس پہنچے۔ جہاں حضرت تمتھیس وغیرہ سے ملاقات ہوئی۔ یہاں آپ نے سات دن تک قیام کیا۔ روانگی سے پیشتر ساتویں روز سنیچر کی شب کو رسول اور دیگر اصحاب مکان کی تیسری منزل پر جمع ہوئے۔ ساری رات عبادت ہوتی رہی اور رسول حاضرین کو وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ اسی اثنا میں آدھی رات کو ایسا ہوا کہ حاضرین میں سے ایک شخص یوتخس نامی نیند کے غلبہ کی وجہ سے بالاخانہ پر سے نیچے جا گرے۔ لیکن خدا نے ان کی جان

بجھائی۔ اس واقعہ کے بعد عشاء ربانی کی رسم منائی گئی اور رسول پھر وعظ و نصیحت
میں لگ گئے۔ اتنے میں پو پھٹ گئی اور اتوار کے روز رسول نے تروآس سے پیدل
اسُس کو روانہ ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو جہاز سے اسُس میں آکر ملنے کو کہا۔
پھر رسول اسُس سے جہاز پر چڑھے اور متلینے۔ خیُس اور ساموس ہوتے ہوئے
افسس کو چھوڑ کر میلیتس جا پہونچے تاکہ دیر نہ ہو اس لئے کہ عید پنتکست سے پیشتر
وہ یروشلم پہونچ جانا چاہتے تھے۔ یہاں آپ نے افسس کی کلیسیا کے بزرگوں کو بلوا
بھیجا اور انہیں آخری نصیحت کی اور ان کے ساتھ عبادت کر کے انہیں الوداع کہا۔
اس وقت سب بزرگ اور سارے حاضرین نہایت ہی غمگین اور مغموم تھے۔ اسی حالت
میں انہیں چھوڑ کر کوس، رُدُس ہوتے ہوئے وہ پترہ پہنچے اور یہاں سے جہاز بدل
کر سورے صور کی بندرگاہ پہونچے جہاں مسیحیوں سے ملاقات کی اور ایک ہفتہ وہاں قیام
کیا۔ یہاں کے نبیوں نے رسول کو آنے والے خطرات سے آگاہ کیا اور یروشلم نہ جانے
کا مشورہ دیا۔ روانگی کے وقت یہاں کی ساری کلیسیا رسول کو جہاز تک پہونچانے
آئی اور سبھوں نے دعا کر کے انہیں رخصت کیا۔ یہاں سے جہاز پر روانہ ہو کر وہ
پتلمیس پہونچے اور ایک دن وہاں کے مسیحیوں کے ساتھ بھی قیام کیا۔ دوسرے دن
رخصت ہو کر قیصریہ پہونچے اور وہاں حضرت فلپُس مبشر کے یہاں قیام کیا۔ یہاں
اگبُس نبی نے یروشلم میں یہودیوں کے ہاتھ رسول کی گرفتاری کی خبر سنائی
یہ سن کر سارے مسیحیوں نے رو رو کر رسول کو یروشلم جانے سے منع کیا لیکن آپ باز نہ
آئے۔ یہاں سے قیصریہ کے چند مسیحی بھی آپ کے ساتھ ہو لئے جن میں سے ایک
مناسون کپری بھی تھے جن کا گھر غالباً قیصریہ اور یروشلم کے درمیان کسی جگہ تھا۔ انہوں
نے راستہ میں رسول اور ان کے ساتھیوں کی مہمان نوازی کی اور پھر انہیں یروشلم
روانہ کر دیا۔ رسول کا آخری تبلیغی دورہ یہاں ختم ہوا۔

یروشلم کے واقعات ۵۷-۵۹ء

یروشلم کے واقعات ۵۷-۵۹ء میں کسی سال وقوع میں آئے۔ غالباً ۵۸ء میں۔ جبکہ رسول اور آپ کے اصحاب یروشلم پہونچے تو وہاں کے مسیحیوں نے نہایت ہی تپاک سے آپکا استقبال کیا۔ آمد کے دوسرے روز رسول اپنے اصحاب کے ساتھ حضرت یعقوب صادق کے یہاں گئے جہاں اس وقت کلیسیا کے سارے بزرگ بھی جمع تھے۔ رسول نے غیر یہودیوں میں تبلیغی خدمت کی کامیابی کا حال سنایا اور سبھوں نے سن کر خدا کی تمجید کی۔ حضرت یعقوب صادق نے ذکر کیا کہ یہودیوں میں یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ "تو غیر قوموں میں رہنے والے سب یہودیوں کو یہ کہہ کر موسیٰ سے پھر جانے کی تعلیم دیتا ہے کہ نہ اپنے لڑکوں کا ختنہ کرو نہ موسوی رسموں پر چلو" اور رسول کو یہ مشورہ دیا کہ اس افواہ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے بہتر ہے کہ خود بھی کلی حیثیت سے ان چار یہودی مسیحیوں کے ساتھ شامل ہو جا۔ جنھوں نے منت مانی ہے اور ان کے ساتھ تقدس کے باقی سات دن پورے کر اور ان کی طرف سے نذر چڑھا تاکہ وہ اپنی منت کے دن پورے کر کے سر منڈائیں۔ رسول نے حضرت یعقوب صادق کے مشورہ کو قبول کیا اور گلتیہ، آسیہ، مکدنیہ اور آخیہ کی کلیسیاؤں کا چندہ بزرگوں کے حوالے کر کے خود ان چار اشخاص کے ساتھ "دوسرے دن اپنے آپ کو ان کے ساتھ پاک کر کے ہیکل میں داخل ہوا اور خبر دی کہ جب تک ہم میں سے ہر ایک کی نذر چڑھائی نہ جائے تقدس کے دن پورے کریں گے"۔ لیکن ساتویں دن ایسا ہوا کہ آسیہ کے چند یہودیوں نے رسول کو ہیکل میں دیکھ کر غل مچا دیا اور کہنے لگے کہ "اے اسرائیلیو مدد کرو۔ یہ وہی آدمی ہے جو ہر جگہ سب آدمیوں کو امت اور شریعت اور اس مقام کے خلاف تعلیم دیتا ہے اور چونکہ اس سے پیشتر انھوں نے شہر میں آپ کو ترفمس افسی کے ہمراہ ہیکل

کی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا اس لئے وہ سمجھے کہ رسول انہیں یقینی ہیکل میں بھی لا
ہوں گے جہاں غیر یہودیوں کا آنا مناسب نہ سمجھا جاتا تھا اور انھوں نے شور مچایا
کہ "اس نے یونانیوں کو بھی ہیکل میں لا کر اس پاک مقام کو ناپاک کیا ہے۔" ان کے اس
شور و غل سے تمام شہر میں ہل چل پڑ گئی اور لوگ ہیکل کی طرف دوڑنے لگے۔
اور انھوں نے رسول کو پکڑ لیا اور گھسیٹ کر ہیکل کے باہر لے گئے۔ اور مار ڈالنے
کی نیت سے سخت زدوکوب کرنے لگے۔ ابھی یہ سب واقعہ ہو ہی رہا تھا کہ پلٹن کے
سردار کلودیس لوسیاس کے پاس اس فساد کی خبر جا پہنچی اور وہ اس خبر کے پاتے
ہی فوراً سپاہیوں اور صوبہ داروں کو لے کر چڑھ آیا اور رسول کی جان بچائی۔ اور
انھیں گرفتار کر کے انطونیہ قلعہ میں لے جانے کا حکم دیا۔ آگے آگے سپاہی رسول کو
لئے جاتے تھے اور پیچھے پیچھے بھیڑ چلاتی جاتی تھی کہ "اس کا کام تمام کر"! پلٹن
کے سردار نے اس شور و غل پر رسول کو باغی مصری سمجھا جس نے چار ہزار غازیوں
کے ساتھ بغاوت کی تھی۔ لیکن رسول نے یونانی میں کلام کر کے سردار کو اپنی قومیت
اور وطن سے آگاہ کیا۔ جب سپاہی رسول کو لے کر انطونیہ قلعہ کی سیڑھی کے
پاس پہنچے تو سردار کی اجازت سے عبرانی زبان میں رسول بھیڑ سے ہمکلام ہوئے
اور ان سے اپنی قومیت۔ پرورش و تعلیم۔ اور یہودی سرگرمی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے
مسیحی ہونے کا حال سنا کر غیر یہودیوں میں اپنی خدمت کے متعلق الٰہی فرمان
کا ذکر کر ہی رہے تھے کہ بھیڑ چلا اٹھی اور نہایت ہی غصہ میں شور مچانے کپڑے
پھینکنے اور خاک اڑا اڑا کر کہنے لگی کہ "ایسے شخص کو زمین پر سے فنا کر دے
اس کا زندہ رہنا مناسب نہیں"۔ اس پر سردار نے صوبہ دار کو حکم دیا کہ "اسے
قلعہ میں لے جاؤ اور کوڑے مار کر اس کا اظہار لو" اور یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ قلعہ میں لا کر
جب صوبہ دار رسول کو تسمہ سے باندھ رہا تھا تو رسول نے اپنے رومی ہونے کی بابت

بتایا جب سپاہیوں کو یہ معلوم ہوا تو وہ رسول کی بے عزتی اور مار پیٹ سے باز
آ گئے اور صوبہ دار نے اظہار لے کر انہیں حوالات میں بند کر دیا۔ لیکن چونکہ
رسول کے خلاف الزامات محض مذہبی تھے اس لئے دوسرے روز صبح کے وقت
کلودیس لوسیاس نے صدر عدالت فراہم کی اور رسول کو وہاں پیش کیا۔ سردار
کاہن حننیاہ نے رسول کے طمانچے لگوا کر بیان لئے۔ رسول نے اظہار میں اپنے فریسی
عقائد کا اقرار کیا۔ اس پر عدالت کے فریسی افراد نے تو رسول کو بے گناہ قرار دیا۔
پر صدوقی مجرم ٹھہراتے تھے۔ اس اختلاف رائے کی وجہ سے دونوں گروہوں میں ایسی
پھوٹ پڑی کہ وہ کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے اور پلٹن کے سردار نے رسول کی جان کا خطرہ
محسوس کر کے سپاہیوں کو انہیں انطونیہ قلعہ میں لے جا کر نظر بند کرنے کا حکم دیا۔ سپاہی
حکم بجا لائے۔ اسی روز شب میں خداوند رسول پر ظاہر ہوا اور اس نے فرمایا۔۔۔
"خاطر جمع رکھ جیسے تو نے میری بابت یروشلم میں گواہی دی ہے۔ ویسے ہی تجھے
روم میں بھی گواہی دینا ہوگا۔" اس واقعہ کے دوسرے روز چالیس سے زیادہ
یہودیوں نے ایکا کر کے لعنت کی قسم کھائی اور کہا کہ "جب تک ہم پولس کو قتل نہ کر لیں
نہ کچھ کھائیں گے نہ پئیں گے۔" اور انھوں نے سردار کاہن سے مل کر سازش کی اور ان
سے کہا کہ کل آپ صدر عدالت پھر فراہم کریں اور پولس کو حاضر کرائیں۔ ہم سب گھات
میں لگے ہوں گے اور پولس کے عدالت میں آتے وقت راستہ ہی میں اس کا کام تمام
کر دیں گے۔ سازش کی یہ خبر رسول کے بھانجا کو معلوم ہو گئی۔ سنتے ہی وہ فوراً انطونیہ
میں رسول کے پاس آ پہنچے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ رسول نے انہیں سردار
کلودیس لوسیاس کے پاس بھجوا دیا۔

سردار نے جب سازش کا حال سنا تو دو صوبہ داروں کو حکم دیا کہ دو سو
سپاہیوں اور ستر سواروں اور دو سو نیزہ برداروں کے ساتھ آج رات نو بجے پولس کو یہاں

سے قیصریہ لے کر روانہ ہو جاؤ اور انھیں فیلکس حاکم کے پاس پہونچا دو۔ سردار نے حاکم کے نام سے ایک خط بھی دیا۔ جس میں رسول کے مقدمہ کا ذکر تھا۔ اسقدر حفاظت کا انتظام اس لئے ہوا کہ اول تو رسول رومی تھے۔ دوم رسول کی جان کا خطرہ تھا اور بلوہ کا اندیشہ تھا۔ سپاہی راتوں رات رسول کو لے کر انتیپترس پہونچ گئے اور جب آگے کوئی خطرہ باقی نہ رہا تو پیدل سپاہی انطونیہ واپس ہو گئے۔ اور سوار سپاہی وہاں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد صبح کے وقت رسول کو لے کر قیصریہ روانہ ہو گئے جب یہ قیصریہ پہونچے تو حاکم کے حکم سے رسول کو قیصریہ کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ ادھر رسول کے روانہ ہونے کے بعد دوسرے دن پلٹن کے سردار کلودیس لوسیاس نے یہودیوں کو خبر بھیجدی کہ پولس کا مقدمہ انطونیُس فیلکس کے پاس بھیجدیا گیا۔ اس لئے مدعی قیصریہ میں حاکم کے پاس حاضر ہوں (فیلکس غالباً ۵۲ء میں حاکم ہو کر آیا تھا)

پانچ دن کے بعد قیصریہ میں مقدمہ پیش ہوا اور یہودیوں کی طرف سے سردار کاہن حننیاہ چند بزرگوں کے ساتھ مدعی کی حیثیت سے حاضر ہوئے اور ترطلس ان کے وکیل تھے۔ وکیل نے یہ دعویٰ کیا کہ پولس "مفسد اور دنیا کے سب یہودیوں میں فتنہ انگیز اور ناصریوں کے بدعتی فرقہ کا سرگروہ" ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ سارے فساد کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ انھوں نے ایک یونانی کو ہیکل میں بلا کر ہیکل کو ناپاک کرنے کی کوشش کی۔ یہودیوں نے بالاتفاق اپنے وکیل کے دعویٰ کو صحیح قرار دیا۔ حاکم کے اشارے سے رسول نے بھی سارا واقعہ کہہ سنایا اور کہا کہ آج تک مجھے کہیں بھی نہ فتنہ کھڑا کیا نہ فساد کیا نہ اسے کوئی ثابت کر سکتا ہے۔ باقی رہا مذہبی معاملہ وہ یہ ہے کہ جسے وہ بدعت کہتے ہیں میں اسے توریت اور انبیاء کے مطابق صحیح دین سمجھتا ہوں۔ وہ کتاب مقدس کی ساری باتوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ چنانچہ صدر عدالت نے بھی یہ

عقاید کو جانچا اور مجھے بے گناہ ٹھہرایا۔ فیلکس چونکہ مسیحی دین سے واقف نہ تھا۔ اس لئے اس نے یہ کہہ کر مقدمہ ملتوی کیا کہ سردار کلودیس لوسیاس کے آنے پر مقدمہ پھر پیش ہوگا۔ اس کے چند روز بعد فیلکس نے رسول کو اپنی بیوی دروسلہ کے سامنے بلایا جو یہودی تھی اور مسیحی دین کی کیفیت دریافت کی۔ اور اسی طرح وہ بار بار بلا کر رسول سے باتیں کرتا تھا۔ اس لئے نہیں کہ اسے مذہبی شوق تھا بلکہ اس لئے کہ وہ رسول یا رسول کے احباب یا خاندان سے رشوت لے کر انھیں چھوڑ دینا چاہتا تھا اور اسی امید میں اس نے انہیں دو سال تک نظر بند رکھا۔ [بعض علماء کا خیال ہے کہ افسیوں فلپیوں کلسیوں اور فلیمون کے نام خطوط یہیں سے لکھے گئے]۔ رسول کی دو سال کی نظر بندی کے بعد فیلکس روم واپس چلا گیا اور محض یہودیوں کو خوش کرنے کی غرض سے رسول کو اسی حالت میں چھوڑ گیا۔ کیونکہ اس کے مظالم کے خلاف بہتیری شکایات تھیں۔ چنانچہ یہودیوں نے اس کا پیچھا روم تک بھی نہ چھوڑا۔ اور اس کے خلاف قیصر کے پاس شکایات پہونچائیں۔ پرکیس فیستس جب فیلکس کی جگہ سنہ ۶۰ یا ۵۹ء میں حاکم ہوکر آیا تو اپنی آمد کے تین ہی دن کے بعد وہ قیصریہ سے یروشلم پہونچا اور جب صدر عدالت کے افراد نے رسول کے خلاف شکایات پیش کیں اور ان کے مقدمہ کو یروشلم کی صدر عدالت میں تبدیل کرنے کی درخواست کی تو حاکم نے انہیں قیصریہ حاضر ہونے کا حکم دیا۔ اس درخواست میں یہ راز مضمر تھا کہ قیصریہ سے آتے ہوئے راہ میں وہ رسول کا کام تمام کرنا چاہتے تھے۔ آٹھ دس دن کے بعد جب فیستس قیصریہ واپس آیا تو رسول کا مقدمہ پھر پیش ہوا۔ یہودیوں نے وہی پرانے الزامات لگائے لیکن کچھ ثابت نہ کر سکے۔ جب حاکم نے یہ دیکھا کہ الزامات محض مذہبی ہیں جن کی صحت پر بھی کوئی قانونی کارروائی نہیں کی جا سکتی تو یہودیوں کی درخواست پر اس نے رسول سے یہ دریافت کیا کہ آیا تم اس بات کو پسند کروگے کہ تمہارا مقدمہ میری موجودگی میں صدر عدالت میں پیش ہو یا نہیں

رسول چونکہ یہودیوں کے سازش سے واقف تھے اس لئے انھوں نے بہتر یہ سمجھ کہ قیصر کے ہاں اپیل کریں اور درخواست کی کہ میرا مقدمہ روم تبدیل کر دیا جائے۔ اپیل رسول نے اس لئے بھی کی کہ آپ کو روم جانے کا اشتیاق تھا۔ رسول کی درخواست منظور ہوئی اور قیصریہ میں مقدمہ کی سماعت بند کی گئی حاکم کو اس درخواست پر افسوس ہوا کیونکہ اظہارات کے بعد وہ مقدمہ کو غیر قانونی ہونے کی وجہ سے خارج کیا چاہتا تھا اور رسول کو رہا کرنا چاہتا تھا لیکن بجز اس کے کوئی اور چارہ باقی نہ رہا کہ وہ مقدمہ کو قانونی شکل میں لاکر قیصر کے ہاں تبدیل کر دے۔ لیکن وہ حیران تھا کہ اُسے قانونی شکل میں کس طرح لایا جائے اور مقدمہ کے کاغذات کیا تیار کئے جائیں۔ اس اپیل کے چند دنوں کے بعد ایسا ہوا کہ جب ہیرودیس اگر پا دوم اپنی بہن برنیکے کے ساتھ فیستس کی ملاقات کی غرض سے قیصریہ آیا تو حاکم نے بہتر سمجھا کہ ہیرودیس سے اس معاملہ میں امداد لوں چنانچہ ہیرودیس کے دربار میں اس نے ایک روز رسول کو پیش کیا۔ یہاں بیان میں رسول نے اپنی زندگی اور روحانی تبدیلی کا حال کہہ سنایا۔ اگرپا نے جب بیان سنا تو اس نے بھی رسول میں کوئی قانونی جرم نہ پایا اور اپیل کی بابت سن کر افسوس کیا۔

روم میں نظر بندی ۵۹ یا ۶۰ء تا ۶۲ء

چند دنوں کے بعد پُرکیُس فیستُس حاکم نے رسول کو پلٹن کے صوبہ دار یولیس کے حوالہ کیا اور رسول کو لے کر روم روانہ ہونے کا حکم دیا۔ یولیس چند سپاہیوں کے ساتھ رسول کو لے کر جہاز پر سوار ہوا اور آپ کی خدمت کے لئے حضرت لوقا اور ارسترخس تھسلنیکی کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دی۔ یہ سب ایک جہاز پر سوار ہو گئے۔ جو ادرمیتیم کو جا رہا تھا۔

دوسرے دن جہاز صیدا پہنچا جہاں یولیس صوبہ دار نے رسول اور آپ کے ساتھیوں کو شہر میں مسیحیوں سے ملنے کی اجازت دی۔ پھر صیدا سے روانہ ہو کر جزیرہ

کُپرُس کے مشرق سے کلکیا اور پمفیلیہ کی طرف سے ہوتے ہوئے لوکیہ کے بندر مورہ پہنچا یہاں انھوں نے اس جہاز کو چھوڑ کر اطالیہ جانے والا جہاز لیا۔ جو کنِدُس ہوتا ہوا کریتے کے بندر حسین پہنچا۔ یہاں لنگر ڈال کر کچھ دن انھوں نے قیام کیا کیونکہ سمندر میں نہایت ہی سخت طوفان ہو رہا تھا۔ اور سردی کا موسم بھی آ گیا تھا۔ رسول نے موسم اور سمندر کا حال دیکھ کر خطرہ محسوس کیا۔ لیکن طوفان کے کچھ دھیما پڑنے سے ناخدا دلیر ہوئے اور کہا کہ اب کوئی خطرہ نہیں۔ اور صوبہ دار کے حکم سے انھوں نے حسین سے لنگر اٹھا کر جزیرہ کے دوسرے بندر فینکس میں جاڑا کاٹنے کا مشورہ کیا۔ لیکن ہوا حسب خواہ پا کر وہ اطالیہ ہی روانہ ہو لئے۔ اور ابھی کچھ زیادہ دور بھی نہیں گئے تھے کہ سخت طوفان آیا اور جہاز بے قابو ہو گیا۔ یہاں تک کہ جہاز کو ہلکا کرنے کے لئے انہیں مال اور سامان بھی پھینکنا پڑا۔ پھر مجبوراً جہاز کے آلات و اسباب کو بھی دور کرنا پڑا۔ اس پر بھی جہاز کنارے سے پرے کرتے سے دور ہی ہوتا چلا گیا۔ طوفان اس قدر سخت تھا اور بادل کی گھٹائیں ایسی کالی اور ڈراؤنی تھیں کہ دن میں نہ سورج نظر آتا تھا نہ رات میں کسی کو اپنا ہاتھ تک دکھائی دیتا تھا اور اس پر سردی کی کپکپی اور بھی مارے ڈالتی تھی۔ مارے خوف کے سب لوگ کھانا پینا بھول گئے اور جب فاقہ کو تیرہ دن ہو چکے تھے تو ایسا ہوا کہ تیرھویں روز رات کے وقت خدا کا فرشتہ آموجود ہوا اور اس نے رسول سے کہا کہ " اے پولس! نہ ڈر۔ ضرور ہے کہ تو قیصر کے سامنے حاضر ہو اور دیکھ جتنے لوگ تیرے ساتھ جہاز میں سوار ہیں اُن سب کی خدا نے تیری خاطر جان بخشی کی۔" دوسرے روز رسول نے یہ واقعہ جہاز والوں کو کہہ سنایا اور انہیں بتایا کہ گو ہمارا جہاز برباد ہو جائیگا تاہم خدا ہم سبھوں کی جان بچا لیگا۔

چودھویں رات کو جزیرہ ملیتے کے قریب ناخداؤں نے محسوس کیا کہ جہاز کسی خشکی کے نزدیک ہے۔ لیکن چٹان سے ٹکرانے کے خوف سے بندرہ پرسہ کی گہرائی پر انھوں نے

لنگر ڈال دیا۔ اور صبح کا انتظار کرنے لگے۔ دوسرے روز علی الصباح ملاح کسی چالاکی سے
اپنی جان بچا کر ڈونگی کے ذریعے چپکے سے جہاز سے بھاگ جانے کی کوشش کرنے لگے۔
کیونکہ جہاز کے ڈوبنے کا اندیشہ تھا۔ لیکن صوبہ دار نے انہیں بھاگنے کا موقعہ نہ دیا۔ اب
پندرہویں روز صبح کے وقت رسول نے منت کر کے سبھوں کو کھانا کھلایا۔ اور کھانا کھا کے
جہاز کو ہلکا کرنے کی غرض سے انھوں نے سارا گیہوں بھی باہر پھینک دیا۔ اور جہاز کو
ساحل کی طرف بڑھایا۔ ابھی ساحل کچھ فاصلہ پر تھا کہ جہاز ایسی جگہ آ پھنسا کہ وہاں گرا
کر برباد ہو گیا۔ لیکن خدا نے سبھوں کی جان بچائی اور کچھ تیر کر اور کچھ تختوں کے سہارے
خشکی پر آ پہونچے۔ خشکی پر جزیرہ والوں نے ان کے لئے آگ جلائی کیونکہ بیچارے مصیبت
زدہ مینہ اور جاڑے کے سبب سے ٹھٹھر رہے تھے۔

جب رسول بھی ان کے ساتھ لکڑی جمع کر کے جلا رہے تھے تو ایک سانپ
آپ کے ہاتھ میں لپٹ گیا۔ آپ نے فوراً اسے آگ میں جھٹک دیا اور جزیرہ والوں کی توقع
کے خلاف جب سانپ نے آپ کو کچھ ضرر نہ پہنچایا تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ یعنی یہ کوئی
دیوتا ہے۔ جہاز کے ڈوبنے کی خبر بہت جلد جزیرہ کے سردار پبلیس کے پاس پہونچ گئی۔
اور اس نے سارے جہاز والوں کی تین دن تک بڑی مہمان نوازی کی۔ پبلیس کا
باپ اس وقت بخار اور پیچش میں مبتلا تھا۔ رسول نے دعا کی اور وہ اچھا ہو گیا۔ یہ
خبر کسی طرح اوروں کو بھی مل گئی اور وہ بھی مریضوں کو رسول کے پاس لانے لگے اور
اچھے کئے گئے۔ تین ماہ تو بیچارے ان جہازیوں نے اسی جزیرہ میں کاٹے اور جاڑا
گذر جانے کے بعد سنہ ۶۱ء میں موسم بہار آنے پر آگے جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ خوش
قسمتی سے اسکندریہ کا دیسکوری نامی ایک جہاز انہیں تیار مل گیا۔ یہ خود بھی اس
جزیرہ میں جاڑا کاٹ کر اطالیہ جا رہا تھا۔ روانگی کے وقت جزیرہ والے نہایت
ہی عزت سے رسول کو رخصت کرنے آئے اور جو کچھ سفر کے لئے درکار تھا جہاز پر لادنے

ساتھ رکھ دیا۔ جہاز ملتے سے روانہ ہو کر سسلی کے بندر سرکوسہ پہنچا اور تین دن کے قیام کے بعد روانہ ہو کر اطالیہ کے بندر ریگیم پہونچا۔ یہاں ایک دن کے انتظار کے بعد دوسرے روز جب دکھنا چلی تو جہاز روانہ ہو کر پتیلی بندر پہونچا۔ یہاں سب لوگ جہاز سے اتر پڑے۔ یہاں کے مسیحیوں نے رسول کا نہایت ہی سرگرم استقبال کیا اور صوبہ دار کی اجازت سے انھوں نے رسول اور ان کے اصحاب کی سات دن تک خوب خاطر داری کی۔ اس قیام کے عرصہ میں آپ کی آمد کی خبر روم میں بھی پہونچ گئی۔ جب پتیلی میں سات دن کے قیام کے بعد سفر کرتے ہوئے وہ اپیئس کے چوک پہونچے جو روم سے قریباً ۴۳ میل کے فاصلہ پر تھا تو وہاں رسول کی روم کے مسیحیوں سے ملاقات ہوئی جو آپ کے استقبال کے لئے آ رہے تھے۔ وہاں سے چل کر جب وہ تین سرائے پر پہونچے جو روم سے ۲۹ میل کے فاصلہ پر تھا تو وہاں رومی مسیحیوں کی ایک اور جماعت ملی جو آپ کے استقبال کو آئی تھی۔ رسول کو رومی کلیسیا کے مسیحیوں سے مل کر نہایت ہی مسرت ہوئی۔ جب وہ روم پہونچے تو صوبہ دار نے رسول کو پریتورین کے حوالے کیا اور وہ حوالات میں ڈال دئے گئے۔ لیکن چونکہ آپ کے مقدمہ کے پیش ہونے میں کافی عرصہ تھا اور آپ معزز خاندان سے تھے اس لئے آپ کو اجازت ملی کہ حوالات کے بجائے ایک کرایہ کے مکان میں رہیں جہاں دوسرے آپ کی خدمت بھی کر سکتے تھے اور آپ لوگوں سے مل جل بھی سکتے تھے۔ لیکن اس آزادی کے ساتھ ساتھ آپ کے مکان پر پریتورین کے ایک سپاہی کا پہرہ بھی رہتا تھا۔ کیونکہ سرکاری طور پر آپ حوالات میں نظر بند تھے۔ روم پہونچتے ہی آپ نے نہ فقط مسیحیوں ہی سے ملاقات کی بلکہ پہونچنے کے تین روز کے بعد یہودی رئیسوں کو بھی بلوا بھیجا اور انہیں اپنی گرفتاری کا سارا حال کہہ سنایا۔ پھر کچھ دن بعد یہودیوں کی ایک کثیر جماعت رسول کے پاس خدا کی محبت کی خوشخبری اور مسیح کی آمد کی بابت مسیحی تعلیم سننے کو جمع ہوئی۔ بہتوں نے رسول کی تعلیم کو

مان لیا۔ اور ایمان لے آئے۔ پر بہتوں نے نہ مانا اور رجوع نہ لائے۔ آپ کی بابت لکھا ہے کہ "پورے دو برس اپنے کرایہ کے گھر میں رہا اور جو اس کے پاس آتے تھے ان سب سے ملتا رہا اور کمال دلیری سے بغیر روک ٹوک کے خدا کی بادشاہی کی منادی کرتا اور خداوند یسوع مسیح کی باتیں سکھاتا رہا" یہ دو سال کا عرصہ غالباً سنہ ۶۱ء تا سنہ ۶۳ یا ۶۴ء کا ہوگا۔ اگر پیشتر نہیں تو ان عرصہ میں رسول نے تخِکُس کی معرفت کلسیوں اور افسیوں کے نام خطوط بھیجے۔ افسیوں کے نام کا خط آسیہ کی ساری کلیسیاؤں کے لئے تھا۔ اور کلسی ۴: ۱۶ میں غالباً اسی کا ذکر ہے۔ ان کے علاوہ اُنیسمُس کی معرفت فلیمون کلسی کو ایک خط بھیجا۔ اسی عرصہ میں کلسیوں کے اپفراس کلسی اور ارسترخس تھسلنیکی بھی روم میں قید ہوگئے۔ رسول کی خدمت کے لئے اس وقت لوقا، مرقس، دیماس اور یسوع یوستُس حضرات موجود تھے۔ فلپی کی کلیسیا نے اپفردتُس کی معرفت آپ کی امداد کے لئے یہاں کچھ روپے بھیجے۔ جس کے جواب میں ان ہی کی معرفت فلپی کی کلیسیا کو رسول نے ایک شکر گذاری کا خط لکھا جسے ہم فلپیوں کے نام خط کہتے ہیں۔ اس وقت حضرت تیمتھیس بھی رسول کے ساتھ تھے۔

کہتے ہیں کہ اس دو سال کی نظر بندی کے بعد جرم نہ ثابت ہونے کی وجہ سے رسول رہا کر دیے گئے یا مقدمہ ملتوی ہونے کی وجہ سے ایک عرصہ کے لئے آپکو آزاد کر دیا گیا۔ اس عرصہ میں پھر آپ نے مسیحی خدمات انجام دیں۔ آیا اپنے ارادہ کے مطابق اس موقع پر رسول اسفانیہ گئے یا نہیں اس کے متعلق کوئی تاریخی ثبوت نہیں۔ سب سے پہلے کلیمنٹ رومی (قریباً سنہ ۹۵ء) نے ذکر کیا ہے کہ رسول نے انجیل کا پیغام "مغربی حد تک" پہنچایا۔ وہ مغربی حد سے مراد اسفانیہ ہو سکتا ہے۔ دوسری صدی کے آخر تک کلیسیا میں یہ عام خیال پایا جاتا تھا کہ رسول اسفانیہ بھی گئے تھے۔ لیکن رسول اگر گئے ہوتے تو آپ کی قائم کردہ کوئی کلیسیا بھی وہاں ضرور ہوتی۔ حالانکہ وہاں کی کسی کلیسیا کا ایسا دعویٰ نہیں۔ اگر

رسول کی رہائی یا رسمی آزادی تسلیم کر لی جائے تو زیادہ قرین قیاس ہے کہ رسول اپنی قائم کردہ کلیسیاؤں کو مضبوط کرنے کے لئے ان سے پھر ملے۔ فلپی ۲: ۲۴۔ ذکر ہے کہ وہ کرنتھس گئے اور اراستس کو وہاں چھوڑا۔ میلیتس گئے اور حضرت ترفمس کو وہاں چھوڑا ۲ تی ۴: ۲۰۔ مکدنیہ جاتے وقت حضرت تیمتھیس کو افسس کی کلیسیا کا عارضی نگہبان بنایا۔ ۱ تی ۱: ۳۔ تروآس گئے بعد وہاں اپنا چوغہ چھوڑ آئے۔ ۲ تی ۴: ۱۳۔ مکدنیہ گئے پھر کریتے گئے اور حضرت طیطس کو وہاں کی کلیسیا کا عارضی نگہبان بنایا۔ طط ۱: ۵۔ اور نیکپلس میں جاڑا کاٹا۔ نیکپلس پہنچنے سے پیشتر غالباً حضرت طیطس کو ایک خط لکھا اور حضرت تیمتھیس کو پہلا خط لکھا۔

اس کے بعد رسول پھر دوبارہ قید کئے گئے۔ ۲ تی ۲: ۹ اور زندگی سے نا امیدی کی حالت میں حضرت تیمتھیس کو دوسرا خط لکھا۔ جبکہ وہ افسس میں تھے۔ اس وقت رسول کے ساتھ بجز حضرت لوقا کے کوئی اور نہ تھے۔ اس قیاس ہے کہ رسول رہا نہ ہوئے اور شہنشاہ نیرو کے حکم سے شہید کئے گئے۔]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو سال کی نظر بندی کے بعد بھی عدالت میں رسول کا کوئی باضابطہ انصاف نہ ہوا اور آپ کا مقدمہ بغیر فیصلہ کئے سماعت کے پڑا رہا۔ یہاں تک کہ مسیحیوں کی پہلی ایذا رسانی کا وقت آ گیا۔ اور رسول شہنشاہ نیرو کے مظالم کے شکار ہوئے اور قتل کئے گئے۔ ہارنک کے مطابق یہ شہادت سنہ ۶۴ء میں ہوئی جبکہ نیرو نے روم کے مسیحیوں پر مظالم ڈھائے۔ ژان بھی سنہ ۶۴-۶۵ء مانتے ہیں۔ لیکن رامزے اور لائٹفٹ شہادت کا سال سنہ ۶۷ء بتاتے ہیں۔ طرطولین اور رینن اس بات کے قائل ہیں کہ رسول پولس شہنشاہ نیرو (سنہ ۵۴-۶۸ء) کے عہد میں روم میں شہید ہوئے۔

مقدمہ ۱:۱-۱۵

رسولی کلیسیا میں اول درجہ پر صرف ان ہی کو رسول قرار دیا جاتا تھا جنہیں خداوند مسیح یا روح القدس کی طرف سے رسالت کا عہدہ براہ راست حاصل ہوا ہو اور جو خداوند کی خدمت کے عرصہ میں اس کے ساتھ رہے ہوں اور اس کی ساری زندگی اور قیامت کے چشم دید گواہ ہوں اور جنھوں نے خداوند کی صحبت میں رہ کر ایسی تعلیم حاصل کی ہو اور اس طور سے اس کی اپنی زندگی کے نمونہ پر ڈھلے ہوں کہ ان کی زندگی خدا عند مسیح کی زندگی۔ ان کا کلام خداوند مسیح کا کلام اور ان کی سعی خدمت خداوند مسیح کا پیغام ہو۔ اور وہ اپنی ذاتی حیثیت سے علیحدہ خداوند کے سفیر یا رسولی کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے ہوں لوقا ۶: ۱۳، ۲۴: ۴۸، اعمال ۱: ۲۱-۲۲ اس لحاظ سے رسول پولس کی رسالت پر بعضوں کا اعتراض تھا۔ خاص کر اس لئے کہ وہ خداوند کی زندگی اور قیامت کے چشم دید گواہ نہ تھے لیکن رسول کا دعویٰ تھا کہ رسالت کی ساری شرطیں مجھ میں باطنی اور روحانی طور پر پوری ہوئی ہیں۔ یہاں تعارف میں بھی رسول نے اپنی رسالت پر زور دیا اور بعد ازاں رومی کلیسیا سے اپنی رسولی دلچسپی کا اظہار کیا۔

فصل اوّل

ب۔ تعارف ۱:۱-۷

۱ پولس کی طرف سے جو یسوع مسیح کا بندہ ہے اور رسول ہونے کے لئے بلایا گیا۔ اور خدا کی اس انجیل کے لئے

۲ مخصوص کیا گیا ہے جس کا اس نے پیشتر

۲ سے اپنے نبیوں کی معرفت پاک نوشتوں میں ۳ اپنے بیٹے ہمارے خداوند یسوع مسیح
۳ کی نسبت وعدہ کیا تھا جو جسم کے اعتبار سے تو داؤد کی نسل سے پیدا ہوا
۴ لیکن پاکیزگی کی روح کے اعتبار سے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے سبب سے
۵ قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرا۔ جسکی معرفت ہمیں فضل اور رسالت
ملی تاکہ اس کے نام کی خاطر سب قوموں میں سے لوگ ایمان کے تابع ہوں۔
۶ و ۷ جن میں سے تم بھی یسوع مسیح کے ہونے کے لئے بلائے گئے ہو۔ خدا کے ان
سب محبوب اور بلائے ہوئے مقدسین کے نام جو روما میں ہیں۔ ہمارے باپ
خدا اور خداوند یسوع مسیح کی طرف سے تمہیں فضل اور سلام۔

چونکہ اس خط کے کاتب اور مکتوب الیہ کی شخصی ملاقات نہ تھی اس لئے ضرور
ہوا کہ کاتب پہلے اپنا تعارف کرائیں اور ایک انجان کلیسیا کو تعلیم دینے کا حق اور اختیار ثابت
کریں۔ کیونکہ ہر شخص کو یہ حق اور اختیار حاصل نہیں کہ وہ کلیسیا کو تعلیم دے۔ اس لئے کہ کلیسیا
کو تعلیم دینے کا حق اور اختیار صرف اسی کو ہے جسے خدا اس خدمت کے لئے مبعوث کرتا ہے۔ کاتب
بایں ہمہ الفاظ اپنا تعارف کراتے ہیں۔ اور خدا کی طرف سے تعلیم دینے کا حق اور اختیار جتلاتے ہیں۔ آپ
کے اس حق اور رسالت کے چار ثبوت حسب ذیل ہیں :۔

(۱) غلامی :۔ کاتب خداوند یسوع مسیح کے غلام ہیں ۱ : ۱۔ غلام یا بندہ جسکی
زندگی اس کے اپنے لئے نہیں بلکہ اس کے آقا کے لئے ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے آقا کی
زر خرید ملکیت ہے۔ رسول پولس خون خریدے غلام تھے۔

(۲) رسالت :۔ حضرت پولس "نہ انسانوں کی جانب سے نہ انسان کے سبب سے
بلکہ یسوع مسیح اور خدا باپ کے سبب سے جس نے اس کو مردوں میں سے جلایا رسول"
مقرر ہوئے۔ ۱ : ۱۔ گل ۱ : ۱۔ وہ اپنے آپ ہی رسول نہیں بن گئے جیسا کہ بعض معترضین
کا خیال تھا۔ کیونکہ اپنی سمجھ سے تو وہ خداوند مسیح اور اس کی کلیسیا کی دشمن تھے۔

لیکن خدا نے انہیں اپنی خدمت کے لئے بلایا جیسا کہ اس نے قدیم زمانہ میں حضرت ابراہیم۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت عاموس۔ حضرت یسعیاہ اور حضرت یرمیاہ وغیرہ کو بلایا تھا اور اپنا پیغمبر مقرر کیا تاکہ خدا کا پیغام دنیا کی حد تک پہونچایا جاوے ۱:۱۔ ۱۵ : ۱۵۔ یہ پیغام انجیل جلیل کی بشارت تھی جو خداوند کی طرف سے آپ کو حاصل ہوئی جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں کہ "اے بھائیو! میں تمہیں جتائے دیتا ہوں کہ جو انجیل میں نے سنائی وہ انسان کی سی نہیں کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی گئی بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا" گل ۱:۱۱-۱۲

(۳) **مخصوصیت** :- رسول پولس خدا کی انجیل کی بشارت کے لئے مخصوص کئے گئے ۱:۱۔ یہ مخصوصیت خدا کے حکم سے کلیسیا نے کی۔ اعمال ۱۳:۱-۳ جیسا کہ رسول کی بلاہٹ خدا کی طرف سے تھی اور مخصوصیت کلیسیا کی طرف سے اسی طرح ہر ایک خادم الدین کے ساتھ بھی ہونا چاہیئے۔ پہلے بارہ رسولوں کی بلاہٹ اور مخصوصیت دونوں خداوند مسیح کی طرف سے ہوئی تھیں۔ کیونکہ اس وقت تک کوئی کلیسیا نہیں قائم ہوئی تھی۔ لیکن کلیسیا کے قیام کے بعد مخصوصیت کلیسیا کی طرف سے ہونا چاہیئے کیونکہ کلیسیا دنیا میں خداوند مسیح کی جانشین اور وسیلہ ہے جس کے ذریعے خدا اپنی نجات کا کام کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص خدا کی بلاہٹ کا دعویٰ دار ہو اور کلیسیا نے مخصوص کرکے اس کی بلاہٹ پر اپنی مہر ثبت نہ کی ہو تو اس کا دعویٰ اگر غلط نہیں تو مشتبہ ضرور ہوگا۔

رسول کی یہ بلاہٹ اور مخصوصیت اس انجیل کی بشارت کے لئے ہوئی۔ جس کا ذکر انبیا پیشتر ہی سے کر چکے تھے۔ کیونکہ خدا اپنی امت سے اس کا وعدہ کر چکا تھا ۱:۲۔ اس لئے بعضوں کا یہ کہنا کہ رسول کی تعلیم شریعت اور انبیا کے خلاف ہے درست نہیں۔ کیونکہ رسول کا پیغام وہی پیغام ہے جس کی خبر انبیا کی معرفت دی جا چکی تھی اور اب رسول اس کے خادم مقرر ہوئے۔ یہ انجیل کسی انسان کی

اختراع نہیں جیسا کہ بعضوں نے آپ پر الزام لگایا۔ بلکہ یہ انجیل خدا کی انجیل ہے (یعنی یہ وہ خوشخبری ہے جو خدا خود انسان کو دیتا ہے) اس انجیل کی بشارت کے لئے آپ رسول مبعوث ہوئے ۱: ۳۔ یہ موعودہ انجیل خدا کے بیٹے ہمارے خداوند مسیح کی نسبت ہے جو انبیا کے قول کے مطابق داؤد کی نسل سے پیدا ہوا اور جسے عوام الناس نے محض ابن داؤد ہی سمجھا ۱: ۳۔ لیکن کلیسیا نے اُسے محض ابن داؤد نہ جانا بلکہ اپنا خداوند تسلیم کیا۔ کیونکہ یہ ابن داؤد حقیقتاً ازل سے ابن اللہ تھا۔ یہ حقیقت انبیا کی نظر سے پوشیدہ رہی لیکن جب وہ قدرت کے ساتھ مردوں میں سے جی اٹھا تو کلیسیا نے اسی ابن داؤد کو پاکیزگی کی روح کے اعتبار سے خدا کا بیٹا تسلیم کیا ۱: ۴۔ یہی یسوع مسیح انسان کی طرف انسان ہے اور خدا کی طرف خدا ہے۔ یہ وہ شخصیت ہے جو اپنی ذات میں قدیم اور حادث اور انسان اور خدا کو ملاتا ہے۔ اس کی زندگی میں الہٰی حلقہ انسانی حلقہ سے ملحق ہوا۔ اور اب خدا اور انسان ایک دوسرے سے دور باقی نہ رہے کیونکہ الہٰی حلقہ سے انسانی حلقہ میں آمدورفت کا راستہ بن گیا اور یہ راستہ مسیح ہے۔ یہ بڑا انقلاب ۳۰ء میں ہوا۔ اور اپنے پورے زور پر یہ اس وقت پہونچا جبکہ خداوند مسیح کی قیامت کے ساتھ موت زندگی میں۔ حادث قدیم میں اور فنا بقا میں تبدیل ہوگئی۔ یہ سب امور جہاں کی نظر سے تو پوشیدہ ہیں۔ لیکن کلیسیا پر اس کا انکشاف نہایت ہی قدرت کے ساتھ ہو چکا ہے۔ جس کا تجربہ خود رسول پولس کو بھی ہوا جبکہ ان کی زندگی کی کا یا پلٹ ہوئی اور وہ ساؤل سے پولس بنگئے

(۴) **فضل** :- یہ رسالت اور مخصوصیت کسی ذاتی لیاقت یا قابلیت کی وجہ سے نہیں حاصل ہوئیں کیونکہ بالذات صرف خدا ہی سب کچھ ہے اور صرف وہی یہ کہہ سکتا ہے "میں جو ہوں سو میں ہوں" خر ۳: ۱۴۔ اور سب انسانوں

کی لیاقت وصلاحیت محض اس کے فضل سے ہے اور رسول بھی جو کچھ تھے محض
اس کے فضل کی بخشش سے تھے ۱: ۵، ا کر ۱۵ : ۱۰ اور مقدس پولس کو یہ فضل
اس وقت حاصل ہوا جبکہ خداوند دمشق کی راہ میں ان پر ظاہر ہوا۔ اعم ۱۹:۱۱-۹
اپنے بڑے فضل سے خدا نے انہیں انجیل کی بشارت کے لئے رسول مقرر
کیا تاکہ مسیح کے نام کی خاطر سب قوموں میں سے لوگ ایمان کے تابع ہوں ۱: ۵-
کون کہہ سکتا تھا کہ مسیح کے نام کا دشمن اسی کے نام کی منادی کرے گا۔ یہ الٰہی گنگا
اس نے بہائی جو اپنے فضل سے سب کچھ کرسکتا ہے۔ χαρις (خارس)
کے معنی ہیں شیرینیت بخشش لو ۴: ۲۲۔ فضل۔ کرم۔ مہربانی۔ رحم بخشش۔
شکر گذاری ۱: ۵، ۴: ۴، ۱ کر ۱: ۳۰ خداوند مسیح پر ایمان رکھنے سے خدا اور
انسان کا رشتہ باپ اور بیٹے کا رشتہ بن جاتا ہے۔ اور لفظ χαρις (خارس)
اس برتاؤ کو ظاہر کرتا ہے جو باپ کا بیٹے کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ اس رحم کے برتاؤ
کو جو آقا کا غلام کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس پدرانہ برتاؤ میں ایک ایسی قدرت بخشش
اور شیرینیت ہے کہ وہ بیٹے کو شکرگذاری کے احساس کے ساتھ اپنا ایسا مطیع بنا دیتا
ہے جو غلام نہیں بن سکتا۔ اور خدا کا یہ پدرانہ برتاؤ بیٹے کی کسی لیاقت اور صلاحیت
کی وجہ سے نہیں بلکہ اس رشتہ کی وجہ سے ہے جو خدا اور مسیحی میں ہوتا ہے۔ پولس
رسول کی پچھلی زندگی کی نسبت سے تو خدا ان کا آقا اور وہ اس کے غلام ہیں۔
لیکن مسیحی نسبت سے خدا ان کا باپ اور وہ اس کے بیٹے ہیں۔ رسول کے کلام
میں جہاں کہیں رشتہ کا سوال ہو ان دونوں نسبتوں کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔

اس تعارف میں مقدس پولس نے رومیوں پر یہ بھی ظاہر کردیا کہ مجھے پیغمبری
کا حقیقی طرف سے حق اور اختیار ملا ہے کیونکہ میں خداوند یسوع مسیح کا غلام اور رسول ہوں
اور اس امر کی تصدیق کلیسیا نے بھی کی۔ چنانچہ انہوں نے مجھے انجیل کی خدمت کے

لئے مخصوص کیا لیکن یہ سب کچھ خدا کے فضل سے ہوا۔ اختیار حاصل کرنے کے بعد رومیوں کو تعلیم دینے کا حق ثابت کرنا بھی ضروری تھا۔ رسول کے اس حق کا ثبوت حسب ذیل ہے:-

(۱) مقدس پولس کو رسالت اس لئے ملی " تاکہ خدا کے نام کی خاطر سب قوموں میں سے لوگ ایمان کے تابع ہوں " ۱: ۵ اور رومی اس سے مستثنیٰ نہیں کئے جا سکتے۔

(۲) قوموں میں رومی کلیسیا کا بھی شمار ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ اس وقت بھی وہ خدا کے محبوب اور بلائے ہوئے مقدسین ہیں جنہیں خداوند یسوع مسیح نے منتخب کیا ۱: ۶-۷۔

(۳) مقدس پولس کو رسالت اس لئے ملی تاکہ خاص کر غیر یہودیوں میں انجیل کی بشارت دیں۔ اس لئے روم بھی رسول کے حلقہ خدمت میں آجاتا ہے کیونکہ رومی کلیسیا کی بہت بڑی تعداد غیر یہودیوں میں سے تھی ۱: ۱۳ ؛ گل ۲: ۷-۹

یونانی خطوط ہمیشہ شروع اس طرح ہوا کرتے تھے جیسا کہ رومیوں کے خط کے یونانی متن سے بھی ظاہر ہے " زید لعمر و تسلیم "۔ جس کا مفہوم یہ ہوتا تھا کہ یہ زید کا خط عمرو کے لئے ہے۔ جسے کاتب سلام کہتا ہے۔ نیا عہد نامہ میں سلام لکھنے کے چار طریقے استعمال کئے گئے ہیں۔

(۱) تسلیم یع ۱: ۱ جسکا ترجمہ کیا گیا ہے " سلام پہونچے " یہ سب سے سیدھا سادھا اور خالص یونانی طریقہ تھا۔

(۲) Χάρις καὶ εἰρήνη (خارس کئے آئیرینے) فضل اور سلام سلامتی اور شانتی وغیرہ ۱: ۷۔ یہ طریقہ پطرس رسول کے خطوط اور سوائے دونوں تمتھیس کے پولس رسول کے سارے خطوط میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ یونانی اور عبرانی طریق کا مرکب ہے۔ یوحنا ۲۰: ۱۹ میں آئیرینے کا ترجمہ سلامتی کیا گیا ہے۔ لیکن نیا عہد نامہ کے دیگر مقامات میں عام طور سے اس کا ترجمہ اطمینان کیا گیا ہے۔ یہ یونانی لفظ دراصل عبرانی

لفظ شالوم کا ترجمہ ہے جس کے معنی سلام کے ہیں ۔

(۳) خارس ۔ رحم اور آئیرینے پہلا اور دوسرا تی اور ۲ یوحنا ۔ یہ تہرا سلام ہے اس کا پہلا لفظ یونانی اور آخری دو کو عبرانی کا ترجمہ سمجھنا چاہیئے ۔

(۴) رحم اور آئیرینے اور محبت یہو ۲ ۔ انھیں بھی عبرانی الفاظ کا ترجمہ سمجھنا چاہیئے ۔

واضح ہو کہ رسول پولس کے خطوط میں سلام ہر جگہ مکتوب الیہ کے لئے رحم [illegible] کی دعا ہے ۔ اسی لئے اردو کے ترجمہ میں ہر جگہ سلام کو دعا کے طور پر لکھا گیا ۔ رسول کی ان دعاؤں میں خداوند مسیح کو خدا سے کوئی علیحدہ شخصیت نہیں سمجھا گیا ہے بلکہ دونوں کو رحم ۔ محبت اور سلامتی کا واحد چشمہ تصور کیا گیا ہے ۔

فصلِ دوم

ب۔ اوال ۱ : ۸ - ۱۵

۸ اول تو میں تم سب کے بارے میں یسوع مسیح کے وسیلہ سے اپنے خدا کا شکر کرتا ہوں کہ تمہارے ایمان [یا تمہاری مسیحیت] کا تمام دنیا میں شہرہ ہو رہا ہے ۵ ۹ چنانچہ خدا جس کی عبادت میں اپنی روح سے اس کے بیٹے کی خوشخبری دینے میں کرتا ہوں وہی میرا گواہ ہے کہ میں بلا ناغہ تمہیں یاد کرتا ہوں ۵ ۱۰ اور اپنی دعاؤں میں ہمیشہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ اب آخر کار خدا کی مرضی سے مجھے تمہارے پاس آنے میں کسی طرح کامیابی ہو ۵ ۱۱ کیونکہ میں تمہاری ملاقات کا مشتاق ہوں تاکہ تم کو کوئی روحانی نعمت دوں جس سے تم مضبوط ہو جاؤ ۵ ۱۲ غرض میں بھی تمہارے درمیان ہو کر تمہارے ساتھ اس ایمان کے باعث تسلی پاؤں جو تم میں اور مجھ میں دونوں میں ہے ۵ ۱۳ اور اے بھائیو! میں اس سے

تمہارا ناواقف رہنا نہیں چاہتا کہ میں نے بارہا تمہارے پاس آنے کا ارادہ
کیا تاکہ جیسا مجھے اور غیر قوموں میں پھل ملا ویسا ہی تم میں بھی ملے مگر آج تک
۱۴ رکا رہا ۔ میں یونانیوں اور بربروں (یا مہذبوں اور غیر مہذبوں) داناؤں اور
۱۵ نادانوں کا قرضدار ہوں ۔ پس میں تم کو بھی جو روم میں ہو خوشخبری سنانے کو
حتی المقدور تیار ہوں ۔

قدیم یونانی خطوط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سلام کے بعد عام طور سے خیریت یا
دعا لکھی جاتی تھی ۔ نمونہ کے طور پر چند مثالیں حسب ذیل ہیں :-

"انتخلیس لیسرینس بھائی ۔ سلام سب سے پہلے میری دعا کہ آپ باخیر رہیں ۔
اور میرے پاس پھر واپس ہوں ۔ ہمیں بہت افسوس ہوا کہ آپ کو جنازہ نہ ملا ۔"

"سلام ۔ میرے مالک اپیون میں فیلکستریس آپ کو سلام کہتا ہوں اور
دعاگو ہوں کہ آپ اور آپ کا گھرانا سلامت اور اقبالمند رہے ۔ نہ فقط ہم بلکہ خود
ہمارے آباؤ اجداد کے دیوتا بھی آپ کو یاد رکھتے ہیں :"

"اپیون لایفیاخس (اپیاخس) میرے والد اور مالک ۔ سلام سب سے
پہلے میں شکر گذار ہوں کہ آپ مع میری بہن اور ان کی بیٹی اور میرے بھائی کے
خیریت سے ہیں اور ہمیشہ اچھی طرح سے رہے ۔ میں اپنے دیوتا سیراپیس کا شکریہ ادا
کرتا ہوں کہ جب میں سمندر کے خطرے میں تھا تو اس نے مجھے بچایا ۔"

"اسیاس لیفیستیون بھائی ۔ سلام ۔ اگر آپ خیریت سے ہیں اور سب کچھ ٹھیک
ٹھیک چل رہا ہے ۔ تو یہ اس لئے ہے کہ میں ہمیشہ دیوتاؤں سے ملتجی ہوں رہیں اور بچہ
اور سب لوگ گھر پر خیریت سے ہیں اور ہمیشہ آپ کو یاد کرتے ہیں ۔"

رسول پولس کے خطوط بھی ان ہی خطوط کے وضع پر ہیں

۸ رسول فرماتے ہیں کہ قبل اس کے کہ میں تمہیں کوئی بات لکھوں میں اپنے سرفراز

کا ہن یسوع مسیح کے وسیلہ سے خدا کا شکر کرتا ہوں کہ تمہاری مسیحیت کا شہرہ ہر جگہ
مسیحیوں میں ہو رہا ہے ۔ یسوع مسیح کے وسیلہ سے اس لیئے کہ وہی ہماری دعاؤں اور
مناجات کو خدا کے حضور میں پیش کرتا ہے ۔ شکر ہے کہ وہ انقلاب جو خداوند
یسوع مسیح کی قیامت کے ساتھ دنیا میں پھیلنے لگا اب روم جیسے عظیم الشان شہر میں
بھی پہونچ گیا ۔ جہاں خداوند اب نہ فقط ابن داؤد بلکہ ابن اللہ تسلیم کیا جاتا ہے
۹ تمہارے ساتھ میری دلچسپی بہت ہی زیادہ رہی ہے اور میں ایک عرصہ سے اس بات
کا آرزومند رہا ہوں کہ کسی طرح تمہاری ملاقات کا شرف حاصل کروں ۔ گو میں
نے تمہیں دیکھا ہے نہ تم نے مجھے تاہم مسیحی یگانگت ہمیں ایک دوسرے کے لئے دعا
۱۰ کرنے پر مجبور کرتی ہے ۔ چنانچہ میں ہمیشہ تمہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھتا ہوں ۔ بلکہ
میں تو خدا سے اس امر کا بھی ملتجی ہوں کہ کسی طرح تم سے ملنے کا مجھے وہ موقع دے ۔
اور اس کا گواہ خود خدا ہی ہے جو ہمیشہ ہماری دعاؤں کو سنتا ہوں ۔ جس کے آگے میں
دورانِ خدمت میں اپنی دعاؤں کو پیش کرتا ہوں اور جس طرح کہ انجیل کی خدمت کے لئے میں
ہر وقت اس سے دعا کرتا رہوں اسی طرح مناسب ہے کہ میں روم میں بشارت دینے کی
آرزو کو بھی اس کے آگے رکھوں ۔ گو قرینہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد میں تمہارے
پاس آنے والا ہوں تاہم صرف خدا ہی بہتر جانتا ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ اس کی مرضی
کیا ہے ۔ مناسب ہے کہ اس کی مرضی کو میں ہر چیز پر ترجیح دوں اسی لئے یہ کہتا ہوں
۱۱ کہ اگر خدا کی مرضی ہوئی تو میں تمہارے پاس بہت جلد آؤں گا ۔ میں تمہاری ملاقات
کا اس لئے بھی مشتاق ہوں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں ایسی روحانی نعمتیں دوں جس
سے تم مسیحی ایمان میں اور بھی مضبوط ہو جاؤ ۔ تمہیں شاید معلوم ہوگا کہ بعض یہودی جو
اپنے آپ کو مسیحی کہتے ہیں میری تعلیم کے کس قدر مخالف ہیں ۔ ان کی نکمی تعلیم مسیحی ایمان
کو خطرہ میں ڈالتی ہے اس لئے میری خواہش یہ ہے کہ کسی طرح تمہیں بھی مسیحی ایمان

۱۲ میں مضبوط کر دوں تاکہ تم ان کی تعلیم سے غلط فہمی میں نہ پڑ جاؤ ۞ کوئی ہرگز یہ نہ خیال کرے کہ میں اپنی بڑائی جتا رہا ہوں۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ ہماری ملاقات سے ہم دونوں کا فائدہ ہوگا کیونکہ نہ تو تم یہودی تعلیم پہ چلتے ہو نہ میں۔ اس لئے ہم دونوں

۱۳ ایک دوسرے سے تسلی پائیں گے اور ہمارے ایمان کی مضبوطی ہوگی ۞ شاید تم میں سے کوئی یہ سوال کرے کہ آخر روم آنے کا میرا ارادہ اس وقت کیوں ہوا؟ واقعہ یہ ہے کہ یہ میرا کوئی نیا ارادہ نہیں بلکہ پرانی تمنا ہے۔ اب تک کسی نہ کسی وجہ سے نہ آ سکا لیکن میری خواہش یہ رہی ہے کہ جیسے اور جگہ غیر یہودیوں میں سے بہتوں کو میں خداوند کے پاس لایا اسی طرح روم میں بھی روحوں کو کماؤں ۞

۱۴ میرے حلقہ خدمت کی کوئی حد نہیں کیونکہ سمجھتا ہوں کہ میں مہذبوں اور غیر مہذبوں۔ داناؤں اور نادانوں کا۔ انجیل کا قرضدار ہوں اور ضرور ہے کہ نہایت ہی ایمانداری سے اس

۱۵ قرض کو ادا کروں ۞ پس میں نے تو مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ تمہیں انجیل سناؤں مگر آگے خدا جانے۔

پولس رسول کی انجیل

۱ : ۱۶ — ۱۵ : ۱۳

ب انجیل کا موضوع ۱ : ۱۶ - ۱۷ ۔ نجات ۔ الٰہی راستبازی ایمان سے حاصل ہوتی ہے ۔

۱۶ کیونکہ میں انجیل سے شرماتا نہیں اس لئے کہ وہ ہر ایک مومن کے واسطے
۱۷ پہلے یہودی پھر یونانی کے واسطے نجات کے لئے خدا کی قدرت ہے ۔ اس واسطے کہ اس میں خدا کی راستبازی ایمان سے ایمان تک ظاہر ہوتی ہے جیسا لکھا ہے ۔ " لیکن صادق ایمان سے زندہ رہیگا "۔

۱ : ۱۶ - ۱۷ میں تمہیں بتاؤں کہ انجیل کیا ہے ؟ انجیل خدا کی نجات کا پیغام ہے ۔ جس سے خدا کی نجات بخش قدرت ہر ایک مومن پر ظاہر ہوتی ہے اور خدا کی یہ نجات بخش قدرت خدا کی راستبازی ہے جو ایمان سے حاصل ہوتی ہے پس کیا یہ اچھا نہیں کہ اس انجیل کی منادی ساری دنیا میں کی جائے تاکہ ساری دنیا نجات پالے ؟ میں تو اس انجیل پر فخر کرتا ہوں کیونکہ یہ دنیا کی نجات کا باعث ہے ۔ خداوند یسوع مسیح نے اسی انجیل کی منادی یہودیوں میں کی اور میں بھی جہاں کہیں جاتا ہوں اس خوشخبری کا پیغام پہلے ان ہی کو سناتا ہوں ۔ لیکن یہ صرف یہودیوں کے لئے نہیں بلکہ سارے جہان کے لئے ہے کیونکہ انجیل کا یہ پیغام خدا کا پیغام ہے جو واحد ہے ۔ کیا خدا صرف یہودیوں ہی کا خدا ہے ۔ کیا وہ غیر یہودیوں کا خدا نہیں ؟ ضرور ہے کہ یہ پیغام سبھوں تک پہونچایا جائے ۔

اور یہودی اور غیر یہودی کی تفریق نہ کی جائے۔ تم یہ دریافت کروگے کہ انجیل کا پیغام کیا ہے۔ انجیل کا پیغام یہ ہے کہ خداوند مسیح کے وسیلہ الہٰی راستبازی ظاہر ہوئی۔ اور یہ الہٰی راستبازی انسانی نسبت سے عین خدا کی ذات کا اظہار ہے یہ اسکی پدرانہ شفقت کا اظہار ہے۔ یہ اس کے عدل و انصاف کا اظہار ہے۔ یہ راستبازی انسان کو بھی راستباز بنانے پر قادر ہے۔ کیونکہ جس انسان پر اس کا اظہار ہوتا ہے اور جسکی زندگی میں یہ کام کرنے لگتی ہے وہ انسان بھی خدا کی شکل پر ڈھلنے لگتا ہے۔ لیکن اس کا اظہار اسی انسان پر ہوتا ہے اور اسی کی زندگی میں یہ کام کرتی ہے جو خداوند یسوع مسیح پر ایمان رکھتا ہے۔ اس ایمان کی بوجھگی سے الہٰی راستبازی کی آمد شروع ہوجاتی ہے۔ کیونکہ انسان پر خدا کی حقیقت کا اظہار ہوجاتا ہے اور وہ اپنی حالت سے بھی واقف ہوجاتا ہے۔ اس ایمان سے انسان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور اپنی بیچارگی اور گنہگاری کی حالت اس پر عیاں ہوجاتی ہے۔ بغیر اس ایمان کے انسان اپنی روحانی حالت سے واقف نہیں ہوتا۔ یہ ایمان انسان پر واضح کردیتا ہے کہ تو محض ایک خالی پیالہ ہے جس میں نہ تو کوئی حسن ہے نہ خوبی۔ نہ کوئی نیکی ہے نہ پاکیزگی۔ اور جو الہٰی راستبازی سے بالکل خالی ہے۔ ایسا انسان خدا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہے اور اسے ہر طرح کی نیکی۔ خوبی اور پاکیزگی کا سمندر پاتا ہے۔ اس پر وہ حسرت کے ساتھ خدا کی طرف دیکھتا ہے کہ خدا میرے پیالہ کو اپنی راستبازی سے پر کردے اور خدا اپنے بڑے فضل سے اس کی زندگی کے خالی پیالہ کو اپنی راستبازی سے بھرنا شروع کردیتا ہے۔ اور اس طرح انسان خدا کی راستبازی سے خود بھی راستباز بن جاتا ہے اور خدا کی راستبازی انسان کی زندگی میں یہ ہے کہ وہ خدا کی شکل وصورت پر ڈھلتا جاتا ہے۔ خدا کی شکل و

صورت پر ڈھلنا کوئی ایک دن کا کام نہیں بلکہ ایک ابدی امکان ہے۔ اور جس طرح انسان کی بیچارگی کی حالت اس کا ایمان ہے اسی طرح خداوند مسیح کی پاکیزگی اور بے گناہی کی حالت مسیح کا ایمان ہے۔ انسان کا ایمان انسان کے ضعف اور نااہلیت کا اظہار ہے لیکن مسیح کا ایمان اس کی قدرت اور کاملیت کا اظہار ہے اور ایک انسان جس کی زندگی میں خدا کی راستبازی آنے لگتی ہے وہ بیچارہ اور نااہل باقی نہیں رہتا بلکہ وہ پاکیزگی اور کاملیت میں قدم مارنے لگتا ہے اور اس طرح اس کی زندگی انسانی ایمان سے شروع کر کے جو محض رائی کے دانے کی مانند ناچیز ہے مسیح کے ایمان میں ترقی کرنے لگتی ہے۔ یعنی آہستہ آہستہ وہ انسان مسیح جیسا بننے لگتا ہے اور وہی جو پہلے قیدی تھا اب پہرہ دار بن جاتا ہے جو خدا سے بے بہرہ تھا خدا کا وفادار ہو جاتا ہے اور اس طرح خدا اور اس کے سارے وعدوں کا وفادار رہ کر شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث بن جاتا ہے جیسا کہ حبقوق نبی نے بھی کہا ہے کہ "صادق اپنی وفاداری (یا ایمان) سے زندہ رہیگا" ۲:۴۔

بابِ اوّل

گناہ

۱:۱۸-۳:۲۰

رسول کے زمانہ میں عام طور سے یہودیوں کا یہ خیال تھا کہ جب یہودیوں کی بحالی ہوگی بدکاروں کا ایک خوفناک انصاف بھی ہوگا۔ بعض ان بدکاروں میں

غیر یہودی مراد لیتے تھے جنھیں وہ یہودیوں کا دشمن بھی سمجھتے تھے لیکن بعض گنہگار یہودیوں کو بھی ان بدکاروں میں شامل کرتے تھے۔ کیونکہ گو ان کے پاس شریعت تھی تو بھی وہ شریعت پر عامل نہ تھے اور بعض یہ خیال کرتے تھے کہ نجات یافتہ یہودیوں کی تعداد نا قابل شمار ہے کیونکہ شریعت پر عمل کرنے والے اور خدا کے وفادار بندے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ اور بعض یہ کہتے تھے کہ آبا کی راستبازی اور وفاداری بنی اسرائیل کی کمیوں کو پورا کر دے گی۔ لیکن عام خیال یہ تھا کہ برگزیدہ قوم میں سے کچھ نہ کچھ خدا کے غضب سے ضرور ہی بچ نکلیں گے اور "آئندہ زمانہ" میں خدائی برکتوں کے حقدار ہوں گے۔

رسول پولوس نے اپنی تعلیم میں یہ دکھایا ہے کہ وہ "آئندہ زمانہ" شروع ہو چکا ہے اور بہتیری نشانیاں یہ ظاہر کر رہی ہیں کہ خدا کا غضب بھی نازل ہو رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیر یہودی اقوام گناہ میں ڈوبی ہوئی ہیں اور اس کی سزا پا رہی ہیں اور یہودیوں کا بھی ایسا ہی حال معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی شریعت پر عمل نہیں کرتے۔ اور دنیا میں ایک بھی راستباز نظر نہیں آتا۔ لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بعض یہودی ایسے ہیں جو شریعت پر عمل کرتے ہوئے راستباز ٹھہریں گے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ غیر یہودیوں میں سے بھی بعض ایسے ہیں جو ضمیر کی شریعت پر عمل کرتے ہیں اور یقینی وہ بھی راستباز ٹھہرائے جائیں گے۔ لہذا ایک نیک غیر یہودی ایک بدیہودی سے بہتر ہے۔

یہاں ہرگز انسان کی طبیعت کی کلی بگاڑ کی تعلیم نہیں پائی جاتی جیسا کہ بعد کے مصلحین کا خیال تھا بلکہ رسول کا مقصد صرف یہ ہے کہ محض یہودی کہلانے سے انسان خدا کی نجات اور برکتوں کا وارث نہیں بن جاتا۔ کیونکہ اخلاقی تعلیم سب کے لئے یکساں ہے نیکی اور بدی۔ یہودی اور غیر یہودی دونوں کے لئے ایک سی ہے۔ شریعت گو نیکی اور بدی کا علم بخشتی ہے تاہم نیکی کو اس قدر اعلیٰ اور بہتر بتاتی ہے کہ انسان اسے حاصل

کرنے سے قاصر ہے۔ پس اگر نجات اعمال سے حاصل ہوتی تو یقینی یہ شریعت کی نیکی کے
حصول کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتی تھی۔ اور اگر یہ سچ ہے تو پھر انسان کے لئے کوئی
امید نہیں۔ کیونکہ شرعی نیکی کا حصول ایک امر محال ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض
یہودی اور بعض غیر یہودی کچھ نیکی حاصل کرتے ہیں لیکن اس تھوڑی سی نیکی سے
کیا ہو سکتا ہے۔ اس لئے واضح ہو کہ خدا کی برکتیں شرعی نیکی کے حصول کی دلیل نہیں
مگر نیکی کے حصول کا وسیلہ بن سکتی ہیں۔

ب غیر یہودیوں کا گناہ اور اس کا نتیجہ ۱: ۱۸-۳۲

۱۸ کیونکہ خدا کا غضب ان آدمیوں کی تمام بے دینی اور ناراستی پر آسمان سے
۱۹ ظاہر ہوتا ہے جو حق کو ناراستی سے دبائے رکھتے ہیں ۞ کیونکہ جو کچھ خدا کی نسبت معلوم ہو
سکتا ہے وہ ان کے باطن میں ظاہر ہے۔ اس لئے کہ خدا نے اس کو ان پر ظاہر
۲۰ کر دیا ہے ۞ کیونکہ اس کی ان دیکھی صفتیں یعنی اس کی ازلی قدرت اور الوہیت
دنیا کی پیدائش کے وقت سے بنائی ہوئی چیزوں کے ذریعے سے معلوم ہو کر
۲۱ صاف نظر آتی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کو کچھ عذر باقی نہیں ۞ اس لئے کہ اگرچہ
انہوں نے خدا کو جان تو لیا مگر اس کی خدائی کے لائق اس کی تمجید اور شکر
گزاری نہ کی بلکہ باطل خیالات میں پڑ گئے اور ان کے بے سمجھ دلوں پر اندھیرا
۲۲ ۲۳ چھا گیا ۞ وہ اپنے آپ کو دانا جتا کر بے وقوف بن گئے ۞ اور غیر فانی خدا کے
جلال کو فانی انسان اور پرندوں اور چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کی صورت
۲۴ میں بدل ڈالا ۞ اس واسطے خدا نے ان کے دلوں کی خواہشوں کے مطابق انہیں
۲۵ ناپاکی میں چھوڑ دیا۔ کہ ان کے بدن آپس میں بے حرمت کئے جائیں ۞ اس لئے
کہ انہوں نے خدا کی سچائی کو بدل کر جھوٹ بنا ڈالا اور مخلوقات کی زیادہ پرستش
۲۶ اور عبادت کی بہ نسبت اس خالق کے جو ابد تک محمود ہے۔ آمین ۞ اسی سبب سے

خدا انسان کو گندی شہوتوں میں چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے اپنے طبعی
۲۷ کام کو خلاف طبع کام سے بدل ڈالا ہ اسی طرح مرد بھی عورتوں سے طبعی کام
چھوڑ کر آپس کی شہوت سے مست ہو گئے۔ یعنی مردوں نے مردوں کے ساتھ
۲۸ روسیاہی کے کام کرکے اپنے آپ میں اپنی گمراہی کے لائق بدلہ پایا ہ اور جس
طرح انھوں نے خدا کو پہچاننا ناپسند کیا اسی طرح خدا نے بھی ان کو ناپسندیدہ
۲۹ عقل کے حوالہ کر دیا کہ نالائق حرکتیں کریں ہ پس وہ ہر طرح کی ناراستی
بدی لالچ اور بدخواہی سے بھر گئے۔ اور حسد خونریزی جھگڑے مکاری
۳۰ اور بغض سے معمور ہو گئے۔ اور غیبت کرنے والے ہ بدگو۔ خدا کی نظر میں نفرتی
[یا خدا سے نفرت کرنے والے] اوروں کو بے عزت کرنے والے مغرور۔ شیخی باز
۳۱ بدیوں کے بانی والدین کے نافرمان ہ بے وقوف عہد شکن طبعی محبت سے خالی
۳۲ اور بے رحم ہو گئے ہ حالانکہ وہ خدا کا یہ حکم جانتے ہیں کہ ایسے کام کرنے والے
موت کی سزا کے لائق ہیں۔ پھر بھی نہ فقط آپ ہی ایسے کام کرتے ہیں بلکہ اور
کرنے والوں سے بھی خوش ہوتے ہیں ہ

انسان کی بے دینی کے تین مدارج :-

(۱) کائنات کے مطالعہ سے کچھ الہٰی عرفان حاصل ہو سکتا تھا لیکن انسان نے
اس پر پردہ ڈال دیا۔ ۱۸ - ۲۰

(۲) انسان نے دنیاوی فلسفہ کی خوب چھان بین تو کی لیکن الہٰی عرفان کی پرواہ نہ
کی اور باطل خیالات میں پڑ گیا۔ جس کا نتیجہ بت پرستی ہوا ۔ ۲۱ - ۲۳

(۳) بت پرستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی زندگی گندی اور ناپاک ہو گئی اور اخلاق کا
سیلاب جاتا رہا ۲۴ - ۳۲

۱۸ انسان کو راستباز کرنے والی الہٰی راستبازی کا ایک خوفناک پہلو بھی ہے۔ یعنی

یہی راستبازی گنہگار انسان کے لئے خدا کا غضب ہے۔ انسانی نسبت سے خدا کی راستبازی کے دو رخ ہیں۔ ایک محبت اور دوسرے غضب۔ الہٰی ! راستبازی مومنوں کے لئے تو محبت ہے لیکن بے ایمانوں کے لئے غضب۔ مومنوں کے لئے تو یہ باعثِ نجات ہے اور ہمیشہ کی زندگی بخشتی ہے مگر بے ایمانوں کے لئے ہلاکت پیدا کرنیوالا غضب ہے۔ کیا انجیل مردہ دنیا کے لئے امید نہیں پیدا کرتی ؟ خدا کا غضب سارے بنی آدم پر منڈلا رہا ہے کیونکہ ان کے گناہ بے حد ہیں۔ وہ حق کا خون کرتے ہیں کیونکہ اول تو وہ ضمیر کی آواز کو دبا کر اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ دوم خدا کا علم جو مخلوقات اور ماحول سے معلوم ہونا چاہیئے تھا اس سے بھی منہ موڑتے ہیں۔ اور سوم انجیل کی مخالفت

۱۹ کرتے ہیں ۔ بے شک غیر یہودیوں کو شریعت کی روشنی نہیں ملی لیکن خدا نے ان کی تلقین کے لئے اور طرح کے سامان مہیا کر رکھے ہیں۔ اول ضمیر جو ان کی ہدایت کرتی

۲۰ ہے لیکن وہ اس کی آواز کو سننا پسند نہیں کرتے۔ (اَم ۲۰ : ۲۷) دوم کائنات یا فطرت جو خود خدا کی ایک کھلی کتاب ہے جس سے انسان خدا کی نسبت بہت کچھ معلوم کر سکتا ہے۔ کیا دنیا کا یہ سارا کارخانہ اور انتظام محض ایک اتفاقی امر ہے ؟ کیا یہ ظاہر نہیں کہ اس انتظام کے پیچھے ایک بڑے دماغ والی شخصیت ہے جو سارے

۲۱ کارخانہ کو چلا رہی ہے ؟ پس ان کے پاس کیا عذر ہے ؟ کچھ بھی نہیں ۔ حقیقت یہ نہیں کہ وہ خدا سے قطعی ناواقف ہیں۔ بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ وہ خدا کے وجود کے قائل ہوتے ہوئے بھی واجب طور سے اس کی پرستش نہیں کرتے۔ کیونکہ خدا کی ہدایت کے وسیلہ سے منہ موڑ کر اپنے بیہودہ فلسفہ میں پڑ گئے۔ جو بجائے اس کے کہ خدا کا صحیح تصور دے انہیں جہالت میں ڈال دیتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ نیک و بد میں تمیز کرنے سے قاصر ہیں اور ہر طرح کی برائی کے شکار ہو رہے ہیں ۔ لطف تو یہ ہے کہ جسے انہوں نے علم کا خزینہ سمجھا تھا وہی ان کے لئے جہالت پیدا کر رہا ہے۔ اور وہ جو دانائی کے دعویدار ہیں وہ اہل

۲۳ حماقت کے ٹھیکیدار ہیں۔ کیونکہ بجائے خدا کے انھوں نے اپنے لئے فرضی معبود انسان
اور حیوان - چرند اور پرند وغیرہ کی صورتوں پر وضع کر رکھے ہیں۔ کیا خدا کی عالیشان قدرت
۲۴ تا ۲۷ کو نظر انداز کر کے ایسے ضعیف اور کمزور حیوانات کی پرستش حماقت نہیں؟ وہ آخر کار
جب انھوں نے خدا کا انکار کیا اور بت پرستی اور باطل پرستی میں پڑ گئے۔ تو خدا نے بھی انھیں
۲۸ تا ۳۱ اپنی مرضی پر چھوڑ دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شہوانی گناہوں کے شکار ہو گئے وہ اور جبکہ وہ باطل
۳۲ فلسفہ میں پڑ گئے اور خدا کی بابت علم حاصل کرنا نہ چاہا تو خدا نے بھی انھیں اپنے حال پر
چھوڑ دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہر طرح کی بداخلاقیوں اور برائیوں کا شکار ہو گئے۔
یہ حال ہے غیر یہودیوں کا جو رومی اور یونانی تہذیبوں کے پرستار ہیں۔ ان کی اخلاقی
حالت نہایت ہی ناگفتہ بہ ہے۔ وہ گناہ سے لیسے پڑے ہیں اور خدا کا غضب
ان پر منڈلا رہا ہے۔ اور ان میں ہلاکت پیدا کر رہا ہے۔

واضح ہو کہ رسول نے مذکورہ بالا بیان میں غیر یہودیوں کی بداخلاقی اور بت
پرستی کی وجوہات کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ محض مذہبی معلم ہونے کی حیثیت
سے ان کی برائیوں پر ایک نظر ڈالی اور ان سے اپنی نفرت کا اظہار کیا ہے۔ ان کی برائیاں
ایسی تھیں جن سے ہر ایک یہودی کو نفرت تھی۔ رسول نے یہاں پر انکی نفسانیت کا ذکر کرتے
ہوئے یہ دکھایا ہے کہ غیر یہودیوں کی حالت جانوروں سے بہتر نہیں۔ کیونکہ وہ انسانیت
کو چھوڑ کر حیوانیت کے درجہ پر اتر چکے ہیں۔ گنہگار تو یہودی بھی ہیں لیکن وہ ابتک
اس انتہائی ذلت تک نہیں پہونچے ہیں اور انہیں شریعت بھی اس لئے دی گئی تھی کہ ہلاکت
سے رکے رہیں۔ ان کا مرض ابتک لاعلاج نہیں ہوا۔ لیکن غیر یہودیوں کا مرض مہلک اور
لاعلاج ہو چکا ہے۔ اسی لئے وہ چھوڑ دیئے گئے اور انہیں کوئی شریعت نہ دی گئی۔ غیر
یہودیوں کی ایسی حالت کے باوجود بھی رسول نے ان کی خوبیوں کو نظر انداز نہیں کیا اور تسلیم
کیا کہ ان کی ضمیر کے اندر ابتک خدا کی روشنی موجود ہے جو انہیں حق کی رہنمائی کرتی ہے۔

ب ۲ یہودیوں کا گناہ اور اس کا نتیجہ ۲: ۱ - ۳: ۲۰

اب تک تو رسول نے محض غیر یہودیوں کے گناہ اور برائیوں کا ذکر کیا لیکن معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا وہ اکثر اپنی تقریر میں "راستبازی اور پرہیزگاری اور آئندہ عدالت کا" ذکر کیا کرتے تھے۔ اعمال ۲۴: ۲۵۔ اس قسم کا وعظ دوران سفر میں انہوں نے بہت جگہ دیا ہوگا۔ اور یہودی سامعین غیر یہودیوں کی برائیوں کا ذکر تک تو نہایت ہی خاموش اور دلچسپی سے سنتے ہونگے اور رسول کو شاباشی دیتے ہوں گے۔ جیسا کہ انھوں نے عاموس نبی کے ساتھ بھی کیا تھا۔ "خداوند یوں فرماتا ہے کہ دمشق" غزہ۔ صور۔ ادوم بنی عمون۔ موآب" کے گناہوں کے سبب سے میں "انھیں" بے سزا نہ چھوڑوں گا" عا ۱: ۳۔ لیکن اب یہودیوں کی باری آئی اور ضرور ہے کہ رسول عاموس نبی کی طرح یہ بھی کہیں کہ "یہوداہ کے۔۔۔ گناہوں کے سبب سے میں اس کو بے سزا نہ چھوڑوں گا۔ کیونکہ انھوں نے خداوند کی شریعت کو رد کیا اور اس کے احکام کی پیروی نہ کی" عا ۲: ۴ "اے بنی اسرائیل! ۔۔۔ دنیا کے سب گھرانوں میں سے میں نے صرف تم کو برگزیدہ کیا ہے۔ اس لئے میں تم کو تمہاری ساری بدکرداری کی سزا دونگا" عا ۳: ۱-۲۔ کیونکہ جہاں خدا سے برکتیں ملیں وہاں ذمہ داری اور بھی زیادہ عائد ہوئی۔ اس لئے یہودی اگر غیر یہودی کی طرح برے ہوں تو وہ اور بھی زیادہ سزا کے لائق ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ کیا یہودی اور کیا غیر یہودی سب یکساں گنہگار ہیں۔ رومی ۳: ۲۲-۲۳ اس حصہ سے خط کے مضمون کی شکل بحثی ہو جاتی ہے جس میں کہ ایک خیالی یہودی رسول کے ساتھ سوال و جواب کر رہا ہے اور اس حصہ کا مضمون بالآخر اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ جیسے غیر یہودی نجات کے حقدار نہیں ویسے ہی یہودی بھی اس کے قابل نہیں اور دونوں یکساں غضب کے لائق ہیں۔ اس کے بعد ہی ۳: ۲۳-۳۰ میں رسول کی انجیل کا پیغام آجاتا ہے۔

ب ۳ - یہودیوں اور غیر یہودیوں دونوں کی یکساں گنہگاری کی

حالت ۲ : ۱ - ۱۶

پس اے الزام لگانے والے! تو کوئی کیوں نہ ہو تیرے پاس کوئی عذر نہیں کیونکہ جس بات کا تو دوسرے پر الزام لگاتا ہے اسی کا تو اپنے آپ کو مجرم ٹھہراتا ہے اس لئے کہ تو جو الزام لگاتا ہے خود وہی کام کرتا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ ایسے کام کرنے والوں کی عدالت خدا کی طرف سے حق کے مطابق ہوتی ہے۔ اے انسان! تو جو ایسے کام کرنے والوں پر الزام لگاتا ہے اور خود وہی کام کرتا ہے کیا یہ سمجھتا ہے کہ تو خدا کی عدالت سے بچ جائیگا؟ یا تو اس کی مہربانی اور تحمل اور صبر کی دولت کو ناچیز جانتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ خدا کی مہربانی تجھ کو توبہ کی طرف مائل کرتی ہے؟ بلکہ تو اپنی سختی اور غیر تائب دل کے مطابق اس غضب کے دن کے لئے اپنے واسطے غضب کما رہا ہے جس میں خدا کی سچی عدالت ظاہر ہوگی۔ وہ ہر ایک کو اس کے کاموں کے موافق بدلہ دیگا۔ جو نیکوکاری میں ثابت قدم رہ کر جلال اور عزت اور بقا کے طالب ہوتے ہیں ان کو ہمیشہ کی زندگی۔ مگر جو تفرقہ انداز اور حق کے نہ ماننے والے بلکہ ناراستی کے ماننے والے ہیں ان پر غضب اور قہر۔ اور مصیبت اور تنگی ہر ایک بدکار کی جان پر آئیگی۔ پہلے یہودی کی۔ پھر یونانی کی۔ مگر جلال اور عزت اور شانتی (یا سلامتی) ہر ایک نیکوکار کو ملیگی پہلے یہودی کو پھر یونانی کو۔ کیونکہ خدا کے ہاں کوئی رو رعایت نہیں۔ اس لئے کہ جنھوں نے بغیر شریعت پائے گناہ کیا وہ بغیر شریعت کے ہلاک بھی ہوں گے اور جنھوں نے شریعت کے ماتحت ہو کر گناہ کیا ان کی سزا شریعت کے موافق ہوگی۔ کیونکہ شریعت کے سننے والے خدا کے نزدیک راستباز نہیں ہوتے بلکہ شریعت پر عمل کرنے والے راستباز ٹھہرائے جائیں گے۔ اس لئے کہ جب وہ قومیں جو شریعت نہیں رکھتیں اپنی طبیعت سے شریعت کے کام کرتی ہیں تو باوجود شریعت نہ رکھنے کے وہ اپنے لئے خود ایک شریعت ہیں۔

۱۵ چنانچہ وہ شریعت کی باتیں اپنے دلوں پر لکھی ہوئی دکھاتی ہیں اور ان کی ضمیر بھی ان
باتوں کی گواہی دیتی ہے اور ان کے باہمی خیالات یا تو ان پر الزام لگاتے ہیں یا انکو
معذور رکھتے ہیں ۔ ۱۶ جس روز خدا میری انجیل کے مطابق یسوع مسیح کی معرفت
آدمیوں کی پوشیدہ باتوں کا انصاف کریگا ۔

یہودی جو اوروں کو ملزم ٹھہراتے ہیں ۔ خود بھی الزام سے بری نہیں اور جو فتویٰ
وہ دوسروں پر لگاتے ہیں اسی کے خود بھی سزاوار ہیں ۔ خدا کا انصاف ہر ایک کے لئے
یکساں ہے ۔ اور چونکہ یہودی برکتوں کے وارث ہیں اسی لئے سزا کے وارث بھی پہلے
وہی ہوں گے اور مسیح کی عدالت میں یہودیوں کا انصاف تو شریعت سے ہوگا مگر غیر
یہودیوں کا انصاف ان کی اپنی ضمیر کے مطابق ہوگا ۔

۱ سب یہودی یہی کہیں گے کہ بیشک غیر یہودیوں کا ایسا ہی حال ہے جیسا کہ اوپر بیان
ہو چکا ہے (دیکھو ۱: ۱۸-۳۲) اور وہ سب سزا کے لائق ہیں اور خدا کے غضب کے
مستحق ہیں ۔ لیکن اے الزام لگانے والے چاہے تو یہودی ہو یا کوئی اور تو بھی اسی سزا کا
حقدار ہے اور تیرا فتویٰ خود تجھی پر عائد ہوتا ہے ۔ کیونکہ جس بات کا تو دوسروں پر الزام
لگاتا ہے تو خود بھی اسی کا مرتکب ہے ۔ شاید یہودی یہ سمجھتے ہوں گے کہ خدا کی برگزیدہ قوم
اور وارث ہونے کی وجہ سے ہمارا انصاف ہلکا ہوگا ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا انصاف
اور بھی سخت ہوگا کیونکہ انہیں ہونا تو امتیاز چاہیئے تھا لیکن وہ ہیں گنہگار ۔ یہودی غیر
یہودیوں کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ حق کا علم رکھتے ہوئے بھی حق کی پیروی نہیں کرتے اس لئے
مجرم ہیں اور اگر ایسے لوگ مجرم ہیں تو کیا وہ جو موسوی شریعت کے وسیلہ حق کا علم رکھتے ہوئے
حق کی پیروی نہیں کرتے وہ مجرم نہ ٹھہرائے جائیں گے ؟ یا ایسے جن پر حق کے علم کا انکشاف
ہوا ہو اور وہ اس کی پیروی نہ کریں تو کیا وہ مجرم نہیں ؟ یقیناً وہ بھی یکساں مجرم ہیں ۔
بلکہ زیادہ کیونکہ حق کے علم کے دعویدار ہوتے ہوئے بھی حق کی پیروی نہیں کرتے ۔

۲ دوسری آیت میں "ہم" کون ہیں ؟ یہودی یا مسیحی ؟ اگر اس آیت کا تعلق پہلی آیت سے سمجھا جائے تو متکلم یہودی ہے اور اگر تیسری سے تو متکلم رسول پولس ہیں ۔ ڈاکٹر سی ۔ اے ۔ ایچ ۔ ڈاڈ "ہم" سے مراد یہودی لیتے ہیں ۔ اگر یہ صحیح ہے تو مفہوم یہ ہوا کہ غیر یہودی قومیں تو سچ مچ ایسی ہی گندی ہیں جیسا کہ ذکر ہوا ہے اور ان کی عدالت خدا یقینی کریگا ۔ اور ان کے کئے کا انہیں بدلہ دیگا ۔ وہ ہرگز اس سے بچ نہیں سکتے اور ان پر الزام لگانا درست ہے ۔ لیکن اگر متکلم پولس رسول ہیں جیسا کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے تو مفہوم یہ ہوا کہ ہم مسیحی جانتے ہیں کہ خدا انسان کی زندگی کو دیکھتا ہے نہ کہ اس کی پیدائش اور قومیت کو ۔ کیونکہ اس کا انصاف حق کے مطابق ہوتا ہے ۔ جو یہودی اور غیر یہودی دونوں کے لئے یکساں ہے ۔ اور اگر اس کا انصاف حق کے مطابق ہے تو پھر کون بچ سکتا

۳ ہے ۔ مت ۱۹ : ۲۳ - ۲۶ دیکھ ۔ اچھا تو اے الزام لگانے والے یہودی کیا تو دوسروں کو مجرم ٹھہرا کر خود بری ہو سکتا ہے جبکہ تو خود بھی ان ہی گناہوں کا مرتکب ہے جنکا تو دوسروں پر الزام لگاتا ہے ؟ ہرگز نہیں دیکھ اور اگر تو خدا کی مہربانی تحمل اور

۴ صبر کی دولت کے سلوک پر پھول کر یہ سمجھتا ہے کہ خدا مجھے غارت نہیں کریگا تو غلطی پر ہے ۔ بلکہ کہہ کہ "تو اے خدا مہربان اور سچا بڑے صبر والا اور رحمت سے سب چیزوں کا انتظام کرنے والا ہے ۔ اگر ہم گناہ کریں تو ہم تیرے ہاتھ میں ہیں اور تیری قدرت کو جانتے ہیں لیکن ہم گناہ پسند نہیں کرتے ۔ یہ جان کر کہ ہم تیرے خاص بندوں میں سے ہیں" حکمت ۱۵ : ۱ - ۲ ۔ لیکن اس کے بجائے بہتیرے یہودی بہت فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ "تو تو ہماری تادیب کرتا ہے اور ہمارے دشمنوں کو بہت کوڑے مارتا ہے" ۔ حکمت ۱۲ : ۲۲ - ایسا خیال کرنا خدا کی مہربانی اور تحمل اور صبر کی دولت کو حقیر جاننا ہے ۔ یاد رکھ کہ خدا کا نرم برتاؤ تیرے ساتھ اس لئے ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ تو توبہ کر کے ہلاکت سے بچ جائے ۔ اس امر کو بھول نہ جا اور کہہ کہ تو ہماری تادیب

کرتا ہے اور ہمارے دشمنوں کو بہت کوڑے مارتا ہے تاکہ جب ہم فتویٰ دیں تو تیری حلیمی کو یاد رکھیں اور جب ہم پر فتویٰ دیا جائے تو ہم تیرے رحم کی انتظاری کریں"۔

حکمت ۱۲ : ۲۲ خدا فقط چشم پوشی کرتا ہے تاکہ تو توبہ کرے۔ حکمت ۱۱: ۲۴ کیونکہ خدا باپ کی طرح گنہگاروں اور بدکاروں پر بھی مہربان ہے اور وہ اپنے گڈریے

۵ کی طرح اپنی کھوئی ہوئی بھیڑ کو دوبارہ حاصل کرنے کا کوشاں رہتا ہے۔ لیکن اگر تو نہیں سمجھتا اور اپنے دل کی سختی پر قائم ہے اور مطیع نہ ہو تو یاد رکھ کہ تو اس قہر کے دن کے لئے غضب کما رہا ہے۔ خدا ایک راستباز منصف کی طرح ظاہر ہوگا۔ اگر تو توبہ نہ کرے اور رجوع نہ لائے تو یہ تیری سختی اور غیر تائب دل کا لازمی نتیجہ ہوگا۔

۶ اُس وقت خدا ہر ایک کا انصاف اس کی زندگی کے مطابق کرے گا اور ہر ایک

۷ کو اس کی نیکی یا بدی کی جزا یا سزا دی جائیگی۔ جو کہ نیک زندگی کے ساتھ ثابت قدمی سے خدا کی بادشاہت کے اُس جلال اور عزت اور بقا کے طالب ہیں جو ابدی ہے انہیں خدا ہمیشہ کی زندگی بخشیگا تاکہ وہ عزت اور جلال اور بقا حاصل کریں۔

۸ لیکن وہ جو باغی ہیں اور راستی کے بجائے ناراستی کے جویاں ہیں ان کے لئے خدا

۹ کا غضب اور قہر ہوگا۔ اور بدکاروں کی جان کے لئے مصیبت اور تنگی ہے چاہے

۱۰ وہ یہودی ہوں یا غیر یہودی۔ اسی طرح وہ جلال وعظمت جو خدا کی حضوری میں انسان کو حاصل ہوتی ہے اور وہ عزت جو خدا کی مقبولیت سے ملتی ہے اور وہ تمام سلامتی اور اطمینان بھی جو خدا کے ساتھ میل ہونے سے حاصل ہوتا ہے ہر ایک نیکوکار کا حصہ ہے۔ چاہے وہ یہودی ہو یا غیر یہودی۔ اگر یہودی اور غیر یہودی کا سزا و جزا کے معاملہ میں کچھ فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ اس کی ابتدا یہودیوں ہی

۱۱ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا نہ کسی کے خاندان کو دیکھتا ہے نہ قومیت کو۔ نہ کسی کے ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ نہ کسی کی صورت دیکھ کر انصاف کرتا ہے۔ بلکہ وہ انسان

کی باطنی زندگی کو دیکھتا ہے کیونکہ وہ دلوں اور گردوں کا جانچنے والا ہے اور کسی کی رو
۱۲ رعایت نہیں کرتا۔ اعمال ۱۰: ۳۴ ... یہ نہ سمجھو کہ یہودی لوگ اس محض شریعت کا ہونا ہی
اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدا کے غضب سے بچ جائیں گے۔ بلکہ خدا ان کا انصاف
اسی شریعت کے مطابق کرے گا جسے انہوں نے خوشی سے قبول کیا اور جس پر وہ فخر
بھی کرتے ہیں۔ مگر غیر یہودی جن کے پاس موسوی شریعت نہیں بلکہ محض علم اور ضمیر
کی شریعت ہے ان کا انصاف ان کے علم اور ضمیر ہی کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ خدا
۱۳ جسے جتنا دیتا ہے اتنا ہی اس سے مطالبہ کرتا ہے۔ شریعت رکھنے کے لئے نہیں دی
گئی ہے بلکہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق بنانے کے لئے دی گئی ہے۔ اس لئے سبت
کے روز عبادتخانوں میں محض سن لینے یا پڑھ لینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس
پر عمل کرنے سے فائدہ ہے۔ اس لئے شریعت پر عمل کرنے والوں کے لئے راستباز ٹھہرائے
جانے کی امید ہے کیونکہ راستبازی کا چشمہ شریعت نہیں بلکہ خدا ہے جو راستباز ٹھہراتا
ہے اور انسان کی راستبازی یہ ہے کہ وہ اپنی راستبازی کو خدا کے حوالے کر کے
اور اس کے حضور تابعدار بن کر رہے۔ جہاں ایسے ایمان کا ظہور ہے خدا زندہ مسیح وہیں
موجود ہے۔ اور جہاں ایسا عمل ہے مسیح وہاں شریعت کی نہایت ہے ۱۰: ۴۔ ربیوں
میں بھی اکثر یہ بحث ہوا کرتی تھی کہ شریعت کو سننا زیادہ ضروری ہے یا عمل کرنا۔
الیعزر جیسے بعض ربی تو سننے کو بہت بڑی اچھی چیز سمجھتے تھے لیکن عام طور سے ربیوں (علما)
کا خیال تھا کہ انسان کو ہمیشہ کی زندگی کی طرف تعلیم نہیں لے جاتی بلکہ عمل لے جاتا ہے
یہ دونوں اور غیر یہودیوں دونوں کے انصاف کا ایک [illegible] ہی اصول ہے۔ دونوں میں
بدکار ایک ہی طرح سے مجرم ٹھہرائے جائیں گے اور نیکوکار ایک ہی طرح سے راستباز
ٹھہرائے جائیں گے۔ غیر یہودی جو یہ شریعت سے ناواقف ہیں۔ جو موسوی شریعت تو
نہیں رکھتے پھر بھی ان کی اخلاقی زندگی شریعت کے مطابق ہے۔ کیونکہ بغیر شریعت

۱۵ کے بھی ان میں نیکی اور بدی کو پہچاننے کی تمیز ہے۔ چنانچہ ان کے خیال اس بات
کے گواہ ہیں کہ ان کی شریعت پتھر کی تختیوں پر نہیں بلکہ ان کے دلوں پر نقش ہے۔ نہ فقط
ان کے اقوال بلکہ ان کے اعمال کی رہنمائی کرنے والی ان کی ضمیر بھی گواہ ہے۔ اور بعد
میں بھی جبکہ وہ اپنے معاملات کو تولتے ہیں تو یا وہ اپنے آپ کو مجرم ٹھہراتے ہیں یا بے گناہ۔

چودھویں اور پندرھویں آیات میں رسول یونان کے اخلاقی معلموں کی تعلیم سے متفق
ہیں۔ پیوطارک نے پوچھا کہ "حاکم کا حاکم کون ہے؟" اور خود ہی جواب دیا کہ "فانیوں اور
غیر فانیوں کا سلطان قانون (شریعت) جو نہ طومار دل پر لکھا ہے نہ کاٹھ کی تختیوں پر بلکہ
حاکم کے دل پر۔ اور یہ اس کی اپنی ضمیر ہے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے اور اس کی حفاظت
کرتی ہے اور اس کے دل کو کبھی بے پیشوا نہیں چھوڑتی"۔ اسی طرح ارسطو نے کہا کہ "تعلیم
یافتہ اور آزاد طبع انسان اپنے لئے آپ ہی قانون بن کر کام کرتا ہے"۔ سطوائیوں کی تعلیم
تھی کہ ہر ایک انسان میں ایک فطری قانون ہے۔ یہ فطری قانون ضمیر ہے۔ فطری قانون کے
مطابق کام درست ہیں اور اس کے خلاف غلط ہیں۔ یہ ضمیر قوانین نہیں بناتی بلکہ قوانین
کو تسلیم کرتی ہے اور اعمال کو قوانین کے لحاظ سے جانچتی ہے۔ سطوائیوں کا قانون
قانون فطرت ہے۔ یہودیوں کا قانون موسوی شریعت ہے۔ لیکن مسیحیوں کے لئے
مسیح کی شریعت گل ۶: ۲ یا روح کی شریعت ہے ۸: ۲ جو انجیلی شریعت ہے۔ یہ خیال
سطوائیوں اور پولس رسول کی ضمیر کی تعلیم کو بے لگام انفرادی آزادی سے بچا لیتا
ہے۔ رسول کا خیال ہے کہ موسوی شریعت خدا کی مرضی کے اظہار کی ایک خاص صورت
ہے جس میں احکام اور ممانعتوں کا ذکر ہے۔ اور قانون فطرت اس سے مختلف نہیں
گو موسوی شریعت کی طرح یہ واضح اور صاف نہیں۔ لیکن تو بھی وہ اس سے بھی نیکی اور
بدی کے ابدی قانون کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ غیر یہودیوں کے لئے قانون فطرت کی بھی
کی وہی قدر ہے جو یہودیوں کے لئے موسوی شریعت کی۔ تاہم اس کو یہاں خاص طور پر

کہ رسول کی تعلیم طبعی بگاڑ کی تعلیم سے بہت پرے ہے۔ رسول نے ہرگز انسان کی
طبیعت مکمل بگاڑ کی تعلیم نہیں دی۔ جیسا کہ زمانہ حال تک عام پروٹسٹنٹ کلیسائیں
مانتی چلی آئی ہیں۔ مذکورہ بالا بحث کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ انصاف کے دن جب خدا
دلوں کو جانچیگا تو نہ فقط یہودی بلکہ غیر یہودیوں میں سے بھی لوگ بچ نکلیں گے۔ اور
جو گنہگار رہیں چاہے یہودی ہوں یا غیر یہودی دونوں مجرم ٹھہرائے جائیں گے۔ کیونکہ
۱۶ دونوں کا حال یکساں ہے اور خدا کسی کی رو رعایت نہیں کرتا۔ اور میری انجیل کی تعلیم
یہ ہے کہ خدا یہودیوں اور غیر یہودیوں دونوں کے دلوں کی جانچ مسیح کے وسیلہ کریگا
جو خدا کا مقرر کردہ منصف ہے۔ ۱ کر ۴: ۴-۵ ؛ ۲ کر ۵ : ۱۰ ؛ رومی ۱۴ : ۱۰-۱۲
اعمال ۱۰ : ۴۲ یوحنا ۵ : ۲۲

ب ۲ یہودیوں کی گنہگاری ۲ : ۱۷-۲۹

۱۷-۱۸ پس اگر تو یہودی کہلاتا ہے اور شریعت پر تکیہ اور خدا پر فخر کرتا ہے ○ اور
۱۹ اس کی مرضی جانتا اور شریعت کی تعلیم پاکر عمدہ باتیں پسند کرتا ہے ○ اور اگر
تجھ کو اس بات پر بھی بھروسہ ہے کہ میں اندھوں کا رہنما اور اندھیرے میں پڑے
۲۰ ہوؤں کے لئے روشنی ○ اور نادانوں کا تربیت کرنے والا اور بچوں کا اُستاد
۲۱ ہوں اور علم اور حق کا جو نمونہ شریعت میں ہے وہ میرے پاس ہے ○ پس
تو جو اوروں کو سکھاتا ہے اپنے آپ کو کیوں نہیں سکھاتا؟ تو جو وعظ کرتا ہے
۲۲ کہ چوری نہ کرنا آپ خود کیوں چوری کرتا ہے؟ ○ تو جو کہتا ہے کہ زنا نہ کرنا آپ خود
کیوں زنا کرتا ہے؟ تو جو بتوں سے نفرت رکھتا ہے آپ خود کیوں مندروں کو لوٹتا
۲۳ ہے؟ ○ تو جو شریعت پر فخر کرتا ہے شریعت کے عدول سے خدا کی کیوں بے عزتی
۲۴ کرتا ہے؟ ○ کیونکہ تمہارے سبب سے غیر قوموں میں خدا کے نام پر کفر بکا جاتا ہے ○
۲۵ جیسا لکھا ہے ○ ختنہ سے فائدہ تو ہے بشرطیکہ تو شریعت پر عمل کرے لیکن جب تو نے

شریعت سے عدول کیا تو تیرا ختنہ نامختونی ٹھہرا ۵ ۲۶ پس اگر نامختون شخص شریعت
کے حکموں پر عمل کرے تو کیا اس کی نامختونی ختنہ کے برابر نہ گنی جائے گی؟ ۵ ۲۷ اور
جو شخص قومیت کے سبب سے نامختون رہا۔ اگر وہ شریعت کو پورا کرے تو کیا تجھے
جو باوجود کلام اور ختنہ کے شریعت سے عدول کرتا ہے قصوروار نہ ٹھہرائیگا ۵
۲۸ کیونکہ وہ یہودی نہیں جو ظاہر کا ہے اور نہ وہ ختنہ ہے جو ظاہری اور جسمانی ہے ۵
۲۹ بلکہ یہودی وہی ہے جو باطن میں ہے اور ختنہ وہی ہے جو دل کا اور روحانی ہے نہ کہ
لفظی۔ ایسے کی تعریف آدمیوں کی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہوتی ہے ۵

یہودیوں اور غیر یہودیوں دونوں کی یکساں گنہگاری کی حالت دکھانے کے بعد
اب رسول خاص طور سے یہودیوں کے حال کا ذکر کرتے ہیں۔ یہودیوں کو الہام اور موسوی
شریعت پر غرور ہے۔ لیکن اگر ان کے اعمال کی طرف دیکھا جائے تو وہ اوروں سے
کچھ بہتر نہیں اور اگر وہ ختنہ پر فخر کرتے ہیں اور اسے خدا کی مقبولیت کی سند سمجھتے ہیں
تو دھوکے میں ہیں کیونکہ یہ مقبولیت کی سند اور وعدہ کا نشان اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ
ان کے اعمال مقبول اور وہ خود وعدہ وفا ہوں۔ جسمانی ختنہ فائدہ مند نہیں بلکہ روحانی
ختنہ فائدہ مند ہے اور روحانی ختنہ کے حصہ دار غیر یہودی بھی ہو سکتے ہیں۔

۱۷ کیا تو اپنے یہودی ہونے پر فخر کرتا ہے اور شریعت پر تکیہ کر کے یہ سمجھتا ہے کہ یہ
تیری نجات کا بیعانہ ہے؟ کیا تو اس بات پر فخر کرتا ہے کہ میں خدا کا پرستار ہوں؟ ۵
۱۸ کیا تو خدا کی مرضی سے خوب واقف ہے اور شریعت کو کلام پاک سنکر اخلاق کا اعلیٰ
۱۹ معیار پسند کرتا ہے؟ ۵ اور کیا تجھے اتنا بھروسہ ہے کہ بیچارے غیر یہودیوں کی رہنمائی کرے
۲۰ اور ان کے گناہ کی تاریکی کو دور کرے؟ (متی ۱۵:۱۴) ۵ کیا تو اپنے شاگردوں کو نادان اور اپنے آپ کو استاد سمجھتا ہے؟
۲۱ کیا وہ محض بچے ہیں اور تو انکا معلم ہے؟ کیا تو شریعت کا محافظ ہے جس میں علم اور حق کا نمونہ موجود ہے؟ ۵ اے مغرور یہودی تیری زندگی
تیرے دعووں کے مطابق کہاں ہے؟ تو جو دوسروں کو سکھانا چاہتا ہے۔ کیا خود اس کا

سکھاتا نہیں ہے؟ تو دوسروں کو انھیں ادب آداب اور احکام کی تعلیم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ
تم چوری نہ کرنا ... تو زنا نہ کرنا (خروج ۲۰: ۱۴، ۱۵) - کیا تو بھی ان احکام کی پابندی کرتا
ہے؟ تو بتوں سے نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ کیا تو مندروں کو لوٹنے سے پرہیز بھی کرتا ہے؟
تو تو شریعت پر مغرور ہے لیکن کیا یہ بھی جانتا ہے کہ شریعت کے عدول سے تو شریعت
دینے والے خدا کی بے عزتی کرتا ہے؟ (خروج ۲۰ ...) جیسا کہ یسعیاہ نے کہا ہے کہ
" خدا اسرائیل فرماتا ہے کہ ..... ہر روز متواتر میرے نام کی تکفیر کی جاتی ہے "
۵۲: ۵ - اس وقت تو بنی اسرائیل کی بدحالی پر تکفیر ہوئی لیکن اب ان لوگوں کے
بد اعمالی کی وجہ سے جو اپنے آپ کو خدا کی امت کہتے ہیں اور شریعت پر فخر کرتے
ہیں یعنی گمراہوں کا رہنما۔ ناوانوں کا استاد اور بچوں کا معلم بتاتے ہیں اور دوسروں
پر جرم کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ پولس رسول کے بعد ایک نبی نے بھی کہا ہے کہ " جبکہ کوئی شخص صحیفہ
اور یسنا کا مطالعہ کرتا ہے ..... اور اپنے چال چلن کو ایمانداری سے درست
نہیں کرتا ..... تو لوگ اس کی بابت کیا کہتے ہیں؟ ... فلاں شخص جو شریعت کی
تعلیم پا چکا ہے اس کے اعمال کیسے گندے ہیں۔ اس کا چال چلن کیسا خراب ہے! ایسے ہی شخص
کی نسبت کتاب مقدس کہتی ہے کہ انھوں نے میرے مقدس نام کو ناپاک کیا" حزقی ایل ۳۶: ۲۰
ایسی حالت میں کیا یہودی خدا کے غضب سے بچ جائیں گے جبکہ جس جرم کا وہ دوسروں
پر الزام لگاتے ہیں خود اس کے مرتکب ہیں؟ اور وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہم ختنہ
کے نشان کے ذریعہ اس عہد کے شریک ہیں جو خدا نے حضرت ابراہیم کے ساتھ باندھا۔ اس
لئے ابدی زندگی کے بھی وارث ہیں۔ یہ سچ ہے کہ وہ ختنہ کرتے ہیں اور ختنہ کو خدا نے اپنے
عہد اور وعدہ کا نشان مقرر کیا اور ختنہ [illegible] عہد و وعدہ کا نشان ہے بشرطیکہ انسان
شریعت پر عامل ہو کیونکہ شریعت کو توڑنے سے خدا کا عہد اور وعدہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔
اور ختنہ بے معنی ہو جاتا ہے [illegible] مختون [illegible] خدا کے عہد اور وعدہ کی موجودگی

اس کے خیالات . خواہشات ارادے اور نیتیں خدا کی مرضی کے مطابق نہ ہوں تو کچھ فائدہ
۲۹ نہیں ؟ لیکن جس کی باطنی زندگی شریعت کے مطابق ہے اور اپنے باطن میں اس کی دلیل
اور ثبوت بھی رکھتا ہے وہی حقیقی یہودی ہے ۔ کیونکہ خدا باطنی صفائی اور پاکیزگی چاہتا
ہے ۔ "اے یہوداہ کے لوگو اور یروشلم کے باشندو! خداوند کے لئے اپنا ختنہ کرو۔
ہاں اپنے دل کا ختنہ کرو تا نہ ہو کہ تمہاری بداعمالی کے باعث سے میرا قہر آگ کی مانند شعلہ زن
ہو" یرمیاہ ۴: ۴ "اپنے دلوں کا ختنہ کرو" استثنا ۱۰: ۱۶ ۔ جو دل کا مختون ہے وہ
محض نام کا یہودی نہیں بلکہ سچا یہودی ہے اور اس کی یہ تعریف خدا کی طرف سے ہے
الغرض یہودیوں میں بہتیرے لوگ تو محض نام کے یہودی ہیں لیکن غیر یہودیوں میں بہتیرے
حقیقی یہودی ہیں ۔

ب اعتراضات یہود اور ان کے جوابات ۳: ۱-۸

۱ تو پھر یہودی کے پاس کیا زیادہ ہے اور ختنہ سے کیا نفع ؟ ؟ ہر طرح
۲ سے بہت ۔ خاص کر یہ کہ خدا کا کلام ان کے سپرد ہوا ؟ اگر بعض بے وفا
۳ نکلے تو کیا ؟ کیا ان کی بے وفائی خدا کی وفاداری کو باطل نہیں کرتی ؟ ؟ خدا
۴ نہ کرے بلکہ خدا سچا ٹھہرے اور ہر ایک آدمی جھوٹا " چنانچہ لکھا ہے " تو اپنی باتوں
۵ میں راستباز ٹھہرے اور اپنے مقدمہ میں فتح پائے" ؟ اگر ہماری ناراستی خدا کی
راستبازی کو ہیش کرتی ہے تو ہم کیا کہیں ؟ کیا خدا بے انصاف نہیں جو غضب نازل
۶ کرتا ہے ؟ (میں انسان کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں) ؟ خدا نہ کرے ۔ ورنہ خدا
۷ کیونکر دنیا کا انصاف کرے گا ؟ ؟ اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی
سچائی اس کے جلال کے واسطے وافر ہوئی تو پھر گنہگار کی طرح کیوں میں اب
۸ تک قصوروار ٹھہرایا جاتا ہوں ؟ ؟ اور کیوں نہ (جیسا کہ ہم پر تہمت لگائی جاتی
ہے اور جیسا کہ بعض ہماری نسبت کہتے ہیں) "ہم برائی کریں تا کہ بھلائی پیدا

ہو ؟ جن کا مجرم ٹھہرانا درست ہے ۵

اس حصہ میں یہودی خیال سے تین سوالات اٹھائے گئے ہیں جن کا رسول نے جواب بھی دیا ہے۔

(۱) اگر یہودی اور غیر یہودی دونوں یکساں گنہگار اور سزا کے لائق ہیں تو پھر یہودی کے پاس کیا رہا ؟ ۳:۱۔

جواب :۔ بہت کچھ۔ مثلاً خدا کا کلام جس میں خدا کے وعدے ہیں ۳ : ۲

(۲) اور اگر یہودی بے وفا نکلے تو کیا پھر بھی خدا کے وعدے قائم رہتے ہیں ؟ ۳:۳

جواب :۔ انسان کی بے وفائی کا اثر خدا کی وفاداری پر نہیں پڑتا بلکہ خدا اور بھی زیادہ وفادار ثابت ہوتا ہے۔ ۳ : ۴ ۔

(۳) اگر انسان کی بے وفائی خدا کی وفاداری کے اظہار کا باعث ہوتی ہے اور انسان کی ناراستی خدا کی راستبازی کے اظہار کا تو پھر گنہگار یہودی پر غضب کیا ؟ ۳ : ۵ و ۷ ۔

جواب :۔ گنہگار یہودیوں کا تو ضرور انصاف ہوگا اور وہ غضب کے وارث ہوں گے۔ کیونکہ خدا عادل ہے اور یہ کہنا درست نہیں کہ ہم برائی کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو ۳ : ۶ و ۸ ۔

۱ اگر یہودی اور غیر یہودی دونوں کا یکساں حال ہے اور ختنہ سے کچھ نفع نہیں اور اگر ختنہ دل کا اور روحانی ہے جس کے لئے یہودی اور غیر یہودی دونوں برابر ہیں تو پھر ابراہیم کی اولاد کے پاس کونسی نعمت زیادہ ہے اور ختنہ سے کیا نفع ہے ؟ ۵

۲ بہت کچھ مثلاً یہی کہ خدا کا کلام ان کے سپرد ہوا جس میں خداوند مسیح کے متعلق بہت سی پیشین گوئیاں ہیں۔ اور شریعت ملی جو انسان کو خداوند مسیح تک پہنچاتی ہے۔ رسول نے خدا کی بخششوں کا واضح ذکر ۹ : ۴-۵ میں یوں کیا ہے " وہ اسرائیلی ہیں اور

تیتی اور جلال اور عہود اور شریعت اور عبادت اور وعدے ان ہی کے ہیں۔ اور آبا
ان ہی کے ہیں اور جسم کے لحاظ سے مسیح بھی ان ہی میں سے ہے جو سب کے اوپر ابد تک
۳ خدائے محمود ہے۔" رسول کے جواب پر فوراً ہی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خدا کے کلام اور
شریعت سے کیا فائدہ۔ اگر لوگ شریعت پر عمل نہ کریں۔ کیونکہ پیشتر رسول خود بھی فرما چکے
ہیں کہ "شریعت کے سننے والے خدا کے نزدیک راستباز نہیں ہوتے بلکہ شریعت پر عمل کرنے
والے ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن جب تو نے شریعت سے عدول کیا تو تیرا ختنہ نامختونی ٹھہرا" ۲: ۱۳،
۲۵۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر یہودی بے ایمان ہوں تو وہ وعدوں کے شریک نہیں ہو سکتے کیونکہ
خدا کا عہد ان سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ بعض یہودیوں نے مسیح کو قبول کرنے
سے انکار کیا۔ اور شاید مسیحی یہ کہیں گے کہ کتاب مقدس کی سب پیشین گوئیاں مسیح ہی
۴ میں پوری ہوتی ہیں تو پھر خدا کے وعدے تو باقی نہ رہے ہوں گے۔ خدا کے وعدوں کا انحصار
انسان پر نہیں بلکہ خدا ہی پر ہے۔ جو اپنے وعدوں سے بے وفا نہیں ہو سکتا۔ اسلئے
یقینی وہ اپنے وعدوں کو پورا کریگا۔ چاہے انسان کچھ بھی کرے اور کیسا بھی کیوں نہ ہو
اگرچہ سارا جہان بھی کاذب اور گنہگار ہو (زبور ۱۱۶: ۱۱) تو بھی خدا سچا اور وعدہ وفا
ہوگا جیسا کہ زبور ۵۱: ۴ میں مذکور ہے "تو اپنی باتوں میں راست ٹھہرے اور اپنی
عدالت میں بے عیب۔" مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے وعدے ضرور پورا کریگا۔ اس پر رسول
نے ۹-۱۱ میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے جو مختصراً حسب ذیل ہے:-

کلام پاک کی ابتدا حضرت ابراہیم سے ہوتی ہے جن کے ساتھ خدا نے برکتوں کے وعدوں
کے ساتھ ایک عہد باندھا۔ ان برکتوں کے وارث بنی اسرائیل ہوئے۔ قومی طور سے بنی
اسرائیل نے خدا کے عہد کو توڑا اور اس طرح خدا کی برکتوں کو کھو بیٹھے۔ جسکا مطلب یہ ہوا
کہ خدا کے وعدے بیکار رہ گئے۔ کیونکہ بنی اسرائیل اس کے حقدار باقی نہ رہے اور حقیقت
یہ ہے کہ خدا کے وعدے نہیں ٹوٹے اور ہمیشہ کے لئے قائم و دائم ہیں اور خدا بھی اپنے

ہے تو پھر بےچارے یہودیوں نے کیا قصور کیا اور وہ کیوں مجرم ٹھہرائے جاتے ہیں؟
انسان کی زندگی کا مقصد بھی تو یہی ہے کہ خدا کا جلال ہو اور شریعت اور وعدے
وغیرہ بھی خدا کی بزرگی ہی کے لئے ہیں اور یہودیوں کی بے وفائی بھی خدا کی بزرگی کا
باعث ہے۔ اور جو خدا کی بزرگی کا باعث ہے وہ جرم نہیں ہو سکتا ؂ اچھا تو مطلب ۸
یہ ہوا کہ ہم برائی کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو۔ بے شک ایسی بیہودہ تعلیم کا الزام مجھ
پولس پر لگایا جاتا ہے اور نوکر بہت سے ایمان کی تعلیم کا غلط ترجمانی کرکے ایسا ہی مفہوم
نکال لیتے ہیں اور مجھے مجرم ٹھہراتے ہیں لیکن حقیقت اس سے بہت پرے ہے۔ میری ہرگز
تعلیم نہیں کہ انسان اگر اچھے مقصد کو مدنظر رکھ کر اس کے حصول کے لئے بُرے طریق
بھی اختیار کرے تو کچھ حرج نہیں۔ اس کے متعلق میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میری
تعلیم سے ایسے نتائج اخذ کرنے والے اور میری تعلیم کی ایسی بیہودہ ترجمانی کرنیوالے
خدا کے انصاف کے لئے گناہ کما رہے ہیں۔

ب یہودیوں کی گنہگاری کا نقلی ثبوت ۳: ۹-۲۰

۹ تو پھر؟ کیا ہم کچھ فضیلت رکھتے ہیں؟ بالکل نہیں کیونکہ ہم یہودیوں اور
یونانیوں دونوں پر پیشتر ہی یہ الزام لگا چکے ہیں کہ وہ سب کے سب گناہ کے
۱۰ ماتحت ہیں ؂ جیسا لکھا ہے کہ "کوئی راستباز نہیں۔ ایک بھی نہیں ؂ کوئی سمجھدار
۱۱ نہیں۔ کوئی خدا کا طالب نہیں ؂ سب گمراہ ہو گئے۔ سب کے سب نکمے بن گئے
۱۲ کوئی بھلائی کرنے والا نہیں۔ ایک بھی نہیں ؂ ان کا گلا کھلی ہوئی قبر ہے۔ انہوں
۱۳ نے اپنی زبان سے فریب دیا۔ ان کے ہونٹوں کے نیچے سانپوں کا زہر ہے ؂ ان کا
۱۴ منہ لعنت اور کڑواہٹ سے بھرا ہے ؂ ان کے قدم خون بہانے کے لئے تیز رو
۱۵ ہیں ؂ ان کی راہوں میں تباہی اور بدحالی ہے ؂ اور وہ سلامتی کی راہ سے
۱۶ ۱۷ ناواقف ہوئے ؂ ان کی آنکھوں میں خدا کا خوف نہیں ؂" اور ہم جانتے ہیں کہ
۱۸

بھٹک گئے۔ سب پھٹے دودھ کی طرح خراب اور بیکار ہو گئے اور افسوس تو یہ ہے کہ

۱۳ ان میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں ہ اور جیسے کہ قبر کا منہ لاش کے لئے کھلا رہتا ہے۔
جو کچھ دنوں کے بعد سڑ گل جاتی ہے۔ اسی طرح ان کے باطن میں سڑاہٹ اور گندگی
ہے اور وہ گندی باتوں کے جویاں رہتے ہیں۔ ان کے دل میں ہمیشہ شرارت اور
منہ پہ ہمیشہ جھوٹ اور خوشامد رہتی ہے۔ زبور ۵: ۹ ب ۱۲ " انھوں نے اپنی زبان
سانپ کی طرح تیز کر رکھی ہے۔ ان کے ہونٹوں کے نیچے افعی کا زہر ہے" زبور ۱۴۰:

۱۴ ۳ ہ ان کا منہ لعنت و دغا و ظلم سے پُر ہے۔ شرارت اور بدی ان کی زبان پر ہے۔ یسعیاہ

۱۵ ۵۹: ۷ ہ اُن کے پاؤں بدی کی طرف دوڑتے ہیں اور وہ بے گناہوں کا خون بہانے

۱۶ کے لئے جلدی کرتے ہیں ہ اُن کے خیالات بدکرداری کے ہیں۔ تباہی اور ہلاکت اُن

۱۷ کی راہوں میں ہے ہ وہ سلامتی کا راستہ نہیں جانتے اور ان کی روش میں انصاف
نہیں۔ وہ اپنے لئے ٹیڑھی راہ بناتے ہیں۔ جو کوئی اس میں جائے گا سلامتی کو نہ دیکھےگا

۱۸ یسعیاہ ۵۹: ۷۔۸ ہ مختصراً یہ کہ ان بے دینوں کے دل میں خدا کا خوف نہیں اسی
لئے یہ ایسی ایسی شرارتیں کرتے ہیں۔ زبور ۳۶: ۱ ہ

۱۹ اور یہ امر ظاہر ہے کہ ان سب مقامات میں کتاب مقدس کا اشارہ یہودیوں کی طرف
ہے۔ لہذا یہودیوں کو کچھ فضیلت حاصل نہیں۔ کیونکہ کلام پاک انہیں بھی ایسا ہی گنہگار
بتاتا ہے جیسا کہ غیر یہودیوں کے متعلق ذکر ہو چکا ہے بس ساری دنیا کیا یہودی کیا غیر
یہودی سب کے سب خدا کے نزدیک سزا کے لائق ہیں۔ اور دنیا میں کوئی راستباز

۲۰ نہیں ہ اور یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جیسے کہ غیر یہودی اپنی ضمیر کی شریعت
سے راستباز نہیں ٹھہرے۔ اسی طرح یہودی بھی موسوی شریعت سے راستباز
نہیں ٹھہرے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ شریعت انسان کو محض نیک و بد کی تمیز بخشتی ہے

باب دوم

تبریر

۳ : ۲۱ - ۴ : ۲۵

پہلے باب میں ہم نے یہ دیکھا کہ سارا جہان ۔ کیا یہودی کیا غیر یہودی سب گنہگار ہیں اور خدا کے غضب کے حقدار ہیں۔ کیونکہ غیر یہودیوں نے قانونِ فطرت کو توڑا اور اپنی ضمیر کی آواز کو دبایا اور اس کی رہنمائی کی پرواہ نہ کی اور یہودیوں نے شریعت کو توڑا اور اس کی رہنمائی پر نہ چلے ۔ دوسرے باب میں اب ہم یہ دیکھیں گے کہ انسان کو گناہ اور غضب الٰہی سے بچانے کے لئے کس طرح " خدا کی راستبازی ایمان سے ایمان تک ظاہر ہوتی ہے " اول تو یہ الٰہی راستبازی گنہگار انسان کو ایمان سے راستباز ٹھہرانے میں ظاہر ہوتی ہے ۳ : ۲۱ - ۴ : ۲۵ - دوم یہ گنہگاروں کو عالم گناہ سے نکال کر عالم قدس و حیات میں داخل کرنے سے ظاہر ہوتی ہے ۵ تا ۸

تبریر میں الٰہی راستبازی کا اظہار ۳ : ۲۱ - ۴ : ۲۵

تبریر کی مسیحی تعلیم یہ ہے کہ انسان ایمان سے راستباز ٹھہرایا جاتا ہے ۔یہودی شاید اسے عجیب تعلیم خیال کریں کیونکہ وہ اعمال سے راستباز ٹھہرائے جانے کے قائل ہیں ۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ تبریر کی مسیحی تعلیم شریعت سے بھی قدیم تر ہے ۔ چنانچہ ہم کلام پاک میں پڑھتے ہیں کہ حضرات ابراہیم ختنہ کے بغیر ایمان سے راستباز ٹھہرائے گئے ۔اس تبریر کے ساتھ ساتھ خدا نے انہیں وعدے بھی دیئے اور اپنی برکتوں سے مالا مال کیا ۔ اور ختنہ کا نشان بخشا ۔ ہم مسیحیوں کا ایمان بھی یہی ابراہیمی ایمان ہے جس کے ساتھ خدا کی برکتیں اور وعدے ہیں اور جس سے انسان راستباز ٹھہرایا جاتا ہے ۔

دیکھا تبریہ بالایمان ۳ : ۲۱-۲۶

۲۱ مگر اب شریعت کے بغیر خدا کی ایک راستبازی ظاہر ہوئی ہے جس کی
۲۲ گواہی شریعت اور نبیوں سے ہوتی ہے۔ یعنی خدا کی وہ راستبازی جو یسوع
مسیح پر ایمان لانے سے سب ایمان لانے والوں کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ کچھ
۲۳ فرق نہیں۔ اس لئے کہ سب نے گناہ کیا اور خدا کے جلال سے محروم ہیں۔
۲۴ مگر اس کے فضل کے سبب سے اس مخلصی کے وسیلہ سے جو مسیح یسوع
۲۵ میں ہے مفت راستباز ٹھہرائے جاتے ہیں۔ اس کے خون پر ایمان رکھنے
کے باعث خدا نے اسے ایک کفارہ گاہ ٹھہرایا تاکہ جو گناہ پیشتر ہو چکے تھے
اور جن سے خدا نے تحمل کر کے طرح دی تھی ان کے بارے میں اس کی راستبازی
۲۶ کا اظہار ہو۔ بلکہ اسی وقت اس کی راستبازی کا اظہار ہو تاکہ وہ خود بھی راستباز
ٹھہرے اور جو یسوع پر ایمان لائے اس کو بھی راستباز ٹھہرانے والا ہو۔

تبریہ بالایمان کی تعلیم کتاب مقدس میں موجود ہے۔ لیکن اس کا شریعت کے اصول
سے کچھ واسطہ نہیں۔ تبریہ بالایمان کے مطابق الہٰی راستبازی کمائی نہیں جاتی بلکہ سچے
ایمان کے وسیلہ بطور بخشش حاصل کی جاتی ہے۔ کیونکہ خداوند مسیح حقیقی کفارہ گاہ ہے
جو انسان کے لئے الہٰی فضل اور معافی کا باعث ہے۔ اور جو خدا کے عہد اور وعدوں
کا نگہبان اور پورا کرنے والا ہے۔ اور جو اپنے خون اور زندگی سے انسان کے گناہوں کا
کفارہ دیکر انہیں مخلصی بخشتا ہے۔ اس الہٰی انتظام کے مطابق خدا بھی راستباز ٹھہرتا
ہے کیونکہ وہ گنہگار انسان کی بیماری کا علاج کرتے ہوئے اپنے وعدوں اور عہد
کو قائم رکھتا ہے اور وہ انسان بھی راستباز ٹھہرایا جاتا ہے جو ایمان کے وسیلہ سردار
کاہن کی طرح اس کفارہ گاہ کے پاس پہنچتا ہے۔

۲۱ ۱: ۱۷ میں ذکر ہو چکا ہے کہ انجیل میں خدا کی راستبازی ایمان سے ایمان تک

ظاہر ہوتی ہے۔ تیسرا یہ نیا طریقہ صرف مسیحیت بتاتی ہے۔ اور گو یہ طریقہ ایک نئی تجویز
ذریعہ نہیں تو بھی توریت اور انبیا اس کی گواہی دیتے ہیں۔ بغیر اس راستبازی کے
۲۲ دنیا کا حال یہ ہے اس کا بیان اب آیات میں ہو چکا ہے کہ خدا کی یہ راستبازی ہر
ایک فرد بشر کیلئے ہے۔ چاہے وہ کسی قوم و نسل کا کیوں نہ ہو اور یہ راستبازی حاصل ہوتی ہے
جو خداوند یسوع مسیح پہ ایمان لاتا ہے۔ یعنی جو محبت کے ساتھ اس کی شخصی گواہی
۲۳ گناہ ایک عالمگیر حقیقت ہے جس سے کوئی انسان نہیں بچا۔ تو انسان کو خدا نے اپنی صورت
پر خلق کیا تاکہ وہ خدا کی صورت اور اس کا جلال ہو (اکر ۱۱: ۷) لیکن انسان جو خدا
کی صورت اور جلال تھا۔ اور خدا کی صورت اور اس کے جلال سے جو نے جو کا نام گناہ
کی حالت ہے۔ اور جب انسان خدا کا جلال یا صورت ہی نہیں تو پھر اس کے پاس الٰہی طبیعت
اور مزاج کہاں رہا اور وہ الٰہی شخصیت کا نمونہ کہاں رہا۔ وہ الٰہی فرزندیت سے گر گیا
۲۴ اور خدا کی حضوری اور اس کے جلوہ سے محروم ہو گیا تو پس یہاں خدا کے تخت عدالت
کے سامنے مجرم کھڑا ہے اور شریعت ہر ایک کو عذاب کے خوف سے خدا کے آگے پیش کرتی
ہے۔ اس کے ساتھ تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ یہی جو شریعت کے ماتحت نہیں وہ بھی خدا
کے تخت عدالت کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ یہ اپنے جرم کے معترف ہیں اور اپنے کئے پہ
سخت پشیمان ہیں۔ ان کی ساری امیدیں صرف خدا سے وابستہ ہیں اور یہ اپنی کسی چیز پر
فخر نہیں کرتے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر خدا ان پر ترس کھاتا ہے اور اپنے بڑے فضل سے
مجرموں کے کٹہرے سے نکال کر انہیں اپنے پاس جگہ دیتا ہے۔ اور وہ جو پہلے مجرم تھے
اب صادق نظر آتے ہیں گویا کہ ان کے اوپر کا جرم ثابت ہی نہیں ہوا یا خدا نے ان کے
جرم کو نظر انداز کر دیا۔ جو پہلے شیطان اور گناہ کے غلام تھے وہ اب خدا کے غلام نظر آتے ہیں۔
گویا کہ خدا نے انہیں شیطان اور گناہ کی غلامی سے چھڑا کر خود اپنا خریدا غلام بنا لیا۔ یہ فضل
ان پر اس لئے ہوا کہ ان کا رشتہ خداوند یسوع مسیح سے ایمان کے ذریعہ قایم ہو چکا ہے۔

یہ ایمان انہیں ایک نیا مخلوق بنا دیتا ہے جیسا کہ رسول پولس خود ایک نئے مخلوق بن گئے۔ یہ مسیحیوں کی کسی لیاقت اور خوبی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض خدا کے فضل سے ہے۔

۲۵

جب انسان پر اپنی گنہگاری کی حالت عیاں ہو جاتی ہے اور اس کے دل کی آنکھیں ایسی کھل جاتی ہیں کہ وہ خداوند مسیح کو پہچان سکے کہ وہ خدا کا بیٹا اور اس کا ظہور ہے جس کے وسیلے سے خدا اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اور انسان اس عرفان پر جب اپنی خودی سے انکار کر کے خداوند مسیح کو اس طرح قبول کرتا ہے کہ اس سے ایسی محبت رکھے کہ اس کی شخصیت کو اپنی شخصیت اور اس کی ذات کو اپنی ذات اور اس کی روح کو اپنی روح اور اس کی زندگی کو عین اپنی زندگی بنائے تو اس حالت کا نام ایمان ہے۔ خداوند مسیح پر ایمان رکھنے کے یہی معنی ہیں کہ انسان خداوند مسیح کی شخصیت کو اپنی شخصیت میں اس طرح جذب کرتا جائے کہ خود مسیح جیسا بنتا چلا جائے اور مسیح جیسا بننے میں خدا کی صورت پر ڈھلتا جائے کیونکہ خداوند مسیح "خدا کے جلال کا پرتو اور اس کی ذات کا نقش" ہے یہ ایمان یا الہٰی صورت پر ڈھلنا ایک ابدی امکان ہے کیونکہ خدا لامحدود ہے اور انسان محدود۔ یہ ایمان خدا اور انسان کے رشتہ کو باپ اور بیٹے کا رشتہ بناتا ہے۔ کیونکہ خداوند مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ اس ایمان کا مظاہرہ تین طرح سے ہوتا ہے۔

(۱) چونکہ خداوند مسیح کی زندگی سے خدا کی ابوّیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لئے مومن خدا کی نسبت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ باپ ہے اور اس پر ایسا بھروسہ رکھتا ہے جیسا کہ بیٹے کا باپ پر ہوتا ہے۔ یہ وہ دماغی کیفیت ہے جس سے دلی اطمینان حاصل ہوتا ہے اور شادمانی ملتی ہے۔

(۲) اپنی زندگی کو خدا کے ہاتھ میں اس طرح سونپنا کہ اس کی مرضی کو اپنی مرضی جاننا۔ اس کی طبیعت کو اپنی طبیعت بنانا۔ اس کے مزاج کو اپنا مزاج بنانا۔ الغرض انسانی زندگی کا الہٰی زندگی میں تبدیل ہونا۔

(۳) زندگی میں ایسی اخلاقی وحدت اور استحکام کا ہونا جسکا بھروسہ کیا جا سکے جیسا باپ بیٹے پر بھروسہ کرتا ہے کہ وہ ایسی لائق اور واجب زندگی بسر کرتا رہیگا جو اس کے نام اور عہدہ کے مطابق ہو جس سے باپ کا نام ہو۔

خدا نے بنی اسرائیل کے ساتھ ایک عہد باندھا اور عہد کے ساتھ انہیں وعدے دئے۔ اس عہد کی یادگاری میں شہادت کا صندوق بنایا گیا جو عہد کی یادگاری کے ساتھ ساتھ خدا کی حضوری کا نشان بھی ہو گیا۔ اس صندوق پر ایک سرپوش بھی ہوا کرتا تھا جو خدا کے فضل کا نشان تھا۔ اور عہد کے صندوق پر فضل کے سرپوش کے سایہ کرنیکا مفہوم یہ ہوتا تھا کہ خدا اپنے بڑے فضل سے عہد کا محافظ اور اپنے وعدوں کا پورا کرنے والا ہے۔ کفارہ کے دن سردار کاہن فضل کے سرپوش پر قربانی کا خون چھڑکتا تھا۔ یہ قربانی چونکہ بنی اسرائیل کی طرف سے ہوتی تھی اس لئے قربانی کا خون ان کی مذہبی زندگی کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ فضل کے سرپوش پر خون کے چھڑکنے کا مفہوم یہ ہوتا تھا کہ خدا نے فضل سے امت کو اپنے حضور میں قبول کر لیا ہے اور گناہوں کی وجہ سے انہیں عہد اور وعدوں سے خارج نہیں کیا بلکہ ان کے گناہوں کو معاف کر کے انہیں ان کا شریک بنایا ہے۔ اسی نسبت سے یہ سرپوش کفارہ گاہ کہلاتا تھا۔ پولس رسول نے یہ سارا نقشہ حقیقی طور پر خداوند مسیح کی زندگی میں دیکھا۔ مسیح کی آمد عین خدا کی آمد اور اس کی حضوری خدا کی حضوری تھی۔ مسیح کے وسیلہ سے خدا اور خداوند مسیح پر ایمان رکھنے والوں کا ایک نیا عہد باندھا جاتا ہے۔ اس نئے عہد کا نشان خود خداوند کی جسمانی زندگی ہے جیسے کہ پہلے عہد کا نشان شہادت کا صندوق تھا۔ خداوند کا تجسم الہٰی فضل کا اظہار تھا جیسا کہ سرپوش الہٰی فضل کا نشان تھا۔ اس تجسم یا الہٰی فضل کے اظہار سے یہ بھی ظاہر ہے کہ خدا کا عہد اور اس کے وعدے جو بنی اسرائیل سے کئے گئے بیکار نہیں ہوئے۔ بلکہ مسیح میں ہمیشہ تک قائم رہیں گے۔ اور خدا اپنے عہد

اور وعدوں کو پورا کرنے میں وفادار ہے۔ مسیح کے ساتھ صلیبی موت کی وجہ سے
اُن کی زندگی کفارہ گاہ ہوگئی جو مومنوں کے گناہوں کو مٹا کر انہیں خدا کے
حضور زندہ رکھتی ہے اور انہیں الٰہی عہد اور وعدوں کا شریک بناتی ہے کیونکہ ایمان
کے باعث مسیح کی ذات ہمارے لئے ایک ایسی کفارہ گاہ بن جاتی ہے کہ ہم خدا کے
دشمن ہیں غضب الٰہی سے محفوظ رہتے ہیں۔ مسیح کا خون ہماری بھی زندگی کا نشان
بن جاتا ہے کیونکہ ایمان کے باعث مومنوں کی زندگی عین مسیح کی زندگی بنتی جاتی ہے
یہودیوں کے گناہ کی وجہ سے خدا کا عہد ٹوٹ جانا چاہیے تھا۔ اور انہیں الٰہی غضب
کا شکار ہونا چاہیے تھا لیکن خدا نے تحمل کر کے طرح دی اور انھیں برباد نہیں ہونے
دیا اور اب مسیح کی آمد سے اس بات کا اظہار کیا کہ اس کا عہد اب تک قائم ہے۔ اس
کی اس وفاداری سے اس کی راستبازی کا اظہار ہوتا ہے۔ الٰہی راستبازی حالات
کے بدلنے سے نہیں بدلتی۔ بلکہ ہمیشہ قائم و دائم ہے۔ کیونکہ الٰہی راستبازی عین اس کی
طبیعت کا اظہار ہے جو لاتبدیل ہے۔ یہ نہیں کہ اس کی راستبازی قیامت کے دن
یا آئندہ کسی اور وقت ظاہر ہوگی۔ بلکہ اس وقت اور اب ظاہر ہونے لگی ہے۔ کیونکہ
وہ آئندہ زمانہ خداوند کی آمد سے شروع ہو چکا ہے جس میں ضرور ہے کہ الٰہی راستبازی
ظاہر ہو۔ یہ راستبازی جو خداوند مسیح میں ظاہر ہوئی خدا کے غضب کا اظہار کر کے انسان
کو مجرم نہیں ٹھہراتی جیسا کہ شریعت سے ظاہر ہے بلکہ خدا کی محبت کا اظہار کرتے ہوئے
انسان کو قبول کرتی ہے اور اسے راستباز بناتی ہے جیسا کہ مسرف بیٹے کی تمثیل سے
ظاہر ہے۔ خدا پیشتر بھی عادل تھا جبکہ غضب کا اظہار ہوا اور اب بھی عادل رہا جبکہ
اس نے گنہگار کو قبول کیا۔ فرق یہ ہے کہ پہلے وہ منصف نظر آیا اور اب وہ باپ
نظر آیا جو بے انصاف نہیں۔

ب ۳: مسئلہ شریعت کا حل کلام ۳: ۲۷-۳۱

۲۹ حصول کی شرط اعمال نہیں بلکہ ایمان ہے ؏ اگر راستبازی ایمان سے ہے نہ کہ اعمال سے
تو پھر یہودی اور غیر یہودیوں میں کیا فرق رہا ۔ اور سچ مچ کچھ بھی فرق نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ
۳۰ خدا ایک ہی ہے ؏ اور اگر خدا ایک ہی ہے تو پھر کیا یہودی کیا غیر یہودی دونوں کے لئے
خدا کا یکساں اصول ہے ۔ یعنی اصول ایمان جس کے باعث انسان راستباز ٹھہرایا جاتا
ہے چاہے وہ یہودی ہو یا غیر یہودی ۔ یہ ہے انجیل کی خوشخبری جو یہودیوں اور غیر یہودیوں
۳۱ دونوں کو سنائی جاتی ہے ؏ ایسا نہ ہو کہ میرے مسئلہ تبریہ اور ایمان کی تعلیم کو کوئی
شریعت کی تعلیم کے خلاف سمجھے ۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ شریعت اور کلام پاک کا بھی اصل
اصول یہی ہے کہ انسان ایمان سے راستباز ٹھہرایا جا سکتا ہے ۔ جیسا کہ آگے ثابت کیا جائے گا
چونکہ یہودی نما مسیحی رسول کے خلاف یہ کہتے پھرتے تھے کہ وہ موسوی شریعت کے مخالف
ہیں اس لئے رسول نے مناسب سمجھا کہ اس بات کا صاف اظہار کر دیں کہ میں شریعت کا
مخالف نہیں بلکہ دراصل اس کے اصلی اصول کا قائم کرنیوالا ہوں تاکہ روم کے یہودی مسیحی
بدظن نہ ہوں ؏

۴: ۱-۸ میں رسول نے تبریہ بالا ایمان کی نقلی دلیل شریعت یعنی توریت سے
پیش کی ہے اور حضرت ابراہیم کی مثال سے اپنے مسئلہ کو ثابت کیا ہے ۔ یہودیوں
کے لئے حضرت ابراہیم کی مثال کا وزن بہت ہی زیادہ تھا ۔ کیونکہ یہودی ملت کی ابتدا
اور خدا کی برکات اور وعدے سب ان ہی سے شروع ہوتے ہیں ۔ گل ۳: ۱۵-۱۸
میں رسول فرماتے ہیں کہ جیسے کسی کے وصیت نامہ کی تصدیق کے بعد کوئی شخص اس میں
گھٹا بڑھا نہیں سکتا ۔ اسی طرح وہ عہد جو خدا نے حضرت ابراہیم کے ساتھ محض ان کے ایمان
کی بنیاد پر باندھا اور جو وعدے ان سے ایمان کی وجہ سے کئے وہ ان کے انتقال کے بعد
باطل نہیں ہو سکتے اور سینکڑوں سال کے بعد شریعت آ کر اس میں گھٹا بڑھا نہیں سکتی ۔
اور نہ اس اصول میں کوئی تبدیلی کر سکتی ہے ۔

ب۴ تبریہ بالایمان کی نقلی دلیل حضرت ابراہیم کی مثال ۴: ۱-۸

۱ پس ہم کیا کہیں کہ ہمارے جسمانی جدامجد ابرہام کو کیا حاصل ہوا؟
۲ کیونکہ اگر ابرہام اعمال سے راستباز ٹھہرایا گیا تو اُسے فخر حاصل ہے لیکن
۳ خدا پر نہیں۔ نوشتہ کیا کہتا ہے؟ "اور ابرہام خدا پر ایمان لایا اور یہ اس
۴ کے لئے راستبازی گنا گیا"۔ کام کرنے والے کی مزدوری بخشش نہیں بلکہ حق
۵ سمجھی جاتی ہے۔ مگر جو شخص کام نہیں کرتا بلکہ بے دین کے راستباز ٹھہرانے والے
۶ پر ایمان لاتا ہے۔ اس کا ایمان راستبازی گنا جاتا ہے۔ چنانچہ جس شخص کے لئے خدا
بغیر اعمال کے راستبازی محسوب کرتا ہے۔ داؤد بھی اُسے مبارک کہتا ہے۔
۷ "مبارک ہیں وہ جن کی بدکاریاں معاف ہوئیں۔ اور جن کے گناہ ڈھانکے
۸ گئے۔ مبارک ہے وہ شخص جس کا گناہ خداوند محسوب نہ کرے گا"۔

حضرت ابراہیم بھی مسیحیوں کی طرح ایمان سے راستباز ٹھہرائے گئے نہ کہ شریعت کے اعمال سے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت تک شریعت آئی بھی نہ تھی۔ یہ راستبازی ان کے نیک اعمال کی کمائی نہ تھی بلکہ خدا کی بخشش تھی جو انھوں نے ایمان کے وسیلہ سے حاصل کی۔ حضرت داؤد بھی ایسوں کی مبارک حالی بیان کرتے ہیں۔ یہ مبارک حالی بے گناہی کی نہیں بلکہ معافی کی ہے جو خدا سے مفت حاصل ہوتی ہے۔

۱ ہم یہودی اپنے جدامجد ابراہیم کی نسبت تو دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ضرور یہودیوں کی فوقیت اور اعمال کی گواہی دیں گے کیونکہ ہم یہودی یہ مانتے ہیں کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے راستباز شمار کئے گئے۔ اور اگر یہ سچ ہے تو بیشک انہیں اپنے اعمال کا فخر حاصل ہے۔ انھوں نے نیک اعمال حاصل کئے اور اعمال سے راستبازی کمائی۔ یشوع بن سیرخ حضرت ابراہیم کی نسبت فرماتے ہیں کہ "جس نے اُلعلیٰ کی شریعت پر عمل کیا اور اس کیساتھ ایک عہد باندھا۔ اور اپنے جسم میں عہد قائم کیا۔ اور آزمائش میں وفادار نکلا۔ اسی لئے

اُس نے (خدا نے) اُس سے قسم کھائی کہ "قومیں تیری نسل سے برکت پائیں گی" ۲۲: ۱۶-۱۸۔ عام یہودی علما خاص کر ربیوں اور فریسیوں کا یہ خیال تھا کہ "ابراہام اپنے سارے اعمال میں خداوند کے نزدیک کامل تھا اور زندگی بھر راستبازی میں خوش کن تھا" یوبلی ۲۳: ۱۰ (یہ کتاب دوسری صدی ق م کے آخر میں لکھی گئی) ساتھ ہی ساتھ یہ کہا جاتا ہے کہ پرانا عہد نامہ حضرت ابراہیم کے ایمان پر زور دیتا ہے۔ گو یہودی علما یہ تسلیم کرتے تھے کہ خدا کا وفادار ہونا اور اس کی وحدانیت پر ایمان رکھنا سب کا فرض ہے لیکن وہ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ وفاداری صرف شریعت پر عمل کرنے کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم نے موسوی شریعت پر کس طرح عمل کیا۔ جبکہ یہ بہت بعد میں آئی۔ اس کا جواب وہ یہ دیتے تھے کہ گو شریعت اس وقت تک نہ ملی تھی تو بھی حضرت ابراہیم نے شریعت پر ایسے کامل طور سے عمل کیا جیسے کہ وہ اس سے واقف تھے۔ باروک کا مصنف (یہ کتاب پولس رسول سے کچھ بعد لکھی گئی) کہتا ہے کہ "اُس وقت (یعنی آبا کے زمانہ میں) بے لکھی شریعت کا ان کے درمیان ذکر تھا اور احکام کی تعمیل ہوتی تھی" ۵۷: ۲۔ ایسی حالت میں حضرت ابراہیم کا فخر اپنے اوپر جائز تھا۔ لیکن ایمان کی راستبازی کے سبب ہم مسیحیوں کا فخر خدا پر ہے۔ نہ کہ اپنے اعمال پر اور ہم یہ کہتے ہیں کہ "جو فخر کرے وہ خداوند پر فخر کرے" ۱ کر ۱: ۳۱

۳ حضرت ابراہیم کے متعلق یہ سب تو یہودی خیال آرائیاں ہیں لیکن کلام پاک میں تو کیا لکھا ہے پیدائش ۱۵: ۶ میں یوں مذکور ہے کہ "اور وہ خداوند پر ایمان لایا اور اسے اس نے اُس کے حق میں راستبازی شمار کیا"۔ یہاں اعمال کا ذکر نہیں بلکہ لکھا ہوا ہے کہ "وہ خداوند پر ایمان لایا"۔ یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ خداوند کے احکام بجا لائے اور خدا کے حضور راستباز ٹھہرے بلکہ یہ کہ ان کا یہی ایمان راستبازی شمار کیا گیا۔ لفظ شمار سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ہرگز اپنی ذات سے راستباز نہیں تھے لیکن خدا نے انہیں راستباز شمار کیا۔ حق تو یہ ہے کہ صرف خدا ہی راستباز ہے اور ہم گنہگار انسان اپنے سچے ایمان کے باعث محض اس کے فضل سے راستباز

۴ شمار کئے جاتے ہیں۔ اور اگر وہ اعمال سے راستباز ٹھہرائے جاتے تو راستبازی شمار کئے جانے
کا کیا مطلب۔ کیونکہ اعمال سے انہوں نے راستبازی کمائی اور یہ انکی جائز مزدوری ٹھہری۔
۵ پھر خدا کا احسان کیا کہ اس نے حضرت ابراہیم کو راستباز شمار کیا۔ لیکن اگر یہ بات ایسے شخص
کی نسبت کہی جائے جس نے اعمال سے راستبازی نہیں کمائی اور اپنی ذات سے خدا کے
آگے گنہگار اور بے دین ہے تو یہ ایک بڑی بات ہوگی۔ اور اس میں خدا کا احسان بھی
ہوگا۔ ایسی راستبازی خدا کی بخشش ہے۔ اور کتاب مقدس سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت
ابراہیم بھی ایسے ہی شخص کی طرح خدا پر ایمان لائے اور ان کے ایمان کو خدا نے راستبازی
شمار کیا اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا گویا کہ وہ اپنی ذات سے سراسر نیک اور راستباز
۶ تھے اور ان میں کسی طرح کی کمی نہ تھی۔ چنانچہ زبور میں بھی ایسے شخص کو مبارک کہا گیا
ہے جس کے گناہ کو خدا معاف کرتا ہے اور اپنے حضور میں بطور راستباز کے
قبول کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اعمال کے لحاظ سے راستباز نہیں بلکہ گنہگار ہے۔
۷-۸ زبور ۳۲: ۱-۲ میں اس شخص کی مبارکحالی بیان کی گئی ہے جس نے خداوند
کے احکام کو توڑا ہے اور خداوند کریم کی شریعت کے خلاف کیا ہے۔ نہ کہ اس
شخص کی جو شریعت کے احکام بجا لا کر بے داغ ثابت ہوا۔ ایسے گنہگار کی معافی
مبارکبادی کے لائق ہے۔ یہ ہے ان لوگوں کی مبارکحالی جو ایمان سے راستباز
ٹھہرائے جاتے ہیں۔ ان کے گناہ تو محسوب نہیں ہوتے لیکن ان کا ایمان راستبازی
شمار کیا جاتا ہے۔

ب۔ ختنہ بالایمان کی نقلی دلیل ختنہ کا نشان ۴: ۹-۱۲

۹ پس کیا یہ مبارکبادی مختونوں ہی کے لئے ہے یا نامختونوں
کے لئے بھی؟ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ "ابرہام کے لئے ایمان
۱۰ راستبازی گنا گیا"۔ پس کس حالت میں گنا گیا؟ مختونی کی حالت

۱۱ میں یا نامختونی میں؟ مختونی میں نہیں بلکہ نامختونی میں ۔ اور اس نے ختنہ کا نشان پایا یعنی نامختونی کی حالت کے ایمان کی راستبازی کی مہر تاکہ وہ ان سب کا باپ ٹھہرے جو باوجود نامختون ہونے کے ایمان لاتے ہیں اور ان کے لئے بھی راستبازی محسوب

۱۲ ہو ۔ اور ان مختونوں کا باپ ہو جو نہ صرف مختون ہیں بلکہ ہمارے باپ ابرہام کی نامختونی کی حالت کے ایمان کے نقش قدم پر بھی چلتے ہیں ۔

خدا کا اعلان تیرہ حضرت ابراہیم کے ختنہ پر موقوف نہ تھا کیونکہ یہ اعلان ختنہ سے پیشتر ہی ہو چکا تھا اور بعد میں ختنہ کا نشان اس اعلان کا ثبوت ٹھہرا ۔ ختنہ سے پیشتر یہ اعلان اس لئے ہوا تاکہ یہودی اور غیر یہودی دونوں میں سے حضرت ابراہیم کی اولاد بن سکیں ۔

۹ زبور ۳۲: ۱ - ۲ کی مبارکبادی محض یہودیوں کے لئے ہے یا غیر یہودیوں کے لئے بھی؟ یقیناً دونوں کے لئے اور اگر یہ دونوں کے لئے ہے تو پھر ایمان سے راستباز ٹھہر لئے جانے کا اصول ثابت ہو گیا ۔ اور مختون اور نامختون کی تفریق باقی نہ رہی ۔ جیسا کہ بعض سمجھتے ہیں کہ خدا کی وراثت میں صرف مختون ہی داخل ہو سکتے ہیں ۔ اور ہم تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے لئے بھی ان کا ایمان راستبازی شمار کیا گیا ۔ ختنہ انکی

۱۰ راستبازی نہ تھی بلکہ انکا ایمان راستبازی گنا گیا ۔ کوئی یہودی یہ کہہ سکتا ہے کہ چاہے پیدائش ۱۵: ۶ میں "راستبازی شمار کیا" کا مفہوم کچھ بھی ہو لیکن حضرت ابراہیم نے حقیقتاً شریعت کو قبول کیا ۔ اسی لئے ختنہ سے " اس نے اپنے جسم میں عہد قائم کیا " یعنی سیرخ ۴۴: ۲۰ لیکن کتاب مقدس سے کچھ اور ثابت ہوتا ہے ۔ جس وقت خدا نے حضرت ابراہیم کو راستباز ٹھہرایا اس وقت وہ محض نامختون تھے جیسا کہ پیدائش ۱۵ سے ظاہر ہے اور حضرت ابراہیم کی

۱۱ اس نامختونی کی حالت میں خدا نے ان سے عہد اور وعدے بھی کئے۔ اور بعد میں پ ۱۷ باب میں ہم پڑھتے ہیں کہ خدا نے ختنہ کو عہد کا نشان مقرر کیا۔ یہ نشان خدا کے اعلان کی مہر ہوئی کہ حضرت ابراہیم ایمان سے راستباز ٹھہرائے گئے۔ یہ ایمان کی راستبازی انہیں ختنہ سے پیشتر ہی حاصل تھی جس سے یہ صریحاً ثابت ہے کہ انسان ایمان سے راستباز ٹھہرایا جاتا ہے اور حضرت ابراہیم ہم مسیحیوں کے بھی روحانی باپ ہیں جو ان ہی کی طرح ایمان سے راستباز ٹھہرائے جاتے ہیں۔ چاہے ہم یہودی ہوں یا غیر یہودی۔

۱۲ اور وہ مختونوں کے چاہے جسمانی باپ ہوں لیکن روحانی باپ ان ہی مختونوں کے ہیں جو ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ یعنی جو خود بھی ان ہی کی طرح ایمان سے راستباز ٹھہرائے جاتے ہیں۔

ختنہ کے متعلق یہودیوں کی تعلیم یوبلی کے پچیسویں باب سے نہایت ہی واضح طور پر ظاہر ہو جائیگی۔ اقتباس حسب ذیل ہے:۔

"یہ قانون ابدیہ کے لئے ساری نسلوں کیلئے ہے۔ اور ختنہ کسی خاص زمانہ کا نہیں۔ اور نہ آٹھویں دن سے زیادہ ایک دن بھی ٹالا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ابدی قانون ہے۔ جسکا حکم دیا گیا اور جو آسمانی لوحوں پہ لکھا گیا اور جسکی پیدائش پہ آٹھویں دن کھلڑی نہیں کاٹی جاتی وہ اس عہد کے فرزندوں میں سے نہیں جو خدا نے ابرہام کے ساتھ باندھا کیونکہ وہ بربادی کے فرزندوں میں سے ہے اور اس کے جسم پہ کوئی ایسا نشان بھی نہیں جس سے وہ خداوند کا ظاہر ہو۔ بلکہ وہ قتل کر دینے اور دنیا سے مٹا دینے اور نیست کر دئے جانے کے قابل ہے کیونکہ اس نے ہمارے خداوند کے عہد کو توڑا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اب میں تجھے اطلاع دیتا ہوں کہ بنی اسرائیل اس حکم کو قائم نہیں رکھنے اور وہ اپنے فرزندوں کا اس قانون کے مطابق ختنہ نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ اپنے فرزندوں کے ختنہ کے عضو کو بے ختنہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور یہ سب کے سب بنی بلیعل میں جو اپنے فرزندوں کی پیدائش پہ انہیں بے ختنہ چھوڑ دیتے ہیں اور بنی اسرائیل پہ خداوند کا بڑا قہر نازل ہوگا کیونکہ انہوں

شریعت جو کچھ کہتی ہے ان سے کہتی ہے جو شریعت کے ماتحت ہیں تاکہ ہر ایک
کا منہ بند ہو جائے اور ساری دنیا خدا کے نزدیک سزا کے لائق ٹھہرے۔
۲۰ کیونکہ شریعت کے اعمال سے کوئی بشر اس کے حضور راستباز نہیں ٹھہرے گا۔ اس
لئے کہ شریعت کے وسیلہ سے تو گناہ کی پہچان ہوتی ہے۔

کلام پاک نے جہان کو مجرم ٹھہرایا ہے اور اس حقیقت کا انکشاف زبور ۱۴ میں اور
اس کا نقشہ زبور ۵۳ اور یسعیاہ ۵۹ اور یرمیاہ ۵ میں پیش کیا گیا ہے۔ اور اگر
یہودی بھی غیر یہودیوں کی طرح گنہگار ہوں تو سزا سے بچیں گے اور بھی کم امکان ہے کیونکہ
ان کی اپنی شریعت ہی انہیں مجرم ٹھہراتی ہے۔ پس شریعت اور شرعی اعمال کا سارا اصول
ناکامیاب رہا کیونکہ شریعت گناہ کو ظاہر کرتی ہے نہ کہ گناہ کو مٹاتی ہے۔

۹ اگر جو کچھ یہودیوں کی نسبت کہا گیا ہے صحیح ہے پھر تو وہ غیر یہودیوں سے بچ گئے کیونکہ
جاننا کہ انھیں روحانی طور سے بہتر ہونا چاہیئے تھا۔ یہ بات ہے تو پھر یہودی کیا فضیلت
رکھتے ہیں؟ رسول نے جواب دیا کہ بالکل نہیں۔ یہودیوں کو بہت سی نعمتیں اور بخششیں
ملیں لیکن محض ان بخششوں سے ان کی کوئی فضیلت نہیں کیونکہ یہ تو خدا کا عطیہ ہے۔
نہ کہ ان کی کمائی۔ اور ان کی دینی کمائی کا ذکر پیشتر ہو چکا ہے ۲: ۱۷-۲۹۔ ان کا حال
بھی ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ غیر یہودیوں کا جن کا ذکر بھی ہو چکا ہے ۱: ۱۸-۳۲۔ خدا
کے حضور یہودی بھی ایسے ہی گنہگار ہیں جیسے کہ غیر یہودی۔ اور دونوں کے دونوں مجرم
ہیں۔ ان میں سے کوئی سزا سے بچنے کے قابل نہیں۔ جیسے کہ غیر یہودیوں نے خدا کی رضا کی
۱۰ نہیں حاصل کی ویسے ہی یہودی بھی ناکامیاب رہے۔ چنانچہ یہودیوں کی گنہگاری کی نسبت
کلام پاک کی گواہیاں یہ ہیں۔ ترجمہ سبعینیہ زبور ۱۴: ۱-۲ (زبور ۱۴: ۱-۳) میں مذکور
۱۱ ہے کہ ایک آدمی بھی نیکوکار یا راستباز نہیں۔ وہ دنیا میں کوئی ایسا سمجھدار نہیں کہ غلطی اور
۱۲ نیچی نگاہ کی قدر کرے کہ کوئی خدا کا طالب نہیں۔ وہ سب خدا کی سچی راہ کو چھوڑ کر

بھٹک گئے۔ سب پھٹے دودھ کی طرح خراب اور بیکار ہو گئے اور افسوس تو یہ ہے کہ

۱۳ ان میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں ؎ اور جیسے کہ قبر کا منہ لاش کے لئے کھلا رہتا ہے۔
جو کچھ دنوں کے بعد سڑ گل جاتی ہے۔ اسی طرح ان کے باطن میں سڑاہٹ اور گندگی
ہے اور وہ گندی باتوں کے جویاں رہتے ہیں۔ ان کے دل میں ہمیشہ شرارت اور
منہ پر ہمیشہ جھوٹ اور خوشامد رہتی ہے۔ زبور ۵: ۹ ب ۱۲ "انھوں نے اپنی زبان
سانپ کی طرح تیز کر رکھی ہے۔ ان کے ہونٹوں کے نیچے افعی کا زہر ہے" زبور ۱۴۰:۳

۱۴ ؎ ان کا منہ لعنت و دغا و ظلم سے پُر ہے۔ شرارت اور بدی ان کی زبان پر ہے زبور ۱۰:۷

۱۵ ؎ اُن کے پاؤں بدی کی طرف دوڑتے ہیں اور وہ بے گناہوں کا خون بہانے
۱۶ کے لئے جلدی کرتے ہیں ؎ اُن کے خیالات بدکرداری کے ہیں۔ تباہی اور ہلاکت اُن
۱۷ کی راہوں میں ہے ؎ وہ سلامتی کا راستہ نہیں جانتے اور ان کی روش میں انصاف
نہیں۔ وہ اپنے لئے ٹیڑھی راہ بناتے ہیں۔ جو کوئی اس میں جائے گا سلامتی کو نہ دیکھیگا"

۱۸ یسعیاہ ۵۹: ۷-۸ ؎ مختصراً یہ کہ ان بے دینوں کے دل میں خدا کا خوف نہیں۔ اسی
لئے یہ ایسی ایسی شرارتیں کرتے ہیں۔ زبور ۳۶: ۱ ؎

۱۹ اور یہ امر ظاہر ہے کہ ان سب مقامات میں کتاب مقدس کا اشارہ یہودیوں کی طرف
ہے۔ لہٰذا یہودیوں کو کچھ فضیلت حاصل نہیں۔ کیونکہ کلام پاک انہیں بھی ایسا ہی گنہگار
بتاتا ہے جیسا کہ غیر یہودیوں کے متعلق ذکر ہو چکا ہے پس ساری دنیا کیا یہودی کیا غیر
یہودی سب کے سب خدا کے نزدیک سزا کے لائق ہیں۔ اور دنیا میں کوئی راستباز

۲۰ نہیں ؎ اور یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جیسے کہ غیر یہودی اپنی ضمیر کی شریعت
سے راستباز نہیں ٹھہرے۔ اسی طرح یہودی بھی موسوی شریعت سے راستباز
نہیں ٹھہرے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ شریعت انسان کو محض نیک و بد کی تمیز بخشتی ہے

ذکرِ الٰہی راستبازی۔

باب دوم

تبریر

۳: ۲۱ - ۴: ۲۵

پہلے باب میں ہم نے یہ دیکھا کہ سارا جہان۔ کیا یہودی کیا غیر یہودی سب گنہگار ہیں اور خدا کے غضب کے حقدار ہیں۔ کیونکہ غیر یہودیوں نے قانونِ فطرت کو توڑا اور اپنی ضمیر کی آواز کو دبایا اور اس کی رہنمائی کی پرواہ نہ کی اور یہودیوں نے شریعت کو توڑا اور اس کی رہنمائی پر نہ چلے۔ دوسرے باب میں اب ہم یہ دیکھیں گے کہ انسان کو گناہ اور غضبِ الٰہی سے بچانے کے لئے کس طرح " خدا کی راستبازی ایمان سے ایمان تک ظاہر ہوتی ہے " اول تو یہ الٰہی راستبازی گنہگار انسان کو ایمان سے راستباز ٹھہرانے میں ظاہر ہوتی ہے ۳: ۲۱ - ۴: ۲۵۔ دوم یہ گنہگاروں کو عالمِ گناہ سے نکال کر عالمِ قدس و حیات میں داخل کرنے سے ظاہر ہوتی ہے ۵ تا ۸

تبریر میں الٰہی راستبازی کا اظہار ۳: ۲۱ - ۴: ۲۵

تبریر کی مسیحی تعلیم یہ ہے کہ انسان ایمان سے راستباز ٹھہرایا جاتا ہے۔ یہودی شاید اسے عجیب تعلیم خیال کریں کیونکہ وہ اعمال سے راستباز ٹھہرائے جانے کے قائل ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تبریر کی مسیحی تعلیم شریعت سے بھی قدیم تر ہے۔ چنانچہ ہم کلامِ پاک میں پڑھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ختنہ کے بغیر ایمان سے راستباز ٹھہرائے گئے۔ اس تبریر کے ساتھ خدا نے انہیں وعدے بھی دیئے اور اپنی برکتوں سے مالا مال کیا۔ اور ختنہ کا نشان بخشا۔ ہم مسیحیوں کا ایمان بھی ابراہیمی ایمان ہے جس کے ساتھ خدا کی برکتیں اور وعدے ہیں اور جس سے انسان راستباز ٹھہرایا جاتا ہے۔

تبریر بالایمان ۳ : ۲۱ - ۲۶

۲۱ مگر اب شریعت کے بغیر خدا کی ایک راستبازی ظاہر ہوئی ہے جس کی
۲۲ گواہی شریعت اور نبیوں سے ہوتی ہے ٥ یعنی خدا کی وہ راستبازی جو یسوع
مسیح پر ایمان لانے سے سب ایمان لانے والوں کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ کچھ
۲۳ فرق نہیں ٥ اس لئے کہ سب نے گناہ کیا اور خدا کے جلال سے کمتر ہیں ٥
۲۴ مگر اس کے فضل کے سبب سے اس مخلصی کے وسیلہ سے جو مسیح یسوع
۲۵ میں ہے مفت راستباز ٹھہرائے جاتے ہیں ٥ اس کے خون پر ایمان رکھنے
کے باعث خدا نے اسے ایک کفارہ گاہ ٹھہرایا تاکہ جو گناہ پیشتر ہو چکے تھے
اور جن سے خدا نے تحمل کر کے طرح دی تھی ان کے بارے میں اس کی راستبازی
۲۶ کا اظہار ہو ٥ بس اب اس کی راستبازی کا اظہار ہو تاکہ وہ خود بھی راستباز
ٹھہرے اور جو یسوع پر ایمان لائے اس کو بھی راستباز ٹھہرانے والا ہو ٥

تبریر بالایمان کی گواہی کتاب مقدس میں موجود ہے۔ لیکن اس کا شرعی اصول
سے کچھ واسطہ نہیں۔ تبریر بالایمان کے مطابق الٰہی راستبازی کمائی نہیں جاتی بلکہ مسیحی
ایمان کے وسیلہ بطور بخشش حاصل کی جاتی ہے۔ کیونکہ خداوند مسیح حقیقی کفارہ گاہ ہے
جو انسان کے لئے الٰہی فضل اور حضوری کا باعث ہے۔ اور جو خدا کے عہد اور وعدوں
کا نگہبان اور پورا کرنے والا ہے۔ اور جو اپنے خون اور زندگی سے انسان کے گناہوں کا
کفارہ دیکر انہیں مخلصی بخشتا ہے۔ اس الٰہی انتظام کے مطابق خدا بھی راستباز ٹھہرتا
ہے کیونکہ وہ گنہگار انسان کی بیماری کا علاج کرتے ہوئے اپنے وعدوں اور عہدوں
کو قائم رکھتا ہے اور وہ انسان بھی راستباز ٹھہرایا جاتا ہے جو ایمان کے وسیلہ سردار
کاہن کی طرح اس کفارہ گاہ کے پاس پہنچتا ہے۔

۲۱ ا: ۷ میں ذکر ہو چکا ہے کہ انجیل میں خدا کی راستبازی ایمان سے ایمان تک

ظاہر ہوتی ہے۔ تیر بیر کا یہ نیا طریقہ صرف مسیحیت بتاتی ہے۔ اور گو یہ طریقہ ایک شرعی طریقہ نہیں تو بھی توریت اور انبیا اس کی گواہی دیتے ہیں۔ بغیر اس راستبازی کے تمام دنیا کا حال ہے اس کا بیان باب اول میں ہو چکا ہے ۔

۲۲ خدا کی یہ راستبازی ہر ایک فرد بشر کیلئے ہے چاہے وہ کسی قوم و ملت کا کیوں نہ ہو اور یہ اسے حاصل ہو جاتی ہے جو خداوند یسوع مسیح پہ ایمان لاتا ہے یعنی جو محبت کے ساتھ اس کی تابعداری کرتا ہے۔

۲۳ گناہ ایک عالمگیر حقیقت ہے جس سے کوئی انسان نہیں بچا۔ گو انسان کو خدا نے اپنی صورت پر خلق کیا تاکہ وہ "خدا کی صورت اور اس کا جلال ہو (اکر ۱۱: ۷) لیکن انسان خدا کی صورت اور جلال نہیں۔ اور خدا کی صورت اور اس کے جلال پر نہ ہونے ہی کا نام گنہگاری کی حالت ہے۔ اور جب انسان خدا کا جلال یا صورت ہی نہیں تو پھر اس کے پاس الٰہی محبت اور مزاج کہاں رہا اور وہ الٰہی شخصیت کا نمونہ کہاں رہا۔ وہ الٰہی فرزندیت سے گر گیا

۲۴ اور خدا کی حضوری اور اس کے جلوہ سے محروم ہو گیا ہے۔ پس سارا جہان خدا کے تخت عدالت کے سامنے مجرم کھڑا ہے اور شریعت ہر ایک کو عذاب کے حکم کے ساتھ خدا کے آگے پیش کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ مسیحی جو شریعت کے ماتحت نہیں وہ بھی خدا کے تخت عدالت کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ یہ اپنے جرم کے معترف ہیں اور اپنے کیے پہ سخت پشیمان ہیں۔ ان کی ساری امیدیں صرف خدا سے وابستہ ہیں اور یہ اپنی کسی چیز پر فخر نہیں کرتے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر خدا ان پہ ترس کھاتا ہے اور اپنے بڑے فضل سے مجرموں کے کٹہرے سے نکال کر انہیں اپنے پاس جگہ دیتا ہے۔ اور وہ جو پہلے مجرم تھے اب صادق نظر آتے ہیں گویا کہ ان کے اوپر کا جرم ثابت ہی نہیں ہوا یا خدا نے ان کے جرم کو نظر انداز کر دیا۔ جو پہلے شیطان اور گناہ کے غلام تھے وہ اب خدا کے غلام نظر آتے ہیں۔ گویا کہ خدا نے انہیں شیطان اور گناہ کی غلامی سے چھڑا کر خود اپنا خریدا غلام بنا لیا۔ یہ فضل ان پر اس لئے ہوا کہ ان کا رشتہ خداوند یسوع مسیح سے ایمان کے ذریعہ قائم ہو چکا ہے۔

یہ ایمان انہیں ایک نیا مخلوق بنا دیتا ہے جیسا کہ رسول پولس خود ایک نئے مخلوق بن گئے۔ یہ مسیحیوں کی کسی لیاقت اور خوبی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض خدا کے فضل سے ہے۔

۲۵ جب انسان پر اپنی گنہگاری کی حالت عیاں ہو جاتی ہے اور اس کے دل کی آنکھیں ایسی کھل جاتی ہیں کہ وہ خداوند مسیح کو پہچان سکے کہ وہ خدا کا بیٹا اور اس کا ظہور ہے جس کے وسیلہ سے خدا اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اور انسان اس عرفان پر جب اپنی خودی سے انکار کر کے خداوند مسیح کو اس طرح قبول کرتا ہے کہ اس سے ایسی محبت رکھے کہ اس کی شخصیت کو اپنی شخصیت اور اس کی ذات کو اپنی ذات اور اس کی روح کو اپنی روح اور اس کی زندگی کو عین اپنی زندگی بنائے تو اس حالت کا نام ایمان ہے۔ خداوند مسیح پر ایمان رکھنے کے یہی معنی ہیں کہ انسان خداوند مسیح کی شخصیت کو اپنی شخصیت میں اس طرح جذب کرتا جائے کہ خود مسیح جیسا بنتا چلا جائے اور مسیح جیسا بننے میں خدا کی صورت پر ڈھلتا جائے کیونکہ خداوند مسیح "خدا کے جلال کا پرتو اور اس کی ذات کا نقش" ہے یہ ایمان یا الٰہی صورت پر ڈھلنا ایک ابدی امکان ہے کیونکہ خدا لامحدود ہے اور انسان محدود۔ یہ ایمان خدا اور انسان کے رشتہ کو باپ اور بیٹے کا رشتہ بناتا ہے۔ کیونکہ خداوند مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ اس ایمان کا مظاہرہ تین طرح سے ہوتا ہے۔

(۱) چونکہ خداوند مسیح کی زندگی سے خدا کی ابویت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لئے مومن حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ باپ ہے اور اس پر ایسا بھروسہ رکھتا ہے جیسا کہ بیٹے کا باپ پر ہوتا ہے۔ یہ وہ دماغی کیفیت ہے جس سے دلی اطمینان حاصل ہوتا ہے اور رہنمائی ملتی ہے۔

(۲) اپنی زندگی کو خدا کے ہاتھ میں اس طرح سونپنا کہ اس کی مرضی کو اپنی مرضی جاننا۔ اس کی طبیعت کو اپنی طبیعت بنانا۔ اس کے مزاج کو اپنا مزاج بنانا۔ الغرض انسانی زندگی کا الٰہی زندگی میں تبدیل ہونا۔

(۳) زندگی میں ایسی اخلاقی وحدت اور استحکام کا ہونا جس کا بھروسہ کیا جا سکے جیسا باپ بیٹے پر بھروسہ کرتا ہے کہ وہ ایسی لائق اور واجب زندگی بسر کرتا رہیگا جو اس کے نام اور عہدہ کے مطابق ہو جس سے باپ کا نام ہو۔

خدا نے بنی اسرائیل کے ساتھ ایک عہد باندھا اور عہد کے ساتھ انہیں وعدے دئے۔ اس عہد کی یادگاری میں شہادت کا صندوق بنایا گیا جو عہد کی یادگاری کے ساتھ ساتھ خدا کی حضوری کا نشان بھی ہو گیا۔ اس صندوق پر ایک سرپوش بھی ہوا کرتا تھا جو خدا کے فضل کا نشان تھا۔ اور عہد کے صندوق پر فضل کے سرپوش کے سایہ کرنیکا مفہوم یہ ہوتا تھا کہ خدا اپنے بڑے فضل سے عہد کا محافظ اور اپنے وعدوں کا پورا کرنے والا ہے۔ کفارہ کے دن سردار کاہن فضل کے سرپوش پر قربانی کا خون چھڑکتا تھا۔ یہ قربانی چونکہ بنی اسرائیل کی طرف سے ہوتی تھی اس لئے قربانی کا خون ان کی مذہبی زندگی کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ فضل کے سرپوش پر خون کے پڑنے کا مفہوم یہ ہوتا تھا کہ خدا نے فضل سے امت کو اپنے حضور میں قبول کر لیا ہے اور گناہوں کی وجہ سے انہیں عہد اور وعدوں سے خارج نہیں کیا بلکہ ان کے گناہوں کو معاف کرکے انہیں ان کا شریک بنایا ہے۔ اسی نسبت سے یہ سرپوش کفارہ گاہ کہلاتا تھا۔ پولس رسول نے یہ سارا نقشہ حقیقی طور پر خداوند مسیح کی زندگی میں دیکھا۔ مسیح کی آمد عین خدا کی آمد اور اس کی حضوری خدا کی حضوری تھی۔ مسیح کے وسیلہ سے خدا اور خداوند مسیح پر ایمان رکھنے والوں کا ایک نیا عہد باندھا جاتا ہے۔ اس نئے عہد کا نشان خود خداوند کی جسمانی زندگی ہے جیسے کہ پہلے عہد کا نشان شہادت کا صندوق تھا۔ خداوند کا تجسم الہٰی فضل کا اظہار تھا جیسا کہ سرپوش الہٰی فضل کا نشان تھا۔ اس تجسم یا الہٰی فضل کے اظہار سے یہ بھی ظاہر ہے کہ خدا کا عہد اور اس کے وعدے جو بنی اسرائیل سے کئے گئے بیکار نہیں ہوئے۔ بلکہ مسیح میں ہمیشہ تک قائم رہیں گے۔ اور خدا اپنے عہد

اور وعدوں کو پورا کرنے میں وفادار ہے ۔ تیسرے مسیح کے ساتھ مصلوب ہونے کی وجہ سے
اس کی زندگی کفارہ گاہ ہو گئی جو مومنوں کے گناہوں کو مٹا کر انہیں خدا کے
حضور میں لاتی ہے اور انہیں الٰہی عہد اور وعدوں کا شریک بناتی ہے کیونکہ ایمان
کے باعث مسیح کی ذات ہمارے لئے ایک ایسی کفارہ گاہ بن جاتی ہے کہ ہم خدا کے
فضل سے غضبِ الٰہی سے محفوظ رہتے ہیں ۔ مسیح کا خون ہماری نئی زندگی کا نشان
بن جاتا ہے کیونکہ ایمان کے باعث مومنوں کی زندگی عین مسیح کی زندگی بنتی جاتی ہے
یہودیوں کے گناہ کی وجہ سے خدا کا عہد ٹوٹ جانا چاہیے تھا ۔ اور انہیں الٰہی غضب
کا شکار ہونا چاہیے تھا لیکن خدا نے تحمل کر کے طرح دی اور انھیں برباد نہیں ہونے
دیا اور اب مسیح کی آمد سے اس بات کا اظہار کیا کہ اس کا عہد اب تک قائم ہے ۔ اس
کی اس وفاداری سے اس کی راستبازی کا اظہار ہوتا ہے ۔ ایسی راستبازی کی جو انسان
کے بدلنے سے نہیں بدلتی بلکہ ہمیشہ قائم رہتی ہے ۔ کیونکہ الٰہی راستبازی عین اسکی
طبیعت کا اظہار ہے جو لاتبدیل ہے ۔ شبہ نہیں کہ اس کی راستبازی قیامت کے دن
یا آئندہ کسی اور وقت ظاہر ہو گی ۔ بلکہ اس وقت اور اب ظاہر ہونے لگی ہے کیونکہ
آخری زمانہ خداوند کی آمد سے شروع ہو چکا ہے جس میں ضرور ہے کہ الٰہی راستبازی
ظاہر ہو ۔ یہ راستبازی جو خداوند مسیح میں ظاہر ہوئی خدا کے غضب کا اظہار کر کے انسان
کو مجرم نہیں ٹھہراتی جیسا کہ شریعت سے ظاہر ہے بلکہ خدا کی محبت کا اظہار کرتے ہوئے
انسان کو قبول کرتی ہے اور اسے راستباز بناتی ہے جیسا کہ مسرف بیٹے کی مثال سے
ظاہر ہے ۔ خدا پیشتر بھی عادل تھا جبکہ غضب کا اظہار ہوا اور اب بھی عادل رہا جبکہ
اس نے گنہگار کو قبول کیا ۔ فرق یہ ہے کہ پہلے وہ منصف نظر آیا اور اب وہ باپ
نظر آیا جو بے انصاف نہیں ۔

ب ۳ : مسئلہ تبریہ کا حاصل کلام ۳ : ۲۷-۳۱

۲۷ پس فخر کہاں؟ قطعی نہیں۔ کونسی شریعت کے سبب سے؟ اعمال
۲۸ کی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایمان کی شریعت کے سبب سے۔ چنانچہ ہم یہ
نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان سے راستباز
۲۹ ٹھہرایا جاتا ہے۔ یا کیا خدا صرف یہودیوں ہی کا ہے؟ کیا غیر
۳۰ قوموں کا نہیں؟ یقیناً غیر قوموں کا بھی ہے۔ اگر خدا ایک ہی ہے تو
مختونوں کو بھی ایمان سے اور نامختونوں کو بھی ایمان ہی کے وسیلے سے
۳۱ راستباز ٹھہرائیگا۔ تو کیا ہم شریعت کو ایمان سے باطل کرتے ہیں؟ خدا
نہ کرے۔ بلکہ شریعت کو قائم کرتے ہیں۔

مسئلہ تبریہ سے یہ نتیجہ اخذ [illegible] کا جو [illegible] ہوتی ہے ایک
میں انسان کے اپنے فخر کی کوئی گنجائش نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہودی اور غیر یہودی دونوں کی یکساں
حیثیت ہے۔ کیونکہ خدا ایک ہے جو دونوں کو محض ایمان کے وسیلے سے راستباز ٹھہراتا ہے
مسئلہ تبریہ کو کوئی شریعت کی تعلیم کے خلاف نہ سمجھ لے۔ یہ شریعت کے خلاف نہیں بلکہ
شریعت اور کلام پاک کی تعلیم کے مطابق ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم کی مثال سے ثابت ہوگا

۲۷ اگر انسان ایمان سے راستباز ٹھہرایا جاتا ہے نہ کہ اعمال سے تو پھر فخر کرنے کی
گنجائش کہاں رہی۔ کیونکہ ایمان کی ابتدا تو اپنی نالائقیت اور کمزوری کے احساس سے
ہوتی ہے۔ ایمان کی حالت میں مومن اپنی کمی اور خدا کی بھرپوری کو دیکھتا ہے۔ خدا کی مفت
بخشش کی راستبازی میں انسان کو فخر کا موقع نہیں۔ رسول کا خود بھی ایسا ہی تجربہ تھا
کیونکہ جب تک وہ اعمال سے راستباز ٹھہرنے کی کوشش میں لگے رہے وہ ناکامیاب رہے
اور انہیں کوئی شانتی حاصل نہ ہوئی۔ لیکن مسیح کے طفیل کے ساتھ جو ان کے دل میں ایمان
پیدا ہوا اور انہیں شانتی اور تسلی ملی۔ کیونکہ انھوں نے اپنے آپ کو اب خدا کے حضور میں
۲۸ ایسا پایا جیسا کہ بیٹا اپنے باپ کے پاس ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ الٰہی راستبازی کے

۲۹ حصول کی شرط اعمال نہیں بلکہ ایمان ہے ۔ اگر راستبازی ایمان سے ہے نہ کہ اعمال سے تو پھر یہودی اور غیر یہودیوں میں کیا فرق رہا۔ اور سچ مچ کچھ بھی فرق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ
۳۰ خدا ایک ہی ہے ۔ اور اگر خدا ایک ہی ہے تو پھر کیا یہودی کیا غیر یہودی دونوں کے لئے خدا کا یکساں اصول ہے ۔ یعنی اصول ایمان جس کے باعث انسان راستباز ٹھہرایا جاتا ہے چاہے وہ یہودی ہو یا غیر یہودی ۔ یہ ہے انجیل کی خوشخبری جو یہودیوں اور غیر یہودیوں
۳۱ دونوں کو سنائی جاتی ہے ۔ ایسا نہ ہو کہ میرے مسئلہ تبریہ اور ایمان کی تعلیم کو کوئی شریعت کی تعلیم کے خلاف سمجھے ۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ شریعت اور کلام پاک کا بھی اصل اصول یہی ہے کہ انسان ایمان سے راستباز ٹھہرایا جا سکتا ہے ۔ جیسا کہ آگے ثابت کیا جائے گا چونکہ یہودی نامسیحی رسول کے خلاف یہ کہتے پھرتے تھے کہ وہ موسوی شریعت کے مخالف ہیں اس لئے رسول نے مناسب سمجھا کہ اس بات کا صاف اظہار کر دیں کہ میں شریعت کا مخالف نہیں بلکہ دراصل اس کے اصلی اصول کا قائم کرنیوالا ہوں تاکہ روم کے یہودی مسیحی بدظن نہ ہوں ۔

۴: ۱-۸ میں رسول نے تبریہ بالایمان کی نقلی دلیل شریعت یعنی توریت سے پیش کی ہے اور حضرت ابراہیم کی مثال سے اپنے مسئلہ کو ثابت کیا ہے ۔ یہودیوں کے لئے حضرت ابراہیم کی مثال کا وزن بہت ہی زیادہ تھا۔ کیونکہ یہودی ملت کی ابتدا اور خدا کی برکات اور وعدے سب ان ہی سے شروع ہوتے ہیں۔ گل ۳: ۱۵-۱۸ میں رسول فرماتے ہیں کہ جیسے کسی کے وصیت نامہ کی تصدیق کے بعد کوئی شخص اس میں گھٹا بڑھا نہیں سکتا۔ اسی طرح وہ عہد جو خدا نے حضرت ابراہیم کے ساتھ محض ان کے ایمان کی بنیاد پر باندھا اور جو وعدے ان سے ایمان کی وجہ سے کئے وہ ان کے انتقال کے بعد باطل نہیں ہو سکتے ۔ وہ چار سو تیس سال کے بعد شریعت آ کر اس میں گھٹا بڑھا نہیں سکتی ۔ اور نہ اس اصول میں کوئی تبدیلی کر سکتی ہے ۔

ب تبریہ بالایمان کی نقلی دلیل حضرت ابراہیم کی مثال ۴: ۱-۸

۱ پس ہم کیا کہیں کہ ہمارے جسمانی جدامجد ابرہام کو کیا حاصل ہوا؟

۲ کیونکہ اگر ابرہام اعمال سے راستباز ٹھہرایا گیا تو اُسے فخر حاصل ہے لیکن

۳ خدا کے نزدیک نہیں۔ نوشتہ کیا کہتا ہے؟ "اور ابرہام خدا پر ایمان لایا اور یہ اس

۴ کے لئے راستبازی گنا گیا"۔ کام کرنے والے کی مزدوری بخشش نہیں بلکہ حق

۵ سمجھی جاتی ہے۔ مگر جو شخص کام نہیں کرتا بلکہ بے دین کے راستباز ٹھہرانے والے

۶ پر ایمان لاتا ہے۔ اس کا ایمان راستبازی گنا جاتا ہے۔ چنانچہ جس شخص کے لئے خدا

بغیر اعمال کے راستبازی محسوب کرتا ہے۔ داؤد بھی اُسے مبارک کہتا ہے۔

۷ "مبارک ہیں وہ جن کی بدکاریاں معاف ہوئیں۔ اور جن کے گناہ ڈھانکے

۸ گئے۔ مبارک ہے وہ شخص جس کا گناہ خداوند محسوب نہ کرے گا۔"

حضرت ابراہیم بھی مسیحیوں کی طرح ایمان سے راستباز ٹھہرائے گئے نہ کہ شریعت کے اعمال سے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت تک شریعت آئی بھی نہ تھی۔ یہ راستبازی ان کے نیک اعمال کی کمائی نہ تھی بلکہ خدا کی بخشش تھی جو انھوں نے ایمان کے وسیلہ سے حاصل کی۔ حضرت داؤد بھی ایسوں کی مبارک حالی بیان کرتے ہیں۔ یہ مبارک حالی بے گناہی کی نہیں بلکہ معافی کی ہے جو خدا سے مفت حاصل ہوتی ہے۔

۱-۲ ہم یہودی اپنے جدامجد ابراہیم کی نسبت تو دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ضرور یہودیوں کی فوقیت اور اعمال کی گواہی دیں گے کیونکہ ہم یہودی یہ مانتے ہیں کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے راستباز شمار کئے گئے۔ اور اگر یہ سچ ہے تو بیشک انہیں اپنے اعمال کا فخر حاصل ہے۔ انھوں نے نیک اعمال حاصل کئے اور اعمال سے راستبازی کمائی۔ یشوع بن سیرخ حضرت ابراہیم کی نسبت فرماتے ہیں کہ "جس نے العلیٰ کی شریعت پر عمل کیا اور اس کے ساتھ ایک عہد باندھا۔ اور اپنے جسم میں عہد قائم کیا۔ اور آزمائش میں وفادار نکلا۔ اسی لئے

اُس نے (خدا نے) اُس سے قسم کھائی کہ قومیں تیری نسل سے برکت پائینگی"۔ ۴۴ : ۲۰۔ ۲۱۔ عام یہودی بالخاص ربیوں اور فریسیوں کا یہ خیال تھا کہ "ابرہام اپنے سارے اعمال میں خداوند کے نزدیک کامل تھا اور زندگی بھر راستبازی میں خوش کن تھا" یوبلی ۲۳ : ۱۰ (یہ کتاب دوسری صدی ق م کے آخر میں لکھی گئی) ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر ہے کہ پرانا عہد نامہ نے حضرت ابراہیم کے ایمان پر زور دیا۔ گو فریسی علما یہ تسلیم کرتے تھے کہ خدا کا وفادار ہونا اور اس کی وحدانیت پر ایمان رکھنا مذہب کا ضروری جز ہے لیکن وہ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ وفاداری صرف شریعت پر عمل کرنے کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم نے موسوی شریعت پر کس طرح عمل کیا۔ جبکہ یہ بہت بعد میں آئی۔ اس کا جواب وہ یہ دیتے تھے کہ گو شریعت اس وقت تک نہ ملی تھی تو بھی حضرت ابراہیم نے شریعت پر ایسے کامل طور سے عمل کیا جیسے کہ وہ اس سے واقف تھے۔ باروک کا مکاشفہ (یہ کتاب پولس رسول کے کچھ بعد لکھی گئی) کہتا ہے کہ "اُس وقت (یعنی آبا کے زمانہ میں) بے لکھی شریعت کا ان کے درمیان ذکر تھا اور احکام کی تعمیل ہوتی تھی"۔ ۵۷ : ۲۔ ایسی حالت میں حضرت ابراہیم کا فخر اپنے اوپر ہوتا نہ کہ خدا پر۔ لیکن ایمان کی راستبازی کے سبب ہم مسیحیوں کا فخر خدا پر ہے نہ کہ اپنے اعمال پر۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ "جو فخر کرے وہ خداوند پر فخر کرے"۔ ۱ کُر ۱ : ۳۱۔ حضرت ابراہیم کے متعلق یہ سب تو ہوئیں خیال آرائیاں لیکن کلام پاک خود کیا کہتا ہے پیدائش ۱۵ : ۶ میں یوں مذکور ہے کہ "اور وہ خداوند پر ایمان لایا اور اس نے اُس کے حق میں راستبازی شمار کیا"۔ یہاں اعمال کا ذکر نہیں بلکہ لفظ ایمان آیا ہے۔ "وہ خداوند پر ایمان لایا"۔ یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ خداوند کے احکام بجا لائے اور خدا کے حضور راستباز ٹھہرے بلکہ یہ کہ انکا یہی ایمان راستبازی شمار کیا گیا۔ لفظ شمار سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ہرگز اپنی ذات سے راستباز نہیں تھے لیکن خدا نے انہیں راستباز شمار کیا۔ حق تو یہ ہے کہ صرف خدا ہی راستباز ہے اور ہم گنہگار انسان اپنے مسیحی ایمان کے باعث محض اس کے فضل سے راستباز

۴ شمار کئے جاتے ہیں ٥ اور اگر وہ اعمال سے راستباز ٹھہرائے جاتے تو راستبازی شمار کئے جانے
کا کیا مطلب۔ کیونکہ اعمال سے انہوں نے راستبازی کمائی اور یہ انکی جائز مزدوری ٹھہری۔
۵ پھر خدا کا احسان کیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم کو راستباز شمار کیا ٥ لیکن اگر یہ بات ایسے شخص
کی نسبت کہی جائے جس نے اعمال سے راستبازی نہیں کمائی اور اپنی ذات سے خدا کے
آگے گنہگار اور بے دین ہے تو یہ ایک بڑی بات ہوگی۔ اور اس میں خدا کا احسان بھی
ہوگا۔ ایسی راستبازی خدا کی بخشش ہے اور کتاب مقدس سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت
ابراہیم بھی ایسے ہی شخص کی طرح خدا پر ایمان لائے اور ان کے ایمان کو خدا نے راستبازی
شمار کیا اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا گویا کہ وہ اپنی ذات سے سراسر نیک اور راستباز
۶ تھے اور ان میں کسی طرح کی کمی نہ تھی ٥ چنانچہ زبور میں بھی ایسے شخص کو مبارک کہا گیا
ہے جس کے گناہ کو خدا معاف کرتا ہے اور اپنے حضور میں بطور راستباز کے
قبول کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اعمال کے لحاظ سے راستباز نہیں بلکہ گنہگار ہے ٥
۷، ۸ زبور ۳۲: ۱-۲ میں اس شخص کی مبارک حالی بیان کی گئی ہے جس نے خداوند
کے احکام کو توڑا ہے اور خداوند کریم کی شریعت کے خلاف کیا ہے۔ نہ کہ اس
شخص کی جو شریعت کے احکام بجا لا کر بے داغ ثابت ہوا۔ ایسے گنہگار کی معافی
مبارکبادی کے لائق ہے۔ یہ ہے ان لوگوں کی مبارک حالی جو ایمان سے راستباز
ٹھہرائے جاتے ہیں۔ ان کے گناہ تو محسوب نہیں ہوتے لیکن ان کا ایمان راستبازی
شمار کیا جاتا ہے ٥

ب۔ تبریہ بالایمان کی نقلی دلیل۔ ختنہ کا نشان ۴: ۹-۱۲

۹ پس کیا یہ مبارکبادی مختونوں ہی کے لئے ہے یا نامختونوں
کے لئے بھی؟ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ "ابرہام کے لئے ایمان
۱۰ راستبازی گنا گیا" ٥ پس کس حالت میں گنا گیا؟ مختونی کی حالت

۱۱ میں یا نامختونی میں؟ مختونی میں نہیں بلکہ نامختونی میں ۔ اور اس نے ختنہ کا نشان پایا یعنی نامختونی کی حالت کے ایمان کی راستبازی کی مہر تاکہ وہ ان سب کا باپ ٹھہرے جو باوجود نامختون ہونے کے ایمان لاتے ہیں اور ان کے لئے بھی راستبازی محسوب

۱۲ ہو ۔ اور ان مختونوں کا باپ ہو جو نہ صرف مختون ہیں بلکہ ہمارے باپ ابرہام کی نامختونی کی حالت کے ایمان کے نقش قدم پر بھی چلتے ہیں ۔

خدا کا اعلان تیرے حضرت ابراہیم کے ختنہ پر موقوف تھا۔ کیونکہ یہ اعلان ختنہ سے پیشتر ہی ہو چکا تھا اور بعد میں ختنہ کا نشان اس اعلان کا ثبوت ٹھہرا۔ ختنہ سے پیشتر یہ اعلان اس لئے ہوا تاکہ یہودی اور غیر یہودی دونوں میں سے حضرت ابراہیم کی اولاد بن سکیں۔

۹ زبور ۳۲: ۱-۲ کی مبارکبادی محض یہودیوں کے لئے ہے یا غیر یہودیوں کے لئے بھی؟ یقینی دونوں کے لئے اور اگر یہ دونوں کے لئے ہے تو پھر ایمان سے راستباز ٹھہرائے جانے کا اصول ثابت ہو گیا۔ اور مختون اور نامختون کی تفریق باقی نہ رہی۔ جیسا کہ بعض سمجھتے ہیں کہ خدا کی وراثت میں صرف مختون ہی داخل ہو سکتے ہیں۔ اور ہم تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے لئے بھی ان کا ایمان راستبازی شمار کیا گیا۔ ختنہ انکی

۱۰ راستبازی نہ تھی بلکہ انکا ایمان راستبازی گنا گیا ۔ کوئی یہ یہودی یہ کہہ سکتا ہے کہ چاہے پیدائش ۱۵: ۶ میں "راستبازی شمار کیا" کا مفہوم کچھ بھی ہو لیکن حضرت ابراہیم نے حقیقتاً شریعت کو قبول کیا۔ اسی لئے ختنہ سے "اس نے اپنے جسم میں عہد قائم کیا" [illegible] لیکن کتاب مقدس سے کچھ اور ثابت ہوتا ہے۔ جس وقت خدا نے حضرت ابراہیم کو راستباز ٹھہرایا اس وقت وہ محض نامختون تھے جیسا کہ پیدائش ۱۵ سے ظاہر ہے اور حضرت ابراہیم کی

۱۱ اس نامختونی کی حالت میں خدا نے ان سے عہد اور وعدے بھی کئے ۔ اور بعد میں پ ٹیل میں ہم پڑھتے ہیں کہ خدا نے ختنہ کو عہد کا نشان مقرر کیا۔ یہ نشان خدا کے اعلان کی مہر ہوئی کہ حضرت ابراہیم ایمان سے راستباز ٹھہرائے گئے ۔ یہ ایمان کی راستبازی انہیں ختنہ سے پیشتر ہی حاصل تھی۔ جس سے یہ صریحاً ثابت ہے کہ انسان ایمان سے راستباز ٹھہرایا جاتا ہے اور حضرت ابراہیم ہم مسیحیوں کے بھی روحانی باپ ہیں جو ان ہی کی طرح ایمان سے راستباز ٹھہرائے جاتے ہیں۔ چاہے ہم یہودی ہوں یا غیر یہودی ۔

۱۲ اور وہ مختونوں کے جسمانی باپ ہوں لیکن روحانی باپ ان ہی مختونوں کے ہیں جو ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ یعنی جو خود بھی ان ہی کی طرح ایمان سے راستباز ٹھہرائے جاتے ہیں۔

ختنہ کے متعلق یہودیوں کی تعلیم یوبلی کے پچیسویں باب سے نہایت ہی واضح طور پر ظاہر ہو جائیگی۔ اقتباس حسب ذیل ہے :-

"یہ قانون ہمیشہ کے لئے ساری نسلوں کیلئے ہے۔ اور ختنہ کسی خاص زمانہ کا نہیں۔ اور نہ آٹھ دن سے زیادہ ایک دن بھی ٹالا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ابدی قانون ہے۔ جسکا حکم دیا گیا اور جو آسمانی لوحوں پر لکھا گیا اور جسکی پیدائش پر آٹھویں دن کھلڑی نہیں کاٹی لیجاتی وہ اس عہد کے فرزندوں میں سے نہیں جو خدا نے ابرہام کے ساتھ باندھا کیونکہ وہ بربادی کے فرزندوں میں سے ہے اور اس کے جسم پر کوئی ایسا نشان بھی نہیں جس سے وہ خداوند کا ظاہر ہو۔ بلکہ وہ قتل کر دینے اور دنیا سے مٹا دینے اور نیست کر دئے جانے کے قابل ہے کیونکہ اس نے ہمارے خداوند کے عہد کو توڑا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اب میں تجھے اطلاع دیتا ہوں کہ بنی اسرائیل اس حکم کو قائم نہیں رکھنے اور وہ اپنے فرزندوں کا اس قانون کے مطابق ختنہ نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ اپنے فرزندوں کے ختنہ کے عضو کو بے ختنہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور یہ سب کے سب بنی بلیعل میں جو اپنے فرزندوں کی پیدائش پر انہیں بے ختنہ چھوڑ دیتے ہیں اور بنی اسرائیل پر خداوند کا بڑا قہر نازل ہوگا کیونکہ انھوں

آدم اپنے گناہ پر مجرم ٹھہرائے گئے اور اس جرم کے گنہگار سارے بنی آدم ہوئے۔ اسی لئے خدا کا غضب سارے جہان پر ہے اور جہاں سارے بنی آدم گناہ کے گنہگار ہوئے وہاں خدا نے اپنے فضل سے یہ بھی انتظام کیا کہ ان کے گناہوں کی تلافی ہو اور وہ راستباز ٹھہرائے جائیں ؀

۱۷ حضرت آدم کے گناہ سے دنیا میں موت کی حکومت پھیل گئی اور سارے بنی آدم روحانی اور جسمانی موتوں کے بس میں ہو گئے۔ لیکن مسیحی جو خدا کے فضل اور راستبازی سے معمور ہو رہے ہیں وہ خداوند مسیح کے وسیلہ سے ابدی زندگی کے مالک ہوں گے ؀

۱۸ مختصراً یہ کہ جیسے حضرت آدم کا محض ایک قصور سارے بنی آدم کے لئے الہٰی غضب کا باعث ہو جاتا ہے۔ ویسے ہی محض الہٰی تدبیر سے انسان میں وہ صلاحیت آ جاتی ہے کہ آہستہ آہستہ خدا کی صورت پر ڈھلتے ہوئے بالآخر اس کا جلال حاصل کر کے ابدی زندگی کا وارث ہو ؀

۱۹ کیونکہ جیسے حضرت آدم کی نافرمانی سے سارے بنی آدم گناہ کے حصہ دار ہوئے اسی طرح خداوند مسیح کی فرمانبرداری اور الہٰی زندگی مومنوں کے لئے کامل نجات کا باعث ہوگی یا ایسی نجات جس میں مومنین بھی خداوند مسیح کی طرح فرمانبردار ہو جائیں گے ؀

۲۰ شروع شروع تو دنیا بغیر شریعت کے تھی۔ اور گو اس وقت بھی وہ آدم کے گناہ میں حصہ دار اور خدا کے غضب کا شکار تھی تو بھی انسان کا جرم اتنا بڑا ثابت نہ ہوا تھا جتنا بڑا موسوی شریعت کی آمد کے بعد ثابت ہوا۔ کیونکہ شریعت نے اور بھی واضح طور پر انسان کو ایک بہت بڑا مجرم بنا دیا اور اس طرح کہ

(۱) شریعت کی موجودگی میں انسان ممنوعہ امور کے ارتکاب پر مجرم ٹھہرا جن کے لئے وہ شریعت کی غیر موجودگی میں قابل الزام نہ تھا۔

(۲) شریعت کی موجودگی اور احکام کی پابندی کا انسان کے دماغ پر کچھ ایسا نفسیاتی اثر ہوتا ہے کہ وہ لامحالہ نیکی کے بجائے ممنوعہ بدی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ حالانکہ احکام کی غیر موجودگی میں اس بدی کی طرف اس کا کچھ ایسا رجحان نہ تھا بزرگ

آگسٹین کی مثال سے یہ خیال واضح ہو جائے گا۔ آپ اپنے اقرارات جزو دوم میں فرماتے ہیں کہ "اے خدا! تیری شریعت چوری کی سزا دیتی ہے اور یہ شریعت لوگوں کے دلوں پر لکھی ہے۔ جسے خود بدکاری بھی نہیں مٹا سکتی۔ کیونکہ کس قسم کا آدمی چور ہوگا؟ امیر نہیں بلکہ وہ جو غربت کے سبب سے چراتا ہے۔ پھر بھی میں نے چرانے کی خواہش کی بلکہ چوری کی۔ نہ بھوک سے مجبور ہو کر نہ غربت کے باعث بلکہ مال کی بہتات اور بدکاری میں ڈوبنے کے سبب۔ کیونکہ میں نے ایسی چیز کی چوری کی جو میرے پاس کافی تھی اور اس سے بہتر تھی۔ چوری کی چیز سے مزا اڑانے کے لئے نہیں بلکہ خود چوری اور گناہ سے لطف اندوز ہونے کے لئے۔ ایک ناشپاتی کا درخت ہمارے انگورستان کے قریب پھلوں سے لدا پڑا تھا۔ نہ اس کے رنگ سے کسی کا جی للچاتا تھا نہ اس کے ذائقہ سے۔ اس درخت کو جھاڑنے اور چوری کرنے کے لئے ہم جوانوں میں سے بعض بدمعاش بڑی رات گئے وہاں پہنچے (کیونکہ اپنے بیہودہ دستور کے مطابق اس وقت تک سڑکوں پر کھیلتے رہتے تھے) اور پھلوں کا ایک بہت بڑا ڈھیر جمع کیا۔ کھانے کے لئے نہیں بلکہ صرف چکھ کر سوروں کے آگے پھینکنے کے لئے۔ اور ایسا کرنا محض اس لئے ہم نے پسند کیا کیونکہ اوروں کو ناپسند تھا۔"

۲۱

لیکن جہاں انسان کا گناہ زیادہ تھا وہاں خدا کا نجات بخش فضل اس سے بھی زیادہ اور پر اثر ثابت ہوا۔ تاکہ جیسے گناہ مُردوں کی دنیا میں حکومت کرتا رہا اور گنہگار انسان روحانی اور اخلاقی طور پر مردہ ہے۔ اسی طرح خداوند یسوع مسیح کے وسیلہ سے خدا کا فضل تبریر کے ذریعے تا ابد کام کرتا رہے اور انسان کو ابدی زندگی کا وارث بنائے۔ ایسی حالت میں خدا کا فضل بھی تبریر کے ذریعے ابدی زندگی پر حکومت کرے گا۔ گناہ کی حکومت مُردوں پر اور فضل کی حکومت زندوں پر ہوگی۔ زندگی کے وارث خدا کے جلال کے شریک ہوں گے۔ اس زندوں کی دنیا کا مُردوں کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔

حیاۃ المسیح ٦ : ١ - ٨ : ٣٩

خداوند مسیح پر ایمان لاکر ہم اس کی زندگی کو اپنی زندگی میں اس طرح جذب کرتے جاتے ہیں کہ ہماری زندگی آہستہ آہستہ خداوند مسیح کی زندگی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس معاملہ میں روح القدس بھی ہمارا معاون اور مددگار ہے اور چونکہ یہ مسیح کا روح ہے اس لئے اس کی امداد سے ہماری زندگی مسیحی بنتی جاتی ہے اور اس کی موجودگی سے ہم خداوند مسیح کی زندگی اور اس کے تجربوں کے حصہ دار بنتے ہیں اور اس کی زندگی ہم میں ایسی سرایت کرتی ہے اور ہماری محبت اس کے ساتھ ایسی کامل ہے کہ ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ ہم اس کے ساتھ مر گئے اور دفن ہوئے اور پھر روح القدس کی قدرت سے جی اٹھے اور خدا کے حضور میں اس کے فرزندوں کی طرح زندگی گذارتے ہیں اور گناہ اور موت کے دائرہ سے نکل کر پاکیزگی اور قیامت کے دائرہ میں زندگی بسر کرتے ہیں اور اب چونکہ عالم ناسوت سے گذر کر عالم لاہوت میں پہونچ چکے اس لئے گناہ سے ہمارا کوئی تعلق باقی نہ رہا۔ کیونکہ ہم نے گناہ کی حکومت سے انتقال کر کے الٰہی زندگی کی حکومت میں جنم لیا اور چونکہ شریعت کا تعلق عالم گناہ اور ناسوت سے ہے اس لئے ہمارا تعلق کسی ایسی شریعت سے بھی نہ رہا جو ہماری طبیعت اور مزاج کے خلاف خارج سے ہمارے اوپر آئی ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم گناہ کرنے پر دلیر ہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ کہ روح القدس کی موجودگی سے ہمارے باطن میں ایک ایسی شریعت پیدا ہوئی جو نقطۂ الٰہی ہے بلکہ عین ہماری طبیعت اور مزاج کے مطابق ہے۔ چونکہ یہ طبعی شریعت اسی عالم حیات و بقا کی ہے جہاں ہم بھی اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اسی لئے یہ شریعت الٰہی اور مسیحی اور ہماری ہے۔ جیسا کہ حضرت یرمیاہ نبی بھی فرماتا ہے کہ دیکھ وہ دن آتے ہیں خداوند فرماتا ہے۔ جب میں اسرائیل کے گھرانے اور یہوداہ کے گھرانے کے ساتھ نیا عہد باندھوں گا۔ اس عہد کے مطابق نہیں جو میں نے ان کے باپ دادوں سے کیا۔ جب میں نے ان کی دستگیری کی تاکہ ان کو ملک مصر سے نکال لاؤں اور انھوں

نے میرے اس عہد کو توڑا اگرچہ میں ان کا مالک تھا خداوند فرماتا ہے۔ بلکہ یہ وہ عہد ہے
جو میں اُن دنوں کے بعد اسرائیل کے گھرانے سے باندھوں گا۔ خداوند فرماتا ہے میں
اپنی شریعت ان کے باطن میں رکھوں گا اور ان کے دل پر اسے لکھوں گا اور میں انکا خدا
ہونگا اور وہ میرے لوگ ہوں گے اور پھر اپنے پڑوسی اور اپنے بھائی کو یہ کہہ کر تعلیم
نہ دیں گے کہ خداوند کو پہچانو کیونکہ چھوٹے سے بڑے تک وہ سب مجھے جانینگے۔ خداوند فرماتا
ہے اس لئے کہ میں ان کی بدکرداری کو بخش دونگا اور ان کے گناہ کو یاد نہ کرونگا ۳۱ : ۳۱ سے ۳۴

ب۔ خداوند مسیح کی زندگی میں مسیحیوں کی شمولیت اور اس کی موت وقیامت میں شراکت

۶ : ۱ - ۱۴

پانچویں باب میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ رسول نے کلیسیا اور خداوند کو یک تن تصور
کیا۔ چنانچہ ایک کا دکھ سکھ دوسرے کا بھی دکھ سکھ ہوا۔ خداوند مسیح مرا اور پھر زندہ
ہو گیا اور "ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب ایک سب کے واسطے موا تو سب مر گئے"۔ ۲ک ۵ : ۱۴۔ یہ وہ
لوگ ہیں جو ایمان کے وسیلہ سے "مسیح کے بدن" کے شریک ہو جاتے ہیں۔ قدیم سے کلیسیا نے
ایسے مومنوں کو بپتسمہ کی مقدس رسم کے ذریعے خداوند مسیح کے بدن کا شریک بنایا۔ یہاں
نابالغوں کے بپتسمہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ رسول محض ان لوگوں سے مخاطب تھے جو بپتسمہ
پا چکے تھے اور بالغ بھی۔ ساتھ ہی ساتھ بغیر بپتسمہ کے خداوند کے بدن کی شراکت کا خیال بھی رسول
کے تخیل سے باہر تھا۔ رسول نے یہاں بپتسمہ پر بحث نہیں کی ہے کہ کس طرح اور کب دینا چاہیے اور کس طرح
اور کب نہیں بلکہ بپتسمہ کے متعلق عام خیالات کو قبول کرتے ہوئے تعلیم دینے کی کوشش کی ہے اور
مسیحی تحریروں کو ایسے الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو آسانی سے سمجھ میں آ سکے۔

پس ہم کیا کہیں؟ کیا ہم گناہ میں مدام رہیں تاکہ فضل زیادہ ہو؟ ۵ خدا
نہ کرے۔ ہم جو گناہ کے لئے مردہ ہو گئے کیسے اس میں اب بھی زندگی گذاریں؟ ۵

٣ یا کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جتنوں نے مسیح یسوع میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا اس کی موت
میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا؟ پس موت میں شامل ہونے کے بپتسمہ کے ذریعہ ہم اس کے
ساتھ دفن ہوئے تاکہ جس طرح مسیح باپ کے جلال کے وسیلہ سے مردوں میں سے جلایا
٥ گیا اسی طرح ہم بھی نئی زندگی میں قدم ماریں ۝ کیونکہ اگر ہم اس کی موت کی مشابہت
سے اس کے ساتھ پیوستہ ہو گئے ہیں تو [اس کی] قیامت کی [مشابہت سے]
٦ بھی [اس کے ساتھ پیوستہ] ہونگے ۝ چنانچہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہماری پرانی انسانیت
اس کے ساتھ مصلوب ہوئی تاکہ گناہ کا بدن ایسا معطل ہو جائے کہ ہم گناہ کے غلام باقی
٧ نہ رہیں ۝ کیونکہ جو موا وہ گناہ سے بری ہوا ۝ اور اگر ہم مسیح کے ساتھ موئے تو ہمیں
٩ یقین ہے کہ اس کے ساتھ جیئنگے بھی ۝ کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ مسیح مردوں میں سے
١٠ جی اٹھ کر پھر نہیں مرنے کا۔ موت کا پھر اس پر اختیار نہیں ہونے کا ۝ کیونکہ وہ جو موا
١١ بس گناہ کے لئے ایک دم مردہ ہو گیا۔ اور جو زندہ ہے خدا کے لئے زندہ ہے ۝ اسی
طرح تم بھی گناہ کے لئے اپنے آپ کو مردہ شمار کرو۔ پر خدا کے لئے مسیح یسوع میں زندہ ۝
١٢ پس گناہ تمہارے فانی بدن میں بادشاہی نہ کرے کہ تم اس کی خواہشوں کے فرمانبردار
١٣ ہو جاؤ ۝ اور اپنے اعضا کو ناراستی کے ہتھیار کی طرح گناہ کے حوالہ نہ کیا کرو بلکہ
اپنے آپ کو مردوں میں سے زندہ جان کر خدا کے حوالہ کرو اور اپنے اعضا راستبازی
١٤ کے ہتھیار کی طرح خدا کے ۝ اس لئے کہ گناہ کا تم پر اختیار نہ ہوگا۔ کیونکہ تم شریعت
کے ماتحت نہیں بلکہ فضل کے ماتحت ہو ۝

اگر گناہوں کی کثرت اور وضاحت فضل کی کثرت کا باعث ہوئی تو پھر کیوں گناہوں کو
نہ فروغ دیا جائے یہ ذرا نا ممکن ہے۔ ایک بپتسمہ یافتہ مسیحی گناہ کرتا نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ بپتسمہ
ہی سے گناہ اور موت سے انفصال کر کے راستبازی اور حیات میں داخل ہو۔ بپتسمہ تو ایک جدید روحانی
حقیقت کا اظہار ہے جس کا ہر ایک مسیحی کو تجربہ ہے۔

خوب اچھی طرح سے جانتے ہو کہ بپتسمہ لے کر مسیحی ہونے کا مفہوم کیا ہے۔ بپتسمہ کا مفہوم صرف
خداوند مسیح کی وفاداری کا اقرار نہیں بلکہ خداوند مسیح کے ساتھ ایک جسمی کا اظہار ہے۔ اور
اس طرح یہ خداوند مسیح کی موت، دفن اور قیامت میں روحانی شرکت کا تمثیلی اظہار بھی
ہو جاتا ہے۔ جبکہ بپتسمہ کے لئے مومن پانی میں اترتا ہے تو یہ موت کا نشان ہے اور پانی
کے اندر غوطہ دفن کا نشان ہے۔ پھر پانی کے اندر سے نکلنا قیامت یا جی اٹھنے کا نشان
ہے۔ خداوند مسیح کے نام سے جب کوئی بپتسمہ لیتا ہے تو وہ اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ میں خداوند کے
۴ ساتھ یک تن ہوں اور اس کے تجربوں کا حصہ دار ہوں ۔ اس کی صلیبی موت ہماری صلیبی موت
تھی کیونکہ دراصل گنہگار ہم ہیں۔ اس کا دفن ہونا ہمارا دفن ہونا تھا کیونکہ مٹنے والی گنہگار انسانیت
کے وارث ہم تھے۔ یہی نہیں بلکہ خدا کا شکر ہے کہ ہم اس کے ساتھ جی بھی اٹھے۔ وہ زندہ
اس لئے ہوا کہ وہ خدا کی صورت پر تھا اور اس کا گناہ سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ ہم مسیحی اس تجربہ
کے شریک اس طرح ہیں کہ ایمان کے باعث خداوند مسیح سے محبت رکھتے ہوئے روح
القدس کی قدرت سے گناہ آلود انسانیت سے ہٹ کر خدا کی صورت پر خلق ہونے جاتے ہیں
قیامت کے بعد کی یہ نئی زندگی پاکیزگی کی زندگی ہے جس کا گناہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ زندگی
آسمانی اور روحانی ہے جو خداوند مسیح سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے مناسب ہے کہ ہم اب
۵ پاکیزگی کی دنیا میں الٰہی زندگی میں ترقی کرتے جائیں ۔ جب ہم خداوند کے ساتھ یک تن
ہو گئے تو پھر اس کے سارے تجربوں میں شامل ہیں۔ جیسے اس کی موت میں ہماری موت
ہے۔ اسی طرح اس کی قیامت کے بھی حصہ دار ہیں۔ یعنی ایسی زندگی جو اخلاقی اور روحانی
طور پر خدا کے حضور میں بسر کرنے کے قابل ہو۔ یہی نہیں بلکہ حشر کے دن لازوال زندگی
کے لئے جی اٹھیں گے اور جیسے کہ ہمارا خداوند ابدالآباد زندہ ہے۔ ہم بھی زندہ رہیں گے
۶ ہم مسیحیوں کا تجربہ ہے کہ جیسے خداوند کا فانی بدن مصلوب ہوا۔ اسی طرح ہماری پرانی
انسانیت بھی اس کے ساتھ مصلوب ہوئی۔ یعنی ہماری زندگی کے وہ سب امور جو ہمیں گناہ

کا شریک بناتے تھے مردہ ہو گئے۔ اور خداوند کی زندگی ہم میں اس طور سے کام کرنے لگی کہ اسی
مردہ انسانیت میں سے ایک ایسی نئی انسانیت نمودار ہونے لگی جو خدا کی صورت پر ہے
اور ہماری پرانی انسانیت اس لئے مٹائی گئی تاکہ ہم آئندہ گناہ کی غلامی میں زندگی نہ
کاٹیں اور ہماری گناہ آلود ذات نیست و نابود کی گئی اور اب اس کی جگہ ایک راستباز
ذات نمودار ہوئی۔ یعنی ایک ایسی شخصیت جسے خدا نے اپنی صورت پر خلق کیا۔ اس آیت
میں بدن سے مراد خون اور گوشت کا جسم نہیں بلکہ انسانی ذات یا گناہ آلود شخصیت ہے۔ یہ
گناہ آلود شخصیت مٹتی جاتی ہے اور راستباز شخصیت پیدا ہوتی جاتی ہے یعنی اگر بدن ۵
۷ اور جیسے مردہ شریعت کا مکلف نہیں ہوتا کیونکہ "جب انسان مرگیا تو وہ شریعت اور احکام
سے بری ہے" ویسے ہی ایک مسیحی پر بھی گناہ کا اختیار نہیں کیونکہ وہ عالم گناہ سے گذر کر خدا
۸ کی بادشاہت میں جا پہنچا ہے ۵ اور اگر ہم مسیح خداوند کے ساتھ یک تن ہو کر مر گئے تو اس
یک تنی کے باعث اس کے ساتھ جی بھی اُٹھے۔ اس کی موت اور قیامت دونوں کے ہم
شریک ہیں۔ روحانی اور اخلاقی قیامت شروع ہو چکی ہے اور کاملیت کی طرف ہمیں پہونچا
رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہماری پوری شخصیت کمال پر پہونچے گی اور حشر کے روز ہماری جسمانی شخصیت
۹ کی قیامت ہوگی اور وہ بھی کمال پر پہونچے گی ۵ خداوند کے ساتھ یک تن ہو کر جب ہم جی اٹھے
تو پھر دوبارہ گناہ میں گرنے کا اندیشہ باقی نہ رہا کیونکہ خداوند دوبارہ نہیں مرنیکا۔ وہ ہمیشہ
کے لئے موت سے زندگی میں اور گناہ آلود دنیا سے عالم لاہوت میں جا پہونچا اور ہم جو اس
کے ساتھ ہیں ہمارا بھی یہی حال ہے۔ چنانچہ ہماری گناہ آلود انسانیت مٹتی جاتی ہے اور
ہمیں نئی انسانیت اور نئی یا غیر ذات عطا ہوئی ہے جو کبھی برباد نہیں ہو سکتی
۱۰ کیونکہ اس نے خداوند نے اپنی زندگی میں گناہ کو شکست فاش دی اور یہاں تک فرمانبردار
رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی "فلپ ۲: ۸۔ دوسرے لفظوں میں خداوند نے مرنا قبول کیا
مگر گناہ کو اپنی زندگی میں جگہ دینا قبول نہ کیا۔ اسی لئے اس کی موت میں گناہ کی فتح کے بجائے

گناہ کی شکست کا اظہار ہے ۔ دوسرے کی موت تو گناہ کی کامیابی کا نشان ہے ۔ کیونکہ
یہ گناہ کا نتیجہ ہے ۔ لیکن خداوند نے اپنے "نفس میں گناہ کو جرم قرار دیا" ۸: ۳ اور گناہ کی
کراہیت ظاہر کیا ۔ وہ گناہ کے معاملات میں ایسا بے حس اور مردہ سا تھا کہ اس کی زندگی گناہ
کے لئے بالکل بے مصرف تھی ۔ لیکن راستبازی اور پاکبازی کے لئے وہ ابدالآباد زندہ اور خدا
۱۱ کا وفادار ہے ۔ جیسے خداوند اپنی زندگی میں گناہ کے لئے مردہ اور خدا کے لئے زندہ تھا ۔
اسی طرح تم بھی گناہ کے لئے مردہ اور بے کار ہو جاؤ اور خداوند مسیح میں خدا کے لئے زندہ
رہو کیونکہ تم خداوند کے ساتھ یک تن ہو ۔ تمہاری ساری طاقتیں اور صلاحتیں خدا کی
خدمت اور جلال کے لئے جاگتی رہیں اور گناہ کے لئے سوتی رہیں ۔ تاکہ گناہ تم سے کسی طرح کا
کام نہ لے ۔ یہ ہے مسیحی ایمان کا نتیجہ اور خدا کے فضل کا کام ۔ پس کیا کسی مسیحی کے دماغ
میں بھی یہ بات آسکتی ہے کہ "گناہ میں مدام رہیں تاکہ فضل زیادہ ہو" ۔ رسول کی ہرگز تعلیم
نہیں کہ ایک مسیحی گناہ سے تعلق رکھ سکتا ہے ۔ اور گناہ آلودہ انسانیت کو قائم رکھ سکتا ہے بلکہ
یہ ہے کہ "اگر کوئی مسیح میں ہے تو وہ نیا مخلوق ہے ۔ پرانی چیزیں جاتی رہیں ۔ دیکھو وہ
۱۲ نئی ہو گئیں" ۲ک ۵: ۱۷ ۔ گو تم خداوند مسیح کے ساتھ یک تن ہو اور اس کی ساری زندگی
کے تجربوں کے حصہ دار ہو تاہم یاد رکھو کہ جب تک تم بھی اپنی رضامندی اور دلی کوشش سے
اس کی زندگی کو اپنی زندگی نہ بناؤ اس وقت تک خداوند مسیح سے تمہیں کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا
پس خبردار گناہ جو تمہاری رضامندی اور مسیحی کوشش کی سستی کی وجہ سے تمہاری ذات
میں اپنی سکونت اختیار کر سکتا ہے کسی طرح تم میں گھر نہ کر لے اور تم کو اپنا مطیع نہ بنا لے ۔
تم مسیح کے ساتھ یک تن ہو اور چاہیئے کہ تم بھی اپنی کوشش سے اس رشتہ کو قائم رکھو ۔
کیونکہ تبدیلی سے کوئی انسان یکایک پاک نہیں ہو جاتا ۔ نہ وہ یکایک خدا کی صورت پر ڈھل
جاتا ہے ۔ بلکہ نجات کا کام تبدیلی سے شروع ہوتا ہے ۔ ابد تک قائم رہتا ہے اور آہستہ آہستہ
انسان کی تقدیس ہوتی رہتی ہے ۔ یہاں تک کہ وہ ایک وقت میں خدا کی صورت پر پہونچ جائیگا

اور تب وہ جو گناہ کے باوجود بھی راستباز ٹھہرایا گیا ہے گناہ سے چھٹکارا پاکر سچ مچ اپنی ذات
سے راستباز ہوگا۔ پھر ایک مسیحی کو ہوشیار رہنا چاہیئے کہ کہیں کسی وجہ سے اس کی نجات کا
کام رک نہ جائے اور پھر اس گناہ کے شکنجے میں نہ پڑے جہاں سے دوبارہ نکلنا آسان
نہیں۔ پس چاہیئے کہ انسان کا جسم شیطان کا مسکن نہ بنے کہ انسان جسم کی شیطانی خواہشوں
میں پڑ جائے ۔ اور چاہیئے کہ جسم کے اعضا اور ہماری مادی اشیا شیطان کے حوالہ نہ کیجائیں ۱۳
کہ وہ انہیں اپنا حربہ بنا کر گناہ کی خدمت کے لئے استعمال کرے بلکہ یہ خدا کی خدمت کے
لئے مخصوص کی جائیں اور چاہیئے کہ تم اپنے آپ کو موت اور گناہ میں سے نکلکر پاکیزگی کے
لئے زندہ جان کر اپنے تن من دھن اور اپنی ساری لیاقتوں اور صلاحیتوں بلکہ اپنی ساری
شخصیت کو خدا کے حوالہ کرو تاکہ وہ انہیں راستبازی کے ہتھیار کی طرح تمہاری نجات
اور اپنے جلال کے لئے استعمال کرے۔ کیونکہ "تمہارا بدن روح القدس کا مقدس ہے
جو تم میں بسا ہوا ہے" (۱-کر ۶: ۱۹-۲۰) ۱۴ تم یقین کرو کہ اگر تم کلی طور پر اپنے آپ
کو خدا کی خدمت کے لئے مخصوص کرو گے اور گناہ سے منہ موڑو گے تو تمہیں کچھ ضرر نہ پہنچیگا۔
کیونکہ تم نہ گناہ کی دنیا میں ہو نہ شریعت کی حکومت میں بلکہ تم راستبازی کی دنیا میں اور فضل کی
حکومت میں ہو۔ جہاں خداوند مسیح کے ساتھ یک تن ہو کر گناہ کے لئے مر چکے ہو۔ پھر راستبازی
کے لئے نئی طاقتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ خداوند میں جی اٹھے ہو۔ کیا اس تعلیم میں کوئی
ایسی بات ہے جو انسان کو گناہ کرنے میں دلیر بنائے جیسا کہ رسول کے مخالفین سمجھتے تھے؟ ۱۵

ب۔ شریعت کے بجائے فضل سے رشتہ ۶: ۱۵-۲۳

مسیحی ایمان کے وسیلہ مومنین اب گناہ سے نکل کر راستبازی میں داخل ہو چکے ہیں
جہاں گناہ کی گذر نہیں۔ پیشتر گناہ میں زندگی بسر کرتے ہوئے وہ گناہ کے غلام تھے۔
لیکن اب گناہ کی غلامی سے آزاد ہو کر راستبازی کے خادم ہیں اور گناہ سے ان کا رشتہ
تعلق پورے طور سے منقطع ہو گیا۔ اور جیسے مردہ شریعت کا مکلف نہیں ہوتا اسی طرح ہم بھی

بھی شریعت کی تکلیف سے آزاد ہیں۔ کیونکہ ہم عالمِ گناہ سے انتقال کر گئے جہاں انسان شریعت
کا مکلف ہوتا ہے لیکن اس عالم گناہ سے انتقال کر کے ہم عالم پاکیزگی میں جا پہنچے۔
جہاں شریعت کے بجائے فضل اور گناہ کے بدلے روح القدس ہے۔ شریعت کی
دنیا میں ہم مردہ ہیں اور ہماری اس دنیا میں شریعت مردہ ہے کیونکہ شریعت کا نہ اس دنیا
کوئی تعلق ہے نہ یہاں اس کا کوئی کام ہے۔ اور چونکہ شریعت یہاں مردہ ہے اس لئے ہمارا
شریعت سے کوئی تعلق نہ رہا اور ہم اس کے پابند باقی نہ رہے۔ اور جیسے کہ شوہر کے
مرنے پر بیوی آزاد ہے کہ دوسری شادی کرے۔ اسی طرح ہمارا بھی حق ہے کہ ہم شریعت
سے آزاد ہو کر خداوند مسیح سے اپنا نیا رشتہ قائم کریں۔ اور چونکہ وہ ابدالآباد زندہ ہے
ہم بھی ابدالآباد اس کے پابند اور وفادار رہیں اور اس نئے رشتہ کے مطابق اپنی
زندگی گذاریں۔

ب غلامی کی مثال ۶: ۱۵-۲۳

۱۵ تو پھر؟ کیا ہم گناہ کریں اس لئے کہ ہم شریعت کے ماتحت نہیں
۱۶ بلکہ فضل کے تحت ہیں؟ خدا نہ کرے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جس کی فرمانبرداری
کے لئے اپنے آپ کو غلاموں کی طرح حوالہ کرتے ہو اُسی کے غلام ہو جس کے
فرمانبردار ہو خواہ گناہ کے جس کا انجام موت ہے خواہ فرمانبرداری کے جس کا انجام
۱۷ راستبازی ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اگرچہ تم گناہ کے غلام تھے تو بھی دل سے
اس طرز تعلیم کے جس کے تم حوالے کئے گئے تھے فرمانبردار ہو گئے
۱۸ اور گناہ سے آزاد ہو کر راستبازی کے غلام ہو گئے۔ میں تمہاری نفس کی کمزوری
۱۹ کے باعث انسانی طور پر کہتا ہوں کہ جس طرح تم نے اپنے اعضا
کو غلاموں کی مانند ناپاکی اور بدکاری کے حوالے کیا تھا اسی طرح اب تقدیس کے
۲۰ لئے اپنے اعضاء کو غلاموں کی مانند راستبازی کے حوالے کر دو کیونکہ جب تم گناہ کے

۲۱ غلام تھے تو راستبازی سے آزاد تھے ۵ پر اس وقت تمہیں کیا پھل ملتا تھا؟ جن باتوں
۲۲ سے اب تم شرمندہ ہو۔ کیونکہ انکا انجام موت ہے ۵ لیکن اب گناہ سے آزاد
اور خدا کے غلام ہو کر تمہیں تقدیس کے لئے اپنا پھل ملتا ہے اور اسکا انجام
۲۳ ابدی زندگی ہے ۵ کیونکہ گناہ کی مزدوری موت ہے مگر خدا کی بخشش ہمارے
خداوند مسیح یسوع میں ابدی زندگی ہے ۵

لوگوں کا اعتراض تھا کہ رسول کی تعلیم گناہ کرنے کے لئے دلیر بناتی ہے۔ رسول نے جواب دیا کہ ایک مسیحی ایمان کے وسیلہ سے گناہ کے حلقہ سے نکل کر زندگی کے حلقہ میں پہنچتا ہے جہاں گناہ کا دخل ہی نہیں۔ اسی خیال کو ۶: ۱-۱۴ میں اس طرح پیش کیا کہ بپتسمہ اس امر کا اظہار ہے کہ مسیحی کی گناہ آلودہ انسانیت مر جاتی ہے اور راستبازی کی نئی انسانیت نمودار ہوتی ہے۔ اب ۶: ۱۵-۲۳ میں اسی خیال کو سمجھانے کے لئے غلامی کی رسم سے ایک مثال پیش کی ہے اور زندگی کی اس تبدیلی کو آقا کی تبدیلی کہا ہے۔ ہر ایک مسیحی مومن بننے سے پیشتر گناہ کا غلام تھا۔ اس کی زندگی گندی اور اس کے گناہ کی مزدوری موت تھی۔ لیکن اب ایمان کی وجہ سے گناہ سے اسکا تعلق کٹ گیا اور راستبازی سے ایک نیا رشتہ قائم ہو گیا۔ اس بحث کو بھی رسول نے اسی پرانے اعتراض سے شروع کیا ہے۔

۱۵ کیا ایک مسیحی جو شریعت سے چھوٹ کر فضل کے ماتحت ہو گیا ہے اپنے آپ کو گناہ
۱۶ کرنے پر دلیر پا سکتا ہے؟ خدا نہ کرے ۵ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ انسان جس کی پابندی کے لئے اپنے آپ کو تابعدار بناتا ہے اسکا غلام ہے۔ پس تم بھی اگر گناہ کے پابند ہو تو گناہ کے تابعدار غلام ہو۔ اور اگر حق اور مسیح کے پابند ہو تو اس کے تابعدار غلام ہو۔ گناہ کی پابندی کا انجام موت ہے۔ اور خداوند مسیح کی تابعداری کا انجام نجات ہے۔ جس کی ابتدا تبریت سے ہوتی ہے۔ اور یاد رہے کہ "کوئی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا" متی ۶: ۲۴۔ پس یا تو تم گناہ کے غلام ہو۔

۱۷ یا خداوند مسیح کے کیونکہ تم دونوں کی تابعداری نہیں کر سکتے ۵ لیکن خدا کا شکر ہے کہ گو تمھاری زندگی میں ایک وقت تھا جب تم گناہ کے پابند تھے اور اس کے تابعدار غلام تھے۔ لیکن جب خداوند پر ایمان لائے اور بپتسمہ کے لئے تیار ہوئے تو گناہ کی تابعداری کو ترک کیا۔ اور دل سے خداوند مسیح کی تعلیم کی تابعداری کے خواہاں ہوئے۔ جس کے سانچے میں تم ڈھل بھی گئے۔ کیونکہ خداوند سے یک تن ہو کر تم اس کی زندگی کے ایسے شریک ہو گئے کہ اس کے خیالات تمہارے خیالات بننے لگے اور اس کے افعال تمہارے افعال ہونے لگے۔ خداوند مسیح کی تعلیم تمہیں بزرگوں سے حاصل ہوئی۔ جسے سنکر تم خداوند پر ایمان لائے اور اس کی شکل پر ڈھلنے لگے ۵

۱۸ اور اب تم گناہ کے غلام باقی نہ رہے۔ کیونکہ تم گناہ کے پابند نہیں بلکہ اس تبر بار راستبازی کے پابند ہو جو تمہیں ایمان کے وسیلہ حاصل ہوئی اور ضرور ہے کہ تمہاری زندگی اس راہ پر لگے جس پر یہ تبریہ تمہیں ڈالتی ہے۔ تمہاری زندگی کا رُخ اب گناہ کا رُخ باقی نہ رہا بلکہ تبریہ کے رُخ میں تبدیل ہو گیا۔ مختصراً یہ کہ تم شیطان کے غلام اور گناہ کے پابند نہیں بلکہ خداوند مسیح کے غلام اور راستبازی کے پابند ہو۔ اس

۱۹ خیال کو رسول نے دوسرے لفظوں میں گناہ کی غلامی اور راستبازی کی غلامی کہا ہے ۵ میں نے تمھارے نفس کی کمزوریوں کو مدنظر رکھ کر آقا اور غلام کی مثال سے تمہیں سمجھانا چاہا! غلام کی غلامی مجبوری ہے اور وہ مجبوراً تابعدار رہتا ہے۔ لیکن تمہارا یہ حال نہیں۔ خداوند مسیح کی غلامی میں کوئی مجبوری نہیں بلکہ مسیحی خوشی سے خداوند کی غلامی کو قبول کر کے اپنی تبریہ کا پابند بنتا ہے۔ اسی لئے میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مجبوری سے نہیں بلکہ خوشی سے اپنی ساری جسمانی طاقتوں اور دماغی صلاحیتوں کو خداوند مسیح کے حوالہ کر دو اور اپنی تبریہ کی خدمت کے لئے انھیں استعمال کرو تاکہ تمہاری تبریہ کامل طور سے نجات بن سکے۔ تم نے خوشی سے اپنے اعضاء کو بدکاری کی خدمت کے لئے گناہ کے حوالہ کیا۔ اب خوشی سے راستبازی کی خدمت کے لئے خداوند کے حوالہ کرو تاکہ تمھاری نجات تکمیل تک پہونچے اور تمھاری زندگی

۲۰ پورے طور سے خدا کی خدمت اور جلال میں صرف ہو۔ میں یہ اس لئے کہتا ہوں کیونکہ پیشتر
تم خداوند کے غلام اور راستبازی کے پابند نہ تھے بلکہ گناہ کے غلام تھے لیکن اب مسیحی ہونے
۲۱ پر مناسب ہے کہ تم گناہ سے آزاد ہو جاؤ اور راستبازی کے غلام بنو۔ جس کی غلامی میں تم
پہلے تھے اس سے تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ تھا بلکہ سراسر نقصان تھا۔ کیونکہ گناہ کا انجام موت
ہے۔ اور تم خود بھی اب اس بات کو محسوس کرتے ہو اور گناہ کی اپنی پہلی حرکات پر شرمندہ
۲۲ ہو۔ لیکن اب تم گناہ سے آزاد ہو کر خوشی کے ساتھ خدا کے غلام بن گئے اور ظاہر ہے کہ
اس غلامی سے تمہیں فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ اس غلامی اور راستبازی کی مستقل پابندی
سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور یہ پاکیزگی یا تقدیس مسیحی نجات ہے جس کا انجام ابدی زندگی
۲۳ ہے۔ کیونکہ گناہ کی غلامی کی کمائی موت ہے۔ یہ موت محض جسمانی نہیں بلکہ اخلاق کی موت
پاکیزگی کی موت اور روحانیت کی موت ہے۔ لیکن اب مسیحی ہونے پر کمائی سے نہیں بلکہ خدا
کے فضل سے بخشش کے طور پر خداوند مسیح کے وسیلہ سے تمہیں ابدی زندگی ملنے والی ہے۔
جس کے وارث تم اب بھی ہو چکے ہو۔

ب۔ شادی کی مثال ۷: ۱-۶

۱ اے بھائیو! کیا تم نہیں جانتے (کیونکہ میں ان سے کہہ رہا
ہوں جو شریعت سے واقف ہیں) کہ جب تک آدمی جیتا ہے اسی وقت
۲ تک شریعت اس پر اختیار رکھتی ہے؟ چنانچہ شریعت کے مطابق شوہر
والی عورت اپنے زندہ شوہر کے بند میں ہے۔ لیکن اگر شوہر مر گیا ہو تو
۳ وہ شوہر کے بند سے چھوٹ گئی۔ پس اگر شوہر کے جیتے جی دوسرے مرد
کی ہو جائے تو زانیہ کہلائے گی۔ لیکن اگر شوہر مر گیا ہو تو وہ بند سے
آزاد ہے۔ یہاں تک کہ دوسرے مرد کی ہو جائے تو زانیہ نہیں۔
۴ پس اے میرے بھائیو! تم بھی مسیح کے بدن کے وسیلہ سے شریعت کے لئے

مسیحی تہذیب۔ کیونکہ شوہر کے مرنے کے بعد اب پہلے قانون اور حکم کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا۔ وہ نہ اس کی مکلف ہے نہ پابند۔ اور اس کی گرفت سے باہر اور آزاد ہے ۔ اسی طرح اب کوئی مسیحی بھی مکلف باقی نہ رہا۔ کیونکہ شریعت کا تعلق نفسانی اور گنہگار زندگی ہے اور مسیحی خداوند کے ساتھ مر کر اس زندگی سے انتقال کر گیا۔ اب وہ شریعت کے آگے مردہ اور اس کی پابندی سے خارج ہے۔ اس لئے اگر کوئی یہودی مسیحی ہو کر موسوی شریعت کی لفظی پابندی نہ کرے تو نہ وہ مجرم ہے نہ مرتد کیونکہ وہ شریعت کا مکلف نہیں۔ پس بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ مسیحی بھی مکلف ہیں اور جو مسیحی موسوی شریعت پر عمل نہیں کرتے وہ مرتد اور بے دین ہیں غلط ہے۔ مسیحی نہ شریعت کے مکلف ہیں، نہ مرتد، نہ بے دین۔ کیونکہ وہ خداوند مسیح کے ساتھ شریعت کے لئے مردہ ہو گئے۔ لیکن واضح ہو کہ مسیحی نفسانی اعتبار سے مر گئے اور شریعت کے حلقۂ حکومت سے باہر نکل گئے۔ لیکن فضل کے اعتبار سے زندہ اور فضل کے حلقۂ حکومت میں ہیں۔ یہاں وہ زندہ خداوند مسیح سے وابستہ ہیں جو ابدالآباد زندہ ہے۔ یہاں اب وہ خداوند کے ہیں اور اس کے فضل اور محبت کے پابند اور مکلف ہیں۔ خداوند مسیح سے یہ نیا رشتہ اس لئے قائم کیا گیا تاکہ ہم مسیحیوں کی زندگی نیکی اور پاکیزگی میں پھلدار ہو اور اس خدا کی تمجید اور جلال ہو جس نے گنہگار انسان کو اپنے بڑے فضل سے اس قابل بنایا کہ وہ نیک زندگی بسر کریں اور

۵ نجات کے وارث ہوں ۔ جیسے کہ ہماری پرانی انسانیت جو شریعت کے ماتحت تھی گناہ کا پھل پیدا کرتی تھی جس کا انجام روحانی اور اخلاقی موت ہے۔ اسی طرح اب ہماری نئی انسانیت کو جو خدا کے فضل سے ہمیں بخشی گئی نیکی اور پاکیزگی کا ایسا پھل دینا چاہیئے جس کا انجام ابدی الٰہی زندگی ہو۔ ہماری پرانی انسانیت دنیاوی اور نفسانی تھی جو گناہ کی رغبتیں رکھتی تھی اور شریعت ان رغبتوں کو دور نہ کر سکی بلکہ اس کی موجودگی میں یہ رغبتیں اور بھی زیادہ بڑھ گئیں اور ہمارے سارے اعضاء بلکہ ساری شخصیت سے گناہ ہی گناہ کا اظہار ہونے لگا۔ چنانچہ ہماری پرانی انسانیت

۶ نے ہمیں روحانی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور ہم خدا کے جلال سے کمتر ہو گئے ۔ جب ہم

نفسانی تھے تو شریعت کے پابند اور مقید تھے۔ لیکن اب خداوند مسیح میں مر کر
شریعت کی تکلیف سے آزاد ہوئے۔ کیونکہ ہماری پُرانی انسانیت جس کا شریعت
سے تعلق تھا ضائع ہو گئی۔ اور اب ہمارے پاس کوئی ایسی انسانیت باقی نہ رہی
جو شریعت کی پابند ہو جسے شریعت کی موجودگی گناہ کے لئے بھڑکا سکے۔
بلکہ ہماری نئی انسانیت روح القدس کی پابند ہے۔ جس کی موجودگی میں ہمیں
نیک اور پاک کام کے لئے اُبھارتی ہے اور ہم لکیر کے فقیر نہ رہے بلکہ
اپنی عقل اور روح القدس کی ہدایت کے مطابق زندگی گذارتے ہیں۔

ب گناہ اور شریعت کا رشتہ ۷: ۷-۲۵

۷ تو پھر ہم کیا کہیں؟ کیا شریعت گناہ ہے؟ خدا نہ کرے
بلکہ بغیر شریعت کے میں گناہ کو پہچانتا بھی نہیں۔ کیونکہ اگر شریعت
۸ یہ نہ کہتی کہ "لالچ نہ کرنا" تو میں لالچ کو نہ جانتا۔ مگر گناہ نے موقع پا کر
حکم کے ذریعے سے مجھ میں ہر طرح کا لالچ پیدا کر دیا کیونکہ شریعت
۹ کے بغیر گناہ مُردہ ہے۔ ایک وقت میں شریعت کے بغیر میں زندہ تھا
۱۰ مگر جب حکم آیا تو گناہ زندہ ہو گیا اور میں مر گیا۔ اور جس حکم کا منشا
۱۱ زندگی تھا وہی میرے لئے موت کا باعث ثابت ہوا۔ کیونکہ گناہ نے
موقع پا کر حکم کے ذریعے سے مجھے بہکایا اور اسی کے ذریعہ سے مار بھی ڈالا۔
۱۲، ۱۳ پس شریعت پاک ہے اور حکم بھی پاک اور راست اور اچھا ہے۔ پس جو چیز
اچھی ہے کیا وہ میرے لئے موت ٹھہری؟ خدا نہ کرے۔ بلکہ گناہ اچھی چیز کے
ذریعے سے میرے لئے موت پیدا کرتا ہے تاکہ اس کا گناہ ہونا ظاہر ہو اور
۱۴ حکم کے ذریعہ سے گناہ بے حد گناہ آلودہ بن جائے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ
۱۵ شریعت روحانی ہے۔ مگر میں نفسانی اور گناہ کے ہاتھ بکا ہوا ہوں۔ اور جو

میں کرتا ہوں اس کو نہیں جانتا - کیونکہ جو میں ارادہ کرتا ہوں اس پر تو
۱۶ نہیں عمل کرتا اور جس سے مجھے نفرت ہے وہی میں کرتا ہوں ۞ اور اگر
میں وہی کرتا ہوں جسکا ارادہ نہیں کرتا تو میں مانتا ہوں کہ شریعت خوب ہے ۞
۱۷ پس اس صورت میں اُس کا کرنے والا میں نہ رہا بلکہ گناہ جو مجھ میں بسا ہوا ہے ۞
۱۸ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مجھ میں یعنی میرے نفس میں نیکی نہیں بستی ہے -
۱۹ کیونکہ ارادہ تو مجھ میں موجود ہے مگر نیک کام مجھ سے بن نہیں پڑتا ۞ چنانچہ
جس نیکی کا ارادہ کرتا ہوں وہ تو نہیں کرتا مگر جس بدی کا ارادہ نہیں کرتا اُس
۲۰ پر عمل کرتا ہوں ۞ پس اگر میں وہ کرتا ہوں جس کا ارادہ نہیں کرتا تو اُس کا
۲۱ کرنے والا میں نہ رہا بلکہ گناہ ہے جو مجھ میں بسا ہوا ہے ۞ غرض میں ایسی شریعت
پاتا ہوں کہ جب نیکی کا ارادہ کرتا ہوں تو بدی میرے پاس آموجود ہوتی ہے ۞
۲۲ کیونکہ باطنی انسانیت کی رو سے تو میں خدا کی شریعت کو بہت پسند کرتا ہوں ۞
۲۳ مگر مجھے اپنے اعضاء میں ایک اور طرح کی شریعت نظر آتی ہے جو میری عقل کی
شریعت سے لڑ کر مجھے گناہ کی شریعت کی قید میں لے آتی ہے جو میرے اعضا
۲۴ میں موجود ہے ۞ ہائے میں کیسا کمبخت آدمی ہوں ! اس موت کے بدن سے
۲۵ مجھے کون چھڑائیگا ؟ ۞ اپنے خداوند یسوع مسیح کے وسیلہ سے خدا کا شکر کرتا
ہوں - غرض میں خود تو اپنی عقل سے خدا کی شریعت کا غلام ہوں مگر نفس سے
گناہ کی شریعت کا ۞

اگر گناہ سے چھٹکارا کا مطلب شریعت سے بھی چھٹکارا ہے تو کیا شریعت ہی
کا دوسرا نام گناہ ہے ؟ یہ بات نہیں - کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ شریعت گناہ کی صفت
کو ظاہر کرتی ہے - لیکن اس اظہار سے گناہ بھڑکتا ہے اور جس چیز کی ممانعت کی
کی جاتی ہے اُسی چیز کی طرف انسان کا رجحان ہو جاتا ہے - اس سے یہ نتیجہ نہیں اخذ

کرنا چاہیئے کہ شریعت بری ہے۔ نہیں۔ بلکہ یہ بھلی ہے۔ گناہ کے اس بھڑکاؤ اور
نتیجے سے گناہ کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے اور اس کا جرم ثابت ہو جاتا ہے حقیقت
یہ ہے کہ ہر ایک انسان کی ذات واحد میں دو قوتیں ہیں جن کی عموماً آپس میں کشمکش رہتی
ہے اور اگر یہ دونوں ایک ہی جوئے میں نہ جوتی جائیں تو پھر متضاد طاقتیں بن کر انسان
کی شخصیت کو بری طرح تقسیم کر دیتی ہیں۔ یہ دو قوتیں عام اصطلاح میں نفسانی اور
روحانی کہلاتی ہیں۔ اگر شخصیت منقسم ہو جائے تو انسان کی روحانی ذات نفسانی ذات
کی روک تھام کرنے سے قاصر ہو جاتی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ یا تنی
طاقتور باقی نہیں رہتی کہ انسان کی ساری شخصیت کو اپنے ماتحت رکھ سکے۔ الغرض
یہ کشمکش اس طرح جاری رہتی ہے کہ انسان بغیر امداد کے اس سے چھٹکارا نہیں حاصل
کر سکتا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے انسان اس کشمکش
کی حالت سے چھٹکارا پاتا ہے اور بالآخر روحانی ذات کی فتح اور نفسانی ذات کی شکست
فاش ہوتی ہے۔ یہ سارا خیال رسول نے اپنی شخصی زندگی کے تجربہ کی بنیاد پر پیش کیا
کہ کس طرح یہودی رہ کر جتنی زیادہ راستبازی کی کوشش کی اتنا ہی زیادہ گنہگار
بنتے چلے گئے۔ لیکن خداوند مسیح کے فضل سے نیک اور پاک زندگی حاصل کی۔
واضح ہو کہ رسول کی توجہ یہاں خاص طور سے باطنی زندگی پر ہے۔ گو ظاہرا بھی ثابت
ہے کہ رسول پیشتر جتنا زیادہ مسیحیوں کو ستا کر شریعت کے آگے راستباز بننے کے
کوشاں رہے اتنا ہی زیادہ وہ خدا کے آگے گنہگار ٹھہرے۔ اس تجربہ نے رسول
پر واضح کر دیا کہ انسان کو لکیر کا فقیر نہ ہونا چاہیئے اور زندگی کو شریعت کے لحاظ
سے شریعت کے لفظوں کی مناسبت سے نہ بنانا چاہیئے۔ بلکہ خدا کے نقطۂ نگاہ
سے اور اس کے روح کی مناسبت سے بنانا چاہیئے۔ اور انسانی تاریخ اور تجربہ
بھی اس امر کا شاہد ہے کہ جہاں اصلی روحانی مقصد چھوڑ دیا گیا اور جہاں خدا کے

نقطۂ نگاہ کو وسعت نہ دی گئی اور قوانین اور الفاظ کی پابندی کی گئی وہاں انسانیت
گرتی گئی اور اخلاق گھٹتا گیا اور ہر طرح کی ترقی اور عروج کا امکان جاتا رہا۔

۷ کچھ دیر ہوئی میں نے کہا کہ " بیچ میں شریعت آ موجود ہوئی تاکہ گناہ واضح
ہو جائے " ۵ : ۲۰ - اور یہ کہ " گناہ کا تم پر اختیار نہ ہوگا کیونکہ تم شریعت کے تحت
نہیں بلکہ فضل کے ماتحت ہو " ۶ : ۱۴ - اور یہ کہ " جب ہم نفسانی تھے تو گناہ
کی رغبتیں جو شریعت کے باعث تھیں موت کا پھل لانے کے لئے ہمارے اعضا
میں کام کرتی تھیں " ۷ : ۵ - لیکن میرے ایسا کہنے سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ شریعت
ہی کا دوسرا نام گناہ ہے۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں۔ کیونکہ شریعت انسان کو گناہ
کا علم اور نیکی اور بدی کی تمیز بخشتی ہے۔ اور بغیر شریعت کے گناہ کا علم بھی حاصل
نہیں ہو سکتا۔ اور انسان پرہیز تو اس سے کہاں تک کرے گا۔ مثلاً اگر شریعت
یہ نہ کہتی کہ " لالچ نہ کرنا " (خروج ۲۰ : ۱۷ ؛ استثنا ۵ : ۲۱) تو میں لالچ کو گناہ نہ

۸ سمجھتا۔ لیکن حالت یہ ہوئی کہ شریعت کا منع کرنا ہی میرے لئے زہر ہلاہل کا
کام کر گیا۔ اور بجائے بچنے کے میری رغبتیں گناہ کی طرف اور بھی زیادہ ہو گئیں۔
اور نتیجہ یہ ہوا کہ اب نہ فقط انجانی سے بلکہ جان بوجھ کر گناہ کرنے لگا اور اس
طرح زیادہ مجرم ہو گیا۔ حالانکہ پیشتر ایسا نہ تھا کیونکہ مخالفت یا حکم کی غیر

۹ موجودگی میں گناہ کا زور کم ہوتا ہے۔ اور جرم کا ارتکاب مفقود۔ ایک زمانہ
تھا کہ بچپن میں معصومیت کی زندگی بسر کرتا تھا اور شریعت کی نظر میں مکلف نہ
تھا۔ بلکہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق جو جی چاہتا تھا کرتا تھا۔ اس بادشاہت
کے زمانہ میں نہ تو والدین کی پابندی کی فکر تھی۔ نہ شریعت کا ڈر تھا۔ نہ ضمیر
کی روک تھام تھی۔ اور ایک آزاد زندگی بسر کرتا تھا اور بغیر روک ٹوک کے اپنی خواہشوں
کو پورا کرنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ لیکن جوں جوں بڑھتا گیا معصومیت جاتی رہی

اور آزادی میں کمی واقع ہونے لگی ۔ ماں باپ کا حکم ۔ بزرگوں کا خوف شریعت
کی پابندی اور ضمیر کی روک تھام ہر جگہ مخل ہونے لگی ۔ نہ وہ آزادی رہی نہ وہ
زندگی ۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حکم آنے پر میں مر گیا اور گناہ زندہ ہو گیا ۔ ہر جگہ
گناہ ہی گناہ دکھائی دینے لگا ۔ اور ہر جگہ بچ بچاؤ کا سوال پیدا ہو گیا ۔ حالانکہ
معصومیت کی حالت میں گناہ کا پتہ بھی نہ تھا اور جیسا چاہتا تھا کرتا تھا ۔ اور
۱۰ حالت یہ ہوئی کہ یہی شریعت جو اس لئے بخشی گئی کہ انسان برائی سے بچ کر بھلائی
پر چلتا ہوا ابدی زندگی کا وارث بنے ۔ وہی میرے لئے گناہ کو بھڑکانے والی بنی ۔ اور
۱۱ صرف یہی نہیں بلکہ مجھے مجرم ٹھہرا کر ابدی موت کا سزاوار بھی بتاتی ہے ۔ یہ اس
طرح ہوا کہ احکام کی موجودگی میں مجھے ممنوع کام کرنے کی لالچ پیدا ہوئی ۔ اور برائی
کا علم ہونے کی وجہ سے طرح طرح کی آزمائشوں میں پڑ گیا اور رجحان برائی کی طرف
ہو گیا اور گناہ کی طرف میلان ہو گیا ۔ حالانکہ پیشتر ایسا نہ تھا ۔ اور جو احکام برائی سے
بچانے کے لئے دیئے گئے تھے تاکہ انسان ابدی زندگی حاصل کرے وہی برائی میں
گرنے اور ہلاکت میں پڑنے کا باعث بن گئے ۔ بزرگ آگستین اپنے لڑکپن کی برائیوں
کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " ایسا کرنا محض اس لئے ہم نے پسند کیا
کیونکہ اوروں کو یہ ناپسند تھا " پر رسول پولس کے سامنے یہاں پر خود ان کی اپنی
زندگی کی مثال نہیں بلکہ باغِ عدن میں حضرت آدم کی آزمائش کا قصہ مد نظر ہے
لیکن یہ قول سب پر صادق آتا ہے اور موسوی شریعت کی موجودگی میں رسول پر بھی صادق
آتا تھا ۔ سچ ہے کہ " ہم میں سے ہر ایک شخص اپنی روح کا آدم رہا ہے " ۔ باروک
۱۲ کا مکاشفہ ۵۴ : ۱۹ ۔ اور وجود ان سب امور کے بھی شریعت ہرگز گناہ نہیں بلکہ
پاک ہے ۔ کیونکہ اس کا دینے والا خدا پاک اور بے عیب ہے ۔ اور شریعت کا ہر ایک
حکم بھی پاک اور راست اور اچھا ہے مق زبور ۱۹ : ۷ - ۱۱ - اور خداوند نے ہم کو ان

سب احکام پر عمل کرنے اور ہمیشہ اپنی بھلائی کے لئے خداوند اپنے خدا کا خوف
۱۳ ماننے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ وہ ہم کو زندہ رکھے"۔ استثنا ۶: ۲۴ ٥ اس لئے یہ سمجھنا
درست نہیں کہ یہ اچھی شریعت بذاتہ خود بری ثابت ہوئی اور گناہ سے بچانے کی دوا
گناہ میں ڈالنے کی دوا ٹھہری۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ شریعت کی موجودگی میں گناہ اور
نفسانی خواہشات مجھے زیادہ لذیذ نظر آئے اور میں زیادہ گنہگار ٹھہرا اور گناہ کے
پنجوں میں ایسا بے بس رہا کہ شریعت پر پورے طور سے عمل نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
شریعت نے بھی بجائے راستباز ٹھہرانے کے مجھے مجرم قرار دیا اور اس طرح گناہ نے
میرے لئے موت پیدا کی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گناہ تو شریعت سے پیشتر بھی
تھا۔ مگر اس کا پتہ شریعت کی موجودگی میں لگا۔ شریعت کی آمد پر احکام کو توڑنے
سے چھپے گناہ بھی ظاہر ہو گئے۔ اور وہی گناہ جو پہلے برا نہ سمجھا جاتا تھا اب نہایت
۱۴ ہی برا سمجھا جانے لگا ٥ انسانی زندگی کے گناہوں کا الزام شریعت پر نہیں آتا کیونکہ
شریعت الٰہی ہے جو پاک اور قدوس خدا سے ملی ہے جو ہر طرح سے بے عیب ہے
لیکن انسان جنہیں یہ شریعت بخشی گئی وہ پاک اور بے عیب نہیں بلکہ نفسانی اور
گناہ آلود ہیں جن کی زندگی ایسی کٹتی ہے جیسے کہ وہ گناہ کے زرخرید غلام ہیں ٥
۱۵ انسان کی اخلاقی کیفیت یہ ہے کہ نہ تو شریعت اسے گناہ کی طرف راغب کرتی ہے۔
نہ وہ خود برائیوں کو پسند کرتا ہے بلکہ بھلی نیت رکھتا ہے تو بھی کچھ معاملہ ایسا ہے
کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیونکہ حالت یہ ہے کہ ارادہ کچھ اور ہے اور عمل کچھ اور۔ ارادہ تو
۱۶ نیک کام کا کرتا ہوں لیکن بہتیرے کام ایسے بھی ہو جاتے ہیں جو نفرت انگیز ہیں ٥ اور
یہ امر کہ میں اپنے اعمال سے نفرت ہوں۔ اس لئے کہ وہ میری کے مطابق نہیں یہ ثابت
کرتا ہے کہ میں دل سے شریعت کا ماننے والا اور اس کے احکام کی تعظیم کرنے والا
۱۷ ہوں ٥ اس سے یہ ظاہر ہے کہ برے اعمال کو پیدا کرنے والی طاقت نہ میری ضمیر

ہے نہ میری اصلی روحانی ذات جو نیکی کو پسند کرتی ہے۔ بلکہ مجھ میں ایک اور
ذات معلوم ہوتی ہے جو بری اور گناہ آلودہ ہے اور جو اپنی نفسانی طاقت سے
۱۸ ایسے اعمال پیدا کرتی ہے جو قابل نفریں ہیں ۵ اب مجھے اس کا تجربہ ہوا ہے کہ
میری اس گناہ آلود ذات میں نفسانیت اور بدی کے سوا کوئی بھلائی نہیں۔
البتہ میں نیکی کا ارادہ تو ضرور رکھتا ہوں۔ لیکن یہ ارادہ عمل کی صورت میں ظاہر
۱۹ نہیں ہوتا ۵ اسی لئے میرے بد اعمال میری مرضی اور ارادہ کے قطعی خلاف ہیں ۵
۲۰ پس میرے بد اعمال جو میری مرضی کے خلاف ہیں نہ میری ضمیر سے کوئی تعلق رکھتے
ہیں۔ نہ میرے نیک ارادوں سے بلکہ میری اس گناہ آلود ذات سے جو نفسانیت
۲۱ اور گناہ کی پروردہ ہے ۵ اور خدا کی شریعت کے بجائے میری زندگی میں ایک
ایسا قانون کام کر رہا ہے اور ایک ایسا بے ڈھنگا اصول چل رہا ہے کہ خدا کی شریعت
کے مطابق ارادہ تو نیکی کا کرتا ہوں لیکن گناہ کے قانون کے مطابق ہمارے اعمال
ظاہر ہوتے ہیں۔ اور نیک ارادے بغیر عمل کے رہ جاتے ہیں یعنی میرے
اس گناہ آلود نفسانی زندگی پر تو گناہ کے قوانین کا دخل ہے۔ لیکن میری باطنی
۲۲ روحانی زندگی پہ خدا کی شریعت حکمراں ہے ۵ میری یہ باطنی روحانی ذات جس کا
تعلق میرے ارادہ اور میری ضمیر سے ہے۔ وہ خدا کی شریعت کی پابند ہے ۵
۲۳ لیکن میرے اعضاء کے اعمال جو ظاہر ہوتے ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ
ان اعمال کا تعلق میری عقل اور ارادہ سے نہیں جو خدا کی شریعت کے پابند ہیں
بلکہ نفسانی قوانین سے ہے جو میری زندگی پر اس قدر اختیار رکھتے ہیں کہ وہ میرے
۲۴ نیک ارادے اور اچھی عقل کو میری زندگی میں کام بھی نہیں کرنے دیتے ۵ الغرض
میری حالت یہ ہے کہ میں دو مالکوں کے بیچ میں پھنسا ہوا ہوں۔ میں خود اپنی عقل
اور ضمیر سے تو خداوند کی شریعت کا پابند ہوں۔ لیکن میرا نفس گناہ کے قوانین کا پابند

ہے۔ میری حالت کس قدر افسوسناک ہے۔ جب میں اس طرح گناہ اور نفس کے پنجہ میں پھنسا ہوا ہوں تو کیسے نجات پاؤں۔ میرا نفس مجھے گناہ میں ڈھکیلے لئے جا رہا ہے اور موت کے گھاٹ پہنچا رہا ہے۔ حالانکہ میں زندگی کی راہ پر چلنا چاہتا ہوں اور خداوند کی شریعت پر عمل کرنے کا خواہاں ہوں۔ ایسی حالت سے مجھے کون رہائی دے سکتا ہے۔ میری واحد شخصیت میں دو ذاتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو پاک اور نیک لیکن کمزور اور ضعیف۔ دوسری گناہ آلود اور مضبوط۔ کون ہے جو میری اس گناہ آلود ذات کو مردہ کر دے۔ اور روحانی ذات کو زندگی اور طاقت بخش کر جلا دے ۵ خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے خدا کا شکر ۲۵ کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس ناامیدی کی حالت میں چھوڑ نہ دیا۔ اور جبکہ میری ساری کوششیں ناکامیاب ثابت ہوئیں تو اس نے مجھے ترک نہ کیا۔ اور جیسا کہہ چکا ہوں ویسا ہی پھر کہتا ہوں کہ خداوند مسیح کے فضل کے بغیر زیادہ سے زیادہ میری عقل خداوند کی شریعت کے ماتحت ہوتی مگر میرا نفس گناہ ہی کا غلام رہتا۔ پر شکر ہے کہ خدا نے ہم سب پر رحم کیا۔ دنیا کا منجی آیا اور اسی منجی مسیح کے وسیلہ سے ہمارا گناہ آلود نفس مردہ ہوتا ہے اور ہم خدا کے فضل کے تخت تک پہنچتے ہیں ۵

اس مختصر سے حصہ میں رسول نے اپنی یہودی سوانح عمری کو ایسے پیرایہ میں بیان کر دیا جو ہر ایک یہودی بلکہ ہر ایک انسان پر صادق آتی ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ گناہ پر غلبہ صرف منجی مسیح کے وسیلہ سے ممکن ہے۔ پس جو نجات پانا چاہے وہ خداوند مسیح کے پاس آئے اور نفس اور روح کی جنگ کو روح کی فتحیابی کے ساتھ تمام کرے اور خدا کا اطمینان اور شانتی اور سلامتی حاصل کرے جیسا خود رسول کو بھی حاصل ہوا۔ سارا مضمون جس میں ناامیدی کی

گھٹا چھائی ہوئی تھی اور جس میں شکست اور بدحالی پیدا تھا اور مرثیہ ہو رہا تھا۔ فتح کے نعرہ اور خوشی کے شادیانہ سے شام ہوا۔

ب نجات یافتہ روحانی زندگی ۸ : ۱ - ۳۹

۱و۲ پس اب جو مسیح یسوع میں ہیں ان پر سزا کا حکم نہیں ۞ کیونکہ
زندگی کے روح کی شریعت نے مسیح یسوع میں مجھے [یا تجھے] گناہ
۳ اور موت کی شریعت سے آزاد کر دیا ۞ اس لئے کہ جب شریعت نفس
کے باعث کمزور اور عاجز رہی تو خدا نے گناہ کی انسداد کے لئے
اپنے بیٹے یسوع کو گناہ آلود نفس کی صورت میں بھیج کر نفس میں گناہ
۴ کو جرم قرار دیا ۞ تاکہ شریعت کا تقاضا ہم میں پورا ہو جو نفس کے مطابق
۵ نہیں بلکہ روح کے مطابق چلتے ہیں ۞ کیونکہ جو نفسانی ہیں وہ نفسانی باتوں
۶ کے خیال میں رہتے ہیں۔ لیکن جو روحانی ہیں وہ روحانی باتوں کے ۞ اور
۷ نفسانی نیت موت ہے۔ مگر روحانی نیت زندگی اور شانتی ہے ۞ اس لئے
کہ نفسانی نیت خدا کی دشمنی ہے۔ کیونکہ نہ تو یہ خدا کی شریعت کے تابع ہے
۹ نہ ہو سکتی ہے ۞ اور جو نفسانی ہیں وہ خدا کو خوش نہیں کر سکتے ۞ لیکن
تم نفسانی نہیں بلکہ روحانی ہو بشرطیکہ خدا کا روح تم میں بسا ہوا ہے۔ مگر جس
۱۰ میں مسیح کا روح نہیں وہ اس کا نہیں ۞ اور اگر مسیح تم میں ہے تو بدن
تو گناہ کے سبب سے مردہ ہے مگر روح راستبازی کے سبب سے زندہ ہے
۱۱ اور اگر یسوع کو مردوں میں سے جلانے والے کا روح تم میں بسا ہے
تو جس نے مسیح یسوع کو مردوں میں سے جلایا وہ تمہارے فانی بدنوں کو
بھی اپنے اس روح کے وسیلہ سے زندہ کرے گا جو تم میں بسا ہوا ہے ۞
۱۲ پس اے بھائیو! ہم قرضدار تو ہیں مگر نفس کے نہیں کہ نفس کے مطابق زندگی

١٣ گذاریں ۔ کیونکہ اگر تم نفس کے مطابق زندگی گذارتے ہو تو بس مرنے
والے ہو ۔ لیکن اگر روح سے بدن کے کاموں کو نیست و نابود کرتے
١٤ ہو تو جیتے رہو گے ۔ اس لئے کہ جتنے خدا کے روح کی ہدایت سے چلتے
١٥ ہیں وہی خدا کے بیٹے ہیں ۔ کیونکہ تم کو غلامی کی روح نہیں ملی جس سے
پھر ڈر پیدا ہو بلکہ تبنّی کا روح ملا جس سے ہم "ابا" یعنی اے باپ !
١٦ پکارتے ہیں ۔ روح خود ہماری روح کے ساتھ مل کر گواہی دیتا ہے کہ
١٧ ہم خدا کے فرزند ہیں ۔ اور اگر فرزند ہیں تو وارث بھی ہیں یعنی خدا
کے وارث اور مسیح کے ہم میراث بشرطیکہ ہم اس کے ساتھ دکھ اٹھائیں
١٨ تاکہ اس کے ساتھ جلال بھی پائیں ۔ کیونکہ میری دانست میں اس
زمانہ کے دکھ درد اس لائق نہیں کہ اس جلال کے مقابل ہو سکیں
١٩ جو ہم پر ظاہر ہونے والا ہے ۔ کیونکہ مخلوقات کمال آرزو سے خدا کے
٢٠ بیٹوں کے ظاہر ہونے کی راہ دیکھ رہی ہے ۔ اس لئے کہ مخلوقات بطالت
کے اختیار میں کر دی گئی تھی ۔ اپنی خوشی سے نہیں بلکہ اس کے باعث
٢١ جس نے اختیار میں کر دیا ۔ اس امید پر ۔ کہ مخلوقات خود بھی فنا کے قبضہ
سے چھوٹ کر خدا کے فرزندوں کے جلال کی آزادی میں داخل ہو جائیگی
٢٢ کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ ساری مخلوقات مل کر اب تک کراہتی ہے اور
٢٣ دردِ زہ میں پڑی تڑپتی ہے ۔ اور یہی نہیں بلکہ ہم بھی جنہیں روح کے
پہلے پھل ملے ہیں آپ اپنے باطن میں کراہتے ہیں ۔ اور تبنّی یعنی اپنے
٢٤ بدن کی مخلصی کی راہ دیکھتے ہیں ۔ چنانچہ ہمیں امید کے ساتھ نجات ملی
مگر جس چیز کی امید ہے جب وہ نظر آجائے تو پھر امید کیسی ۔ کیونکہ
٢٥ جو چیز کوئی دیکھ رہا ہے اس کی امید کیا کریگا ؟ ۔ لیکن جس چیز کو نہیں

۲۶ دیکھتے اگر ہم اس کی امید کریں تو صبر سے اس کی راہ دیکھتے ہیں ۞ اِسی
طرح روح قدس بھی ہماری کمزوری میں ہمیں سنبھالتا ہے کیونکہ جس طور سے
ہم کو دعا کرنا چاہیئے ہم نہیں جانتے مگر روح قدس خود ایسی آہوں کے
۲۷ ساتھ ہماری شفاعت کرتا ہے جن کا بیان نہیں ہو سکتا ۞ اور دلوں
کا پرکھنے والا جانتا ہے کہ روح قدس کی کیا نیت ہے۔ کیونکہ وہ الٰہی طور پر
۲۸ مقدسوں کی شفاعت کرتا ہے ۞ اور ہم جانتے ہیں کہ وہ خدا سے محبت
رکھنے والوں کے ساتھ مل کر سب طرح سے بھلائی کے کام کرتا ہے۔
۲۹ یعنی ان کے ساتھ مل کر جو ارادہ کے موافق بلائے ہوئے ہیں ۞ کیونکہ
جن کو اُس نے پہلے سے جانا ان کو پہلے سے مقرر بھی کیا کہ اس کے
بیٹے کے ہمشکل ہوں تاکہ وہ بہت سے بھائیوں میں پہلوٹھا ٹھہرے ۞
۳۰ اور جن کو اس نے پہلے سے مقرر کیا ان کو بلایا بھی۔ اور جن کو بلایا ان کو
راستباز بھی ٹھہرایا۔ اور جن کو راستباز ٹھہرایا ان کو جلال بھی بخشا ۞
۳۱ تو پھر ہم ان باتوں کی بابت کیا کہیں؟ اگر خدا ہماری طرف ہے تو
۳۲ کون ہمارا مخالف ہے؟ ۞ جس نے اپنے بیٹے کو دریغ نہ کیا بلکہ ہم سب
کی خاطر اسے حوالہ کر دیا وہ اس کے ساتھ اور سب چیزیں بھی ہمیں
۳۳ کس طرح نہ بخشیگا؟ ۞ خدا کے برگزیدوں پر کون نالش کرے گا؟
”راستباز ٹھہرانے والا خدا ہے [یا کیا خدا جو راستباز ٹھہراتا ہے؟]
۳۴ کون مجرم ٹھہرائیگا؟ مسیح یسوع مر گیا اور پھر (مُردوں میں سے) جی
اٹھا۔ جو خدا کی دہنی طرف ہے۔ جو ہماری شفاعت بھی کرتا ہے [یا
کیا مسیح یسوع جو مر گیا اور پھر مردوں میں سے جی اُٹھا جو خدا کی دہنی طرف ہے
۳۵ جو ہماری شفاعت بھی کرتا ہے؟] ۞ کون ہم کو مسیح کی محبت سے جدا

کرے گا؟ مصیبت یا تنگی یا ظلم یا کال یا ننگاپن یا خطرہ یا تلوار؟

۳۶ جیسا لکھا ہے کہ "ہم دن بھر تیری خاطر جان سے مارے جاتے ہیں۔

۳۷ گویا ذبح ہونے والی بھیڑیں سمجھے جاتے ہیں" ۔ مگر ان سب حالتوں میں اس کے وسیلہ سے جس نے ہم سے محبت کی ہم کو فتح سے بھی بڑھ کر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

۳۸ کیونکہ مجھ کو یقین ہے کہ نہ موت نہ زندگی نہ فرشتے نہ حکومتیں نہ حال کی چیزیں نہ استقبال کی چیزیں۔

۳۹ نہ بلندی نہ پستی نہ کوئی اور مخلوق ہمیں خدا کی اس محبت سے جدا کر سکے گی جو ہمارے خداوند مسیح یسوع میں ہے۔

۱۵:۶ - ۷:۲۰ میں رسول نے گناہ آلودہ زندگی کا ذکر کیا جو موت کی وارث ہے۔ اور اب آٹھویں باب میں یہ بتایا کہ خدا نے انسان کی نجات کے لئے کیا کیا اور یہ بھی دکھایا کہ نجات یافتہ زندگی روح القدس کی رفاقت میں بسر ہوتی ہے۔ خدا کی نجات کا کام یہ ہے کہ خداوند مسیح نے دنیا میں آ کر گناہ کو انسانی زندگی سے نکال باہر کیا۔ اور اس کا انسانی زندگی میں بسیرا کرنا جرم قرار دیا۔ اور گناہ کی جگہ روح القدس عطا کیا۔ تاکہ آئندہ انسان روحانی یعنی روح القدس کی زندگی بسر کرے۔ شریعت کا بھی یہی مقصد تھا کہ انسان پاک اور روحانی زندگی بسر کرے۔ لیکن انسان کی نفسانی کمزوری کی وجہ سے شریعت اپنے مقصد میں قاصر اور ناکامیاب رہی۔ اور شریعت جو کام نہ کر سکی وہ خداوند مسیح نے مجسم ہو کر کر دکھایا۔ اس کے بعد رسول نے روحانی زندگی اور گنہگار زندگی کا مقابلہ کیا ہے گنہگار زندگی شریعت اور خدا کی مخالفت ہے اور اس کا انجام موت ہے۔ لیکن روح القدس کی اطاعت سے میل ملاپ اور راست زندگی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے ہر ایک شخص جو وفادار مسیحی ہے اس کے لئے روح القدس میں

کی رفاقت ابدی زندگی کا بیحانہ ہے۔ اور جو روح القدس کی ہدایت سے چلتا ہے وہ خدا کا فرزند اور خداوند مسیح کا ہم میراث اور اس کی عظمت اور بزرگی کا شریک ہے۔ بشرطیکہ وہ اس کی صلیب کا بھی شریک ہو۔ آئندہ جلال کے مقابلہ میں اس جہان کے دکھ اور درد قابل شمار نہیں۔ اور مخلوقات جیسے انسان کے گناہ کی شریک حال ہے ویسے ہی مسیحی جلال کی بھی شریک حال ہے۔ اور ساری مخلوقات اور ہم بھی اس آنے والے جلال کے منتظر ہیں۔ خدا کے فرزندوں کی اس نجات کا انتظام ازل ہی سے مقرر تھا اور خداوند کی آمد پہ ظاہر ہوگیا۔ پہلے خدا کے بندوں کو بلاہٹ ملی پھر تبدیلی ہوئی اور پھر نجات پاکر ابدی جلال کے شریک بنائے گئے۔ اسی لئے کوئی مسیحی خدا سے خوفزدہ نہیں کیونکہ وہ الٰہی محبت سے واقف ہے۔ منصف خدا خود اس کی طرف ہے اور زندہ مسیح اس کا شفیع ہے پھر خوف کیسا؟ اور ایک مسیحی کے دل میں خدا کی محبت اسقدر زیادہ ہوتی ہے کہ دنیا کا دکھ درد یا کوئی شے بھی اُسے خداوند مسیح کی محبت سے نہ توروک سکتی ہے نہ جدا کرسکتی ہے۔

جو خداوند مسیح سے متعلق ہوگئے وہ مجرم [illegible] نہ رہے کیونکہ خدا نے انھیں رہا کیا۔ یہ رہائی صرف یہ نہیں کہ انھوں نے پچھلے گناہوں کی معافی حاصل کی اور آئندہ سزا سے بچ گئے۔ بلکہ حقیقی مسیحی رہائی گناہ کے پنجہ اور اختیار سے چھٹکارا پانا ہے۔ بغیر خداوند مسیح کے ہر ایک انسان گناہ کے پنجے میں بے بس ہے جیسا کہ پیشتر بھی بیان ہوچکا ہے۔ لیکن خداوند مسیح ہر ایک گنہگار کو اس بے بسی کے عالم سے رہائی بخشتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک مومن نیک زندگی بسر کرنے کی آزادی حاصل کرتا ہے۔ حالانکہ قبل وہ گنہگار زندگی بسر کرنے پر مجبور تھا۔

۲ | اور وہ اس طرح کہ خداوند مسیح کا روح جو اس سے متعلق اور متحد ہونے کا وسیلہ

ہے۔ ہر ایک مومن کے دل میں سکونت اختیار کرتا ہے اور اپنی طاقت اور پاکیزگی انسان کو بخشتا ہے اور اُسے زندگی کا ایک نیا اصول اور ایک مسیحی نظریہ عطا کرتا ہے اور اس کے اندر سے موت کی طاقت اور گناہ کے اصول کو توڑتا ہے۔ جن کے بس میں پہلے وہ پڑا تھا اور اب وہ گناہ سے آزاد ہو کر موسوی شریعت سے بھی آزاد ہو گیا۔ جو ہر ایک انسان کو گنہگار اور مجرم ٹھہرا کر اس پر موت کا فتویٰ لگاتی تھی۔ جبکہ شریعت ابدی حیات بخشنے اور پاکیزگی عطا کرنے میں ناکامیاب رہی تو انسان کی نجات کا کام خدا نے خود اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ گو شریعت نے ضمیر عطا کی اور نیکی اور بدی کی تمیز بخشی۔ لیکن وہ انسان کے گناہ آلودہ نفس کو نہ مار سکی اور اس کی زندگی میں سرایت کر کے اپنی راہ پر نہ چلا سکی۔ اس کے برخلاف نفس کی کمزوری کے سبب سے گناہ انسان کی زندگی میں اثر ہی کرتا گیا۔ گناہ اس کا آقا انسان اس کا غلام رہا۔ گناہ اس کا جابر دشمن اور انسان اس کا قیدی رہا لیکن خدا کا شکر ہو کہ انسان کو ایک نیا آقا ملا اور قید سے رہائی ہوئی خدا نے اپنے پیارے بیٹے کو انسانی شکل و صورت میں بھیجا کہ وہ گناہ کا مقابلہ کرے اور گو نفس کے لحاظ سے بھی وہ ہمارے جیسا تھا لیکن اس کا نفس ہماری طرح گناہ آلودہ نہ تھا۔ بلکہ الٰہی طبع تھا۔ گو امکانی طور پر اس کا نفس بھی گناہ کی طرف راغب ہو سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہ ہونے دیا اور اس کی پرورش الٰہی طور پر کی۔ گناہ کی حکومت انسانی نفس پر عالمگیر رہی اور انسان کا حال یہ رہا کہ اس نے اس حکومت کو گویا جائز قرار دیا۔ اور اسے ایک قدرتی امر تسلیم کیا۔ لیکن خداوند مسیح نے اسے جرم قرار دیا اور گناہ کی حکومت کو اپنے نفس میں تسلیم نہ کیا۔ اور گناہ کو بے حق قرار دیا۔ حضرت آدم کو خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا تھا لیکن انھوں نے خدا کی صورت کو کھو دیا اور انسانیت کی الٰہی ہیئت جاتی رہی اور جس خون اور گوشت کی حالت میں

۳

حضرت آدم نے خدا کی صورت کو ایسا کھو دیا کہ سب "خدا کے جلال سے کمتر ہیں"۔ اُسی خون اور گوشت میں خداوند مسیح "خدا کی صورت اور اس کا جلال ہے" (اک ۱۱:۷) "پہلا آدمی زمین سے یعنی خاکی تھا۔ دوسرا آدمی آسمانی ہے۔ جیسا وہ خاکی تھا ویسے ہی اور خاکی بھی ہیں۔ اور جیسا وہ آسمانی ہے ویسے ہی اور آسمانی بھی ہیں۔ اور جس طرح ہم اس خاکی صورت پر ہوئے اُسی طرح اُس آسمانی کی صورت پر بھی ہونگے"۔ (۱ کر ۱۵: ۴۷ تا ۴۹) - خداوند کا انسانی صورت اختیار کرنا حلقہ گناہ میں داخل ہونا تھا۔ گناہ کا اُس پر دعویٰ تھا کیونکہ وہ "جسم کے اعتبار سے داؤد کی نسل سے پیدا ہوا"۔ لیکن خداوند نے راست اور پاک زندگی بسر کی اور اس دعوے کو قبول نہ کیا اور انسانی زندگی پر گناہ کے حق کو تسلیم نہ کیا۔ اس طرح گناہ ہارا اور خداوند مسیح کے مجرم قرار دیے جانے کے بجائے گناہ خود خدا کے تخت عدالت کے سامنے جرم قرار دیا گیا۔ خداوند نے اس انسانی چولے میں روح القدس کی بڑی قدرت لا کر اسے بہت بڑا اشرف بخشا اور دکھایا کہ انسان کی واجب شان یہ ہے کہ وہ گناہ سے علیحدہ پاک اور راست زندگی بسر کرے۔ خداوند کی ساری زندگی گناہ کو جرم قرار دے کر اپنے سے علیحدہ رکھتی تھی کیونکہ وہ روح القدس سے مسح کیا گیا۔ آزمایا گیا اور آزمائش میں کامیاب رہا۔ اور وہ اپنی ساری زندگی میں گناہ کا مخالف رہا اور اس کے آگے سر خم کرنے سے بچا۔ مرنے دم تک وفادار رہا۔ خدا کی مرضی کا تابعدار رہا اور اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ یہ گناہ پر اس کی فتح نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کی قیامت اس کی کامیابی پر مہر ثبت کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ "پاکیزگی کی روح کے اعتبار سے مردوں میں سے جی اٹھنے کے سبب قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرا"۔ اور جو خداوند پر ایمان رکھ کر اس سے متعلق اور متحد ہو گئے وہ بھی

اس کے ساتھ گناہ کے لئے بے کار اور مردہ ہو گئے۔ اور پاکیزگی کے لئے باکار
۴ اور زندہ ہیں۔ خداوند کے اس کارنامے سے انسانی زندگی میں اب شریعت
کا تقاضا بھی پورا ہو جاتا ہے۔ یعنی قبل انسان جو اپنے نفس کی پیروی کرتا
تھا اب الٰہی زندگی بسر کرتے ہوئے روح القدس کی پیروی کرتا ہے۔ اور پاکیزگی
کی زندگی بسر کرتے ہوئے شریعت کے مقصد کو بھی پورا کرتا ہے۔ اور اس طرح
۵ اب وہ شریعت کے آگے بھی مجرم نہیں بلکہ صادق ہے گو نفسانی انسان اپنی
عقل سے شریعت کا عادی ہے تو بھی وہ اپنے اعمال سے گناہ کا پابند ہے
اور اس کی ساری خواہشات اور دلچسپیاں اس کی نفس پرستی سے متعلق ہیں
اس کے سارے خیالات نفسانیت سے پُر ہیں جو اس کی بری روش اور خراب
عادتوں کو پیدا بھی کر دیتی ہے۔ انسانی زندگی کا یہ اصول الٰہی زندگی کے متضاد
ہے کیونکہ روحانی لوگ وہ ہیں جن کی زندگی میں روح القدس بسا ہوا ہے۔ ان کے
سارے خیالات اور [illegible] بھی روحانی اور روح القدس کی مرضی اور طبیعت
[illegible] روح القدس کے وسیلے سے خدا کی محبت ان کے دلوں میں
ڈالی گئی ہے [illegible] زندگی کا [illegible] اور الٰہی اصول ان کی دلچسپی کا باعث ہوا اور ان کی
ساری خواہشات اور دلی رجحان اسی محبت کی پابند ہوں اور ان کا دنیا اور انسان
سے [illegible] ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے انسانی اور الٰہی تعلقات میں راستباز
اور [illegible] ٹھہریں۔ انسانی زندگی کی طرح بھی نفسانی باقی نہ رہے بلکہ روح
۶ القدس کی زندگی بن جائے جیسے کہ نفسانی اور روحانی زندگیاں اپنی
طبیعت اور مزاج میں متضاد ہیں۔ اسی طرح ان کے مقاصد اور انجام
بھی متضاد ہیں۔ کیونکہ نفسانی خواہشات کا انجام روحانی اور اخلاقی
موت ہے اس دنیا میں بھی اور آئندہ دنیا میں بھی۔ مگر روحانی خواہشات کا

انجام خدا سے میل ملاپ اور ابدی زندگی اور ایسا دلی اطمینان اور چین اور
سلامتی ہے جو روح القدس سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا کے روح کی رفاقت
سے الٰہی محبت اس طرح زندگی میں سرایت کر جاتی ہے کہ روح پاک زندگی کا
مرکز و محور بن جاتا ہے۔ اور پھر انسان کے [باطنی] خیالات میں وحدت اور یکسانیت
ظاہرہ اعمال میں اتفاق اور یکسانیت۔ اور ظاہر و باطن میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے
اس کی شخصیت کی اب منقسم حالت باقی نہیں رہتی کہ بھلائی اور برائی دونوں
طرف میلان ہو اور "اپنی عقل سے تو خدا کی شریعت کا غلام ہو مگر نفس سے گناہ
کی شریعت کا" "مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ
۷ آسودہ ہوں گے" ۵ نفسانیت انسان کو خدا کے خلاف ہلاکت کی طرف لیجاتی
ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ نفس پرست انسان خدا پرست بھی ہو۔ گنہگار انسان
راستباز بھی ہو۔ اور شیطان فرشتہ بھی ہو۔ کوئی انسان شیطان اور خدا دونوں
کی خدمت نہیں کر سکتا۔ نہ ہی کوئی نیکی اور بدی دونوں کا پابند بن سکتا ہے
"تم خداوند کے پیالے اور شیطان کے پیالے دونوں میں سے نہیں پی سکتے۔ خداوند
کے دسترخوان اور شیاطین کے دسترخوان دونوں پر شریک نہیں ہو سکتے" ۱ کر
۱۰: ۲۱ کیونکہ "کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا۔ متی ۶: ۲۴۔ اور
یہ اس وقت ممکن ہوتا جب شیطان خدا کا فرمانبردار اور نفس روح القدس کے
تابع۔ اور نفسانی خواہشات اور ارادے شریعت کے مطابق ہوتے۔ مگر یہ حقیقت
۸ سے اس وقت تک دور ہے۔ جب تک کہ بدی نیکی نہیں ۵ اور جو نفسانی ہیں ان
۹ کے حرکات و سکنات خدا کو پسند نہیں ۵ "کیا تم خدا کا مقدس ہو اور خدا کا روح
تم میں بسا ہے" ۱ کر ۳: ۱۶۔ اس لئے تم نفسانی نہیں بلکہ روحانی اور روح القدس
کے ہو کیونکہ "جو خداوند کی صحبت میں رہتا ہے وہ اس کے ساتھ ایک روح ہوتا

ہے۔ ۱ کر ۶: ۱۷ روح القدس ہی انسانی زندگی کو الٰہی زندگی سے ملانے کا واسطہ ہے ۔ اور یہ روح القدس تمہیں حاصل ہے ۔ کیونکہ تم خداوند مسیح پر ایمان لاکر راستباز ٹھہرائے گئے ۔ اور جس انسان میں خدا کا روح ہوتا ہے اس کی زندگی اسی روح کے زیر اثر ہوتی ہے لیکن جس کے پاس روح پاک نہیں وہ گناہ آلود نفس کے زیر اثر زندگی بسر کرتا ہے ۔ اور جسے خداوند کا یہ روح پاک حاصل نہیں وہ ہرگز مسیحی بھی نہیں ۔

چونکہ خدا الوہیت کا مصدر ہے ۔ اس لئے روح القدس خدا کا روح کہلاتا ہے ۔ اور چونکہ خداوند مسیح انسان اور خدا کا درمیانی ہے ۔ جس کے وسیلہ سے انسان کی خدا تک رسائی ہے اور جس میں ہو کر خدا انسان سے ملتا ہے اور جس کی وساطت سے روح پاک عطا کرتا ہے ۔ اس لئے یہ "مسیح کا روح" کہلاتا ہے ۔ نویں اور دسویں آیات میں رسول نے "خدا کا روح" کو "مسیح کا روح" اور پھر "خود مسیح" کہا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم کلیسیا اور پولس رسول خداوند مسیح کو خدا کا کامل ظہور مانتے تھے ۔ اور اس کی انسانی ذات اور زندگی کو روح القدس کا اظہار تسلیم کرتے تھے ۔ ساتھ ہی ساتھ قدیم مسیحی کلیسیا کو روح القدس کی رفاقت مانتے تھے ۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے ۔ کہ مسیحی جماعت نے خداوند مسیح پر ایمان رکھنے سے "خدا کا روح" حاصل کیا ۔ اس روح واحد نے بدن واحد وضع کیا اور پولس رسول اس بدن کو "مسیح کا بدن" کہتے ہیں ۔ جو ایک ایسی نئی انسانیت ظاہر کرتا ہے جس کا خداوند مسیح خود نمائندہ اور نمونہ ہے ۔ اسی لئے رسول نے کہا کہ ہر فرد جو خدا کا روح رکھتا ہے ۔ اس میں خداوند مسیح موجود ہوتا ہے اور اس کی زندگی میں کام کرتا ہے ۔ کیونکہ یہ فرد خود بھی خداوند کے بدن کا ایک عضو ہے ۔ اس طرح یہ جماعت روح القدس کا بدن یا خداوند مسیح کا بدن کہلائی اور اس کے افراد روح القدس کا مقدس یا خداوند مسیح کا مسکن کہلائے

خداوند مسیح کو "پچھلا آدم زندگی بخشنے والی روح" بتایا ہے ۔ ۱ کر ۱۵: ۴۵۔ اور پولس رسول نے جہاں "خداوند کا روح" کہا وہیں یہ بھی کہا کہ "خداوند روح ہے"۔ ۲ کر ۳: ۱۷ ۔ اختلاط الفاظ کی وجہ پولس رسول کا شخصی تجربہ تھا۔ رسول نے یہ دیکھا کہ خداوند کی رفاقت ایک الٰہی قدرت اور طاقت بخشتی ہے ۔ جسے انھوں نے "روح" کہا ۔ اس الٰہی قدرت کی پاکیزگی کے کام کو انھوں نے خداوند مسیح سے منسوب کیا ۔ کیونکہ وہی خدا کی ابدی محبت کو ظاہر کرنے والا ہے ۔ جو ہر ایک انسان کی نجات چاہتی ہے "مسیح میں" "روح میں" ۔ "تم میں روح" "تم میں مسیح" سب ایک ہی حقیقت کی نسبت مختلف لحاظ سے متفرق الفاظ ہیں۔ اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ الٰہیات کے رو سے بھی رسول نے خداوند مسیح اور روح القدس کو ایک ہی حقیقت سمجھا ۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ رسول کو روح القدس اور خداوند مسیح کا ایک ہی سا تجربہ تھا ۔ اور یہ حقیقت الٰہیات کے لئے نہایت ہی بیش قیمت ہے کیونکہ اس طرح روحانی اور الٰہی تجربے وہمی اور غیر اخلاقی ہونے سے بچ جاتے ہیں اور سارے روحانی تجربوں کی بنیاد ایک تاریخی حقیقت پر قائم ہو جاتی ہے جو یہ ہے کہ خدا نے اپنے آپ کو مسیح میں ظاہر کیا ۔ یہ بھی یاد رہے کہ رسول کے زمانہ میں الفاظ کی اصطلاحی شکل نہیں بنی تھی ۔ جیسا کہ آجکل ہے ۔ اسی لئے الفاظ کا استعمال ہماری نظر میں نہایت ہی خلط ملط معلوم ہوتا ہے ۔

۱۰ نجات کی تعلیم کا بیان ۶: ۱ میں "کیا ہم گناہ میں مدام رہیں تاکہ فضل زیادہ ہو؟" کے سوال سے شروع ہوا ۔ اور اب تک رسول نجات کی تعلیم کا اخلاقی مفہوم ہمیں سمجھاتے رہے ۔ اور بتایا کہ نجات گناہ کی غلامی کا خاتمہ اور اخلاقی ترقی کے لئے روحانی آزادی ہے ۔ ۵: ۱۲ میں ذکر ہو چکا ہے کہ رسول کے نزدیک گناہ اور موت میں ایک گہرا تعلق ہے ۔ اور جیسا کہ ۶: ۱۔ ۱۴ میں کہا گیا ہے ۔ کہ جسمانی قیامت

اور مسیح میں روحانی اور اخلاقی قیامت کا گہرا تعلق ہے۔ اسی طرح یہاں بھی دسویں اور گیارھویں آیات میں کسی اور سوال کی ضمن میں وہی بات کہی گئی ہے۔ پیشتر کہا جا چکا ہے کہ چونکہ خداوند مسیح کا روح ہر ایک مومن میں کام کرتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی راستی اور پاک زندگی سے خدا کو خوش کر سکتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روح القدس سے ایسی معمور زندگی کا جسمانی موت سے کیا تعلق ہے۔ اس سوال کے رسول نے دو حل پیش کئے ہیں۔

(۱) اگر خداوند مسیح کا روح تم میں ہو اور تمہاری روح اس سے متعلق ہو تو گو تمہارا جسم اس وقت بھی فانی رہیگا۔ کیونکہ "گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب سے موت آئی اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی" ۵: ۱۲۔ لیکن تو بھی تمہاری راستبازی روح ابدی حیات کی وارث ہو گی۔ ایک مسیحی اس نحیف اور کمزور جسم کے ضائع ہونے کی پرواہ چنداں نہ کرے گا۔ کیونکہ اس کی اصلی اور حقیقی ذات روحانی ہے۔ "جو خداوند کی صحبت میں رہتا ہے وہ اس کے ساتھ ایک روح ہوتا ہے" اور روح غیر فانی ہے۔ ہر ایک مسیحی کو یہ الہٰی زندگی خداوند مسیح سے ملتی ہے جو "زندگی بخشنے والی روح بنا۔ اور خداوند کا روح ہر ایک مسیحی میں اس طرح بستا ہے کہ وہ اس کی زندگی کی کشتی کا ناخدا بھی ہو جاتا ہے اور مسیحی اپنی خودی کھو کر خداوند کے ساتھ ایسا ایک تن ہو جاتا ہے کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ "میں مسیح کے ساتھ مصلوب ہوا ہوں۔ اور اب میں زندہ نہ رہا بلکہ مسیح مجھ میں زندہ ہے۔ اور میں جو اب جسم میں زندگی گذارتا ہوں تو خدا کے بیٹے پر ایمان لانے سے گذارتا ہوں" گل ۲: ۲۰۔ یہ زندگی پاک راستباز اور نجات یافتہ زندگی ہے۔

(۲) اس میں شک نہیں کہ جسم فانی ہے لیکن اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ جسم کی یہ بربادی دائمی ہے۔ اگر خدا کا روح جو خود حیات ہے تم میں بسا ہوا ہے

تو تمھیں اس فانی جسم کی قیامت کا بھی یقین ہونا چاہیئے۔ جس خدا نے خداوند
یسوع کو مردوں میں سے جلایا کہ "جو سو گئے ہیں ان میں پہلا پھل" ہو (۱ کر ۱۵: ۲۰)
وہی خدا تمھاری زندگی میں روح القدس کی موجودگی کی وجہ سے "تمھارے
فانی بدنوں کو بھی اپنے اس روح کے وسیلے سے زندہ کریگا" اور تب یہ جسم
بھی ابدی حیات کا وارث ہوگا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بدن سے کیا مراد ہے۔ کیا یہ خون اور گوشت
کا جسم یا کچھ اور۔ قدیم کلیسیا اور مفسرین اس سے مراد خاکی جسم لیتے تھے۔
"میں اعتقاد رکھتا ہوں جسم کے جی اٹھنے پر" مسیحی عقیدہ کا لازمی حصہ رہا ہے
لیکن اب نئے مفسرین اور علماء مثلاً سی ایچ ڈاڈ۔ جمیسن پیک۔ الفریڈ ای گاروی
فاز ڈک وغیرہ اس سے مراد روحانی جسم لیتے ہیں۔ ۱ کر ۱۵: ۳۵-۵۸ میں قیامت
کے متعلق جو کچھ بحث کی گئی ہے اس سے یہی سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ روحانی
جسم انسان کی خدا دی ذات ہے جو ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ خاکی جسم کی تبدیلی سے
اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ یہ جسم یا ذات گو اس وقت فانی ہے لیکن
اپنے ساتھ یہ غیر فانی ہونے کا بھی امکان رکھتا ہے۔ "جب نفسانی جسم ہے تو
روحانی جسم بھی ہے" خداوند مسیح روحانی جسم کے ساتھ ہی اٹھا تھا۔ وہی قدرت
جس نے خداوند کو زندہ کیا اس وقت بھی انہیں جو اس میں قائم ہیں زندہ کرنے
پر قادر ہے۔ مرنے پر جو بویا جاتا ہے وہی فانی ہے اور جو جی اٹھتا ہے وہ غیر فانی
ہے۔ بویا تو جاتا ہے جاندار جسم اور جی اٹھتا ہے روحانی جسم۔ اور جب یہ فانی
جسم بقا کو پہن چکیگا تو کلام پاک کا وہ قول پورا ہوگا کہ موت فتح کا لقمہ ہو گئی۔
(۳) روح کی بقا کا خیال گو زمانہ تاریخ سے بھی قدیم تر ہے لیکن اس کی ابتدا
یونان میں پہلے پہل افلاطون نے کی۔ اور اپنشدوں اور گیتا سے ملا ہے کہ

روح کے قدیم اور غیر فانی ہونے کی تعلیم خداوند مسیح سے سینکڑوں سال پیشتر
ہی ہندوستان میں رائج ہو چکی تھی۔ گیتا میں روح کے متعلق مذکور ہے کہ "جو
اسے قاتل خیال کرتا ہے اور جو اسے مقتول سمجھتا ہے دونوں نا سمجھ ہیں۔
نہ تو یہ قتل کرتی ہے اور نہ یہ کہ قتل ہوتی ہے۔ یہ غیر مولود اور غیر فانی ہے۔ نہ یہ
کبھی پیدا کی گئی نہ کبھی پیدا کی جائے گی۔ غیر مولود۔ غیر فانی۔ ازلی۔ قدیم۔ جب
جسم قتل ہوتا ہے تو یہ قتل نہیں ہوتی۔ اے پرتھا کے بیٹے! جو اسے غیر فانی
ازلی۔ غیر مولود اور غیر فانی سمجھتا ہے کیسے کسی کو قتل کرائیگا اور کیسے قتل کریگا
۔۔۔ ہتھیار اسے مجروح نہیں کرتے نہ آگ اسے جلاتی ہے۔ پانی اسے
نہیں بھگوتا نہ ہوا اسے خشک کرتی ہے۔ یہ نہ مجروح ہوتی ہے۔ نہ جلتی ہے
نہ گیلی ہوتی ہے۔ نہ سوکھتی ہے۔ یہ غیر فانی۔ ہمہ جا قائم۔ دائم اور ایک دائم
ازلی ہے۔ یہ نادیدہ۔ سمجھ سے باہر۔ اور غیر منقسم بتائی جاتی ہے۔" ۲: ۱۹-۲۵
روح کی بقا کے متعلق افلاطونی خیال کلیسیا میں داخل ہو گیا لیکن رسول پولس
نے خود اس کی وضاحت کہیں بھی نہیں کی ہے۔ اگر جدید علما کی طرح گیارھویں
آیت میں بدن سے مراد ذات لی جائے اور پھر انسانی ذات کو فانی کہا جائے تو پھر
روح کو بھی فانی تسلیم کرنا پڑیگا۔ اور اگر روح بالذات فانی ہے تو "زندہ کرنے" یا
قیامت کا مطلب یہ ہوا کہ خدا مسیحیوں کو بقا بخشیگا اور وہ ابد الآباد زندہ رہینگے
اور یہ بقا اس طرح حاصل ہوگی کہ خدا کی ازلی روح انسانی ذات میں داخل ہو کر
اسے اپنا بنا لے گی جیسے کہ انسانی روح انسانی جسم کو اپنا بنا لیتی ہے اور اس طرح
مسیحیوں کی انسانی ذات بھی غیر فانی ہو جائے گی کیونکہ خدا غیر فانی ہے۔ اسی
خیال کو رسول نے اس طرح بھی ظاہر کیا ہے کہ مسیحی خداوند مسیح سے متعلق ہو کر
ابد الآباد زندہ رہیں گے کیونکہ خداوند زندہ ہے۔ ان دونوں مقامات پر روح

اور جسم کی مثال کا تخیل پیش کیا گیا ہے۔ یعنی جیسے روح جسم سے متعلق ہو کر جسم کو زندہ رکھتی ہے کیونکہ بغیر روح کے جسم مردہ ہے۔ اسی طرح روح القدس یا خداوند مسیح سے مسیحی ابدی حیات پاتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جب رسول لفظ موت استعمال کرتے ہیں تو اس وقت ان کی نظر کے سامنے الٰہی عدالت کا وہ نقشہ ہے جبکہ حشر کے روز گنہگار پر سزا کا حکم لگایا جائیگا اور وہ جہنم میں ڈالا جائیگا۔ اس کے برخلاف لفظ زندگی وہ نقشہ پیش کرتی ہے جبکہ مسیحی راستباز ٹھہرایا جائے گا اور جنت میں داخل ہو کر آرام اور الٰہی رفاقت حاصل کرے گا۔

۲: ۱۱ میں رسول کی تعلیم پر اعتراض کیا گیا تھا کہ فضل سے ایمان کے ذریعہ نجات کی تعلیم بے ہودہ ہے۔ رسول نے اس کے جواب میں اپنی نجات کی بحث کو ۳: ۱۱ پر ختم کیا۔ اس تعلیم کا خاص حصہ ۲: ۱۱-۱۴ میں مذکور ہے۔ اپنی بحث کو ختم کرنے کے بعد رسول کو وضاحت کا خیال پیدا ہوا اور پھر اعتراض کو دوبارہ مدنظر رکھ کر اپنی تعلیم کی اور وضاحت شروع کر دی۔ پہلے تو انھوں نے نجات کی تعلیم کو دہرایا۔ پھر نجات کے تجربہ کا بیان کیا۔ اور تعلیم کے بعد تعلیم کا اطلاق مکتوب الیہ پر کرتے ہوئے انھیں پاک زندگی کی تلقین کی۔ اور پھر بعد میں انہیں تنبیہ کی۔ گلتی کے خط کا بھی ایسا ہی طرز ہے۔

۱۲ جبکہ خدا ہمیں ابدی حیات بخشیگا اور ہم اس کے فضل سے ایمان کے وسیلہ نجات پاتے ہیں تو کیا ہمارے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور ہم گناہ میں مدام رہیں"۔ اور نفس کے مطابق زندگی بسر کرتے رہیں؟ نہیں اسے سمجھائیو۔ اب ہم نفس کے پابند تو نہیں مگر روح کے پابند ضرور ہیں اور ہماری ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اور ذمہ داری یہ نہیں کہ ہم نفس کے مطابق زندگی گذاریں

بلکہ یہ ہے کہ روح القدس کے مطابق زندگی گذاریں۔ پس میں یہ کہتا ہوں کہ روح کے موافق چلو تو نفس کی خواہش کو ہرگز پورا نہ کرو گے۔ کیونکہ نفس روح کے خلاف خواہش کرتا ہے اور روح نفس کے خلاف اور یہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں" گلتیوں ۵: ۱۶-۱۷، ۱۳ اور اگر تم نفس یعنی اپنی پرانی گناہ آلودہ انسانیت کے مطابق زندگی گذارو جو مسیح خداوند کے ساتھ مصلوب ہوئی "تاکہ گناہ کا بدن ایسا معطل ہو جائے کہ ہم گناہ کے غلام باقی نہ رہیں" [رومیوں ۶: ۶] تو یاد رکھو کہ تم اپنی زندگی کو ابدی ہلاکت کی طرف لئے جا رہے ہو۔ لیکن اگر روح پاک کے تقاضا کو پورا کرتے ہوئے نفس پرستی کو مٹاؤ تو ابدی حیات کی وراثت تمہاری ہے۔ دوسرے لفظوں میں مسیح کی محبت نے تمہارے دل میں ایک نیا جوش اور ایک نئی غیرت پیدا کی ہے تو بھی یاد رکھو کہ پرانی انسانیت کی کمائی نے دل کا میلان بدی کی طرف کر رکھا ہے اور یہ اس وقت تک دور نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان ۱۴ خود بھی اس کے دور کرنے کا خواہاں نہ ہو۔ [کرنتھیوں ۹: ۲۵-۲۷] میں یہ اس لئے کہتا ہوں کیونکہ تم خدا کے فرزند ہو اور تمہارے لئے مناسب نہیں کہ نفسانی چال پر چلو بلکہ چاہیئے کہ روحانی چال پر چلو اور اپنے باپ کے روح کی ہدایت کے مطابق ۱۵ زندگی بسر کرو کیونکہ وہی بیٹا وہی ہے جو باپ کی ہدایت پر چلتا ہے۔ اور جب کہ خداوند مسیح پر ایمان رکھنے سے تمہیں روح القدس حاصل ہوا تو روح نے تمہیں کوئی غلامی کی طبیعت نہ دی جس کی وجہ سے خدا کے خوف اور غضب سے دل ہراساں ہو جیسا کہ ان لوگوں کا حال ہے جو یہودی مرید ہیں بلکہ تمہیں فرزندیت کی طبیعت بخشی اور تمہارے دلوں میں الٰہی محبت کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ چنانچہ تم ایسا محسوس کرتے ہو کہ خدا نے تمہیں لے پالک فرزند بنا کر اپنے آسمانی خاندان میں جگہ دی اور وہ تمہارا باپ اور تم اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہو۔ اور

جب تمہیں ایسا بڑا مرتبہ ملا تو پھر خوف کیسا۔ کیونکہ فرزند ہونے کے سبب
"محبت ہم میں کامل ہو گئی ہے تاکہ ہمیں عدالت کے دن دلیری ہو۔۔۔۔۔
محبت میں خوف نہیں ہوتا بلکہ کامل محبت خوف کو دور کر دیتی ہے" ۱ یوحنا
۴: ۱۷-۱۸ + ابا ارامی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی باپ کے ہیں۔ ممکن
ہے کہ ابا کا اشارہ کسی ایسی دعا کی طرف ہو جو رسولوں کے زمانہ میں استعمال ہوتی
تھی اور جس میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہو۔ دعائے ربانی میں اس کی جگہ یونانی کا
لفظ "اے باپ" موجود ہے۔ خداوند خود اپنی دعاؤں میں خدا کو ابا کہہ کر پکارتا
تھا۔ "تعلیم" کی دعاؤں میں "اے باپ" بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اس کے
علاوہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ قدیم کلیساؤں میں عبادت کے موقعوں پر بعض
اصحاب جوش میں آکر ایسے الفاظ بول دیا کرتے تھے جن سے عوام ناواقف تھے
ایسی بولی کو بعض روح القدس کی زبان سمجھے گئے۔ رسول نے اس ضمن میں تاکید
کی کہ بہتر ہے کہ انسان ایسی زبان بولے جو دوسرے بھی سمجھ سکیں یا کم از کم وہ خود
سمجھ سکے ۱ کر ۱۴ باب۔ ممکن ہے کہ لفظ ابا سے بھی رسول کا ایسے موقعوں کی طرف
اشارہ ہو جبکہ لوگ عبادت کے موقعوں پر "ابا!" کہہ اٹھتے تھے۔ اس قسم کی
صدائیں پنتکستیوں کے درمیان اب بھی عام ہیں۔ ان کی مجلسوں میں "ہللویاہ!"
"خداوند کی حمد کرو" وغیرہ کثرت سے استعمال کئے جاتے ہیں۔ نئے عہدنامے
میں خدا کے لئے باپ کا لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے اور اس کا استعمال مسیحی
کلیسیا میں اب تک جاری ہے۔ "باپ" اور "بیٹا" ایسے الفاظ ہیں جن سے
خاص طور سے مسلمانوں کو بہت ہی غلط فہمی ہوتی ہے اور وہ ایسے الفاظ کا
استعمال مصلحت نہیں سمجھتے۔ عام طور سے یہ بھی مشہور ہے کہ مسیحیت سارے
بنی آدم کو خدا کا فرزند اور خدا کو سب کا باپ بتاتی ہے گو یہ ایک طرح سے صحیح

ہے تاہم یہ درست ہے کہ ہر ایک انسان کے لئے بیٹے کا لفظ یا ہر ایک انسان کی نسبت سے خدا کیلئے باپ کا لفظ ہم ایک ہی مفہوم میں نہیں استعمال کرتے بلکہ تین مختلف معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ جب خداوند مسیح کیلئے لفظ خدا کا بیٹا استعمال کرتے ہیں تو اس سے ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خداوند مسیح صاحب الوہیت اور ذات باری کا اقنوم دوم ہے۔ اور انسانی نسبت سے خدا کا ظہور اور نجات کا واحد وسیلہ ہے۔ اور خدا اس کا باپ یعنی اس کی الوہیت کی اصل، ابتدا اور اس کے ظہور کی حقیقت ہے جو بنی آدم کی نجات کی خاطر مسیح کے وسیلے سے اپنے آپکو ظاہر کرتا ہے۔ جب ہم مسیحیوں کو خدا کا فرزند کہتے ہیں تو ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ نجات یافتہ لوگ ہیں جو اخلاقی اور روحانی معنوں میں خدا کی صورت پر ایسا ڈھلتے چلے جاتے ہیں جو خدا کی بزرگی اور جلال کا باعث ہے اور خدا کو باپ اس معنی میں کہتے ہیں کہ وہ ہماری نجات کا بانی اور ہماری اخلاقی اور روحانی زندگی کا کامل اور لازوال معیار ہے جس پر نجات یافتہ زندگی ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ اور جب ہم غیر مسیحیوں کو خدا کا فرزند کہتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ امکانی طور پر خدا کے ویسے ہی فرزند ہیں جیسے مسیحی یعنی یہ کہ وہ بھی اگر خداوند مسیح پر ایمان لائیں تو خدا کے فرزند بن سکتے ہیں۔ اور جو امر ابھی محض امکانی ہے وہ حقیقی بن سکتا ہے۔ اور جب ان کی نسبت سے خدا کو باپ کہتے ہیں تو اس سے مراد امکانی باپ ہے یعنی یہ کہ خدا اپنی طرف سے بخشنے اور فرزند بنانے کیلئے تیار ہے۔ ان خیالات کے علاوہ باپ اور بیٹا کے الفاظ الٰہی محبت کا رنگ بھی رکھتے ہیں جو باپ اور بیٹا کے رشتوں کی بنیا ہے۔ نہ فقط یہ ہمارا اپنا احساس ہے کہ خدا ہمارا باپ اور ہم اس کے فرزند ہیں بلکہ روح القدس بھی اس بات کا شاہد ہے۔ چنانچہ کلیسیائی عبادتوں میں بھی جبکہ روح القدس کے زیر اثر لوگ خدا کو ابا کہتے ہیں۔ تو بار بار اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ روح پاک کی نظر میں بھی سچ مچ ہم خدا کے فرزند ہیں۔ نفظ

۱۴

"فرزند" شفقت - پیار - تعلق اور حفاظت کے خیالات کا اظہار کرتا ہے ۔
"دیکھو باپ نے ہم سے کیسی محبت کی ہے کہ ہم خدا کے فرزند کہلائے اور ہم ہیں بھی۔" ۱-یوحنا ۳:۱۔ اور لفظ "بیٹا" عہدہ - مرتبہ اور حقوق کا اظہار کرتا ہے ۔

۱۷ ہم خدا کے فرزند ہیں اور ہمارے دلوں میں روح القدس بستا ہے جو خدا کی "ملکیت کی مخلصی کے لئے ہماری میراث کا بیعانہ ہے تا کہ اس کے جلال کی ستائش ہو۔" افسیوں ۱:۱۴۔ اور "خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا ... تا کہ ہم متبنیٰ ہو جائیں ۔ اور چونکہ تم بیٹے ہو اس لئے خدا نے اپنے بیٹے کا روح ہمارے دلوں میں بھیجا جو ابا یعنی اے باپ پکارتا ہے ۔ پس اب تو غلام نہیں بلکہ بیٹا ہے ۔ اور اگر بیٹا ہے تو خدا کے سبب وارث بھی ہے۔" گلتیوں ۴:۴-۷۔ خداوند مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ اور ہم بھی ایمان کے سبب لے پالک بیٹے ٹھہرے جیسے لے پالک ۔ کیونکہ خدا پر ہمارا اپنا کوئی حق نہ تھا بلکہ خدا نے خود ہمیں حقدار بنایا ۔ اور جب ہمیں حقدار لے پالک بیٹے بنایا تو ہم خدا کے جلال کے وارث بھی ہوئے اس جلال کا حقیقی وارث خداوند مسیح ہے ۔ اور اس حق اور وراثت کا یہ مطلب نہیں کہ ہم صرف جلال میں خداوند مسیح کے ہم میراث ہیں ۔ بلکہ اُس سے متعلق ہونے کے باعث اس کے دکھ اور سکھ دونوں کے حقدار ہیں ۔ کیونکہ ہماری زندگی کا تعلق نہ فقط اپنے فائدہ اور بزرگی کے لئے ہے بلکہ ایثار - قربانی اور فرمانبرداری کے لئے بھی ہے۔

۱۸ کیا خداوند مسیح کا بے حد دکھ درد تمہیں یاد ہے ؟ کیا تم بھی ایسی قربانی اور ایثار کے لئے تیار ہو ؟ کیا تم بھی خدا کی فرمانبرداری میں اپنی جان قربان کرنا ایک معمولی بات سمجھتے ہو؟ ضرور ہے کہ خداوند کے ساتھ ہم دکھ اٹھائیں لیکن میرے اس کہنے سے تم گھبرا نہ جانا اور ایسی قربانی کو بہت مشکل نہ سمجھنا ۔ دیکھو تو سہی کیا اس جہان کے دکھ درد آسمانی جلال کا مقابلہ کر سکتے ہیں ؟ میں تو

جلال کے لئے ہر طرح کے دکھ اور مصائب اٹھانے کے لئے تیار رہوں۔ خدا کے
جس جلال سے ہم کمتر رہ گئے وہ ہمیں بھرپوری کے ساتھ ملے گا۔ بلکہ ہم حاصل
کرتے چلے جا رہے ہیں اور "عزیزو! ہم اس وقت خدا کے فرزند ہیں اور ابھی
تک یہ ظاہر نہیں ہوا کہ ہم کیا کچھ ہوں گے۔ اتنا جانتے ہیں کہ جب وہ ظاہر ہوگا تو
ہم بھی اس کی مانند ہوں گے کیونکہ اس کو ویسا ہی دیکھینگے جیسا وہ ہے۔ اور جو
کوئی اس سے یہ امید رکھتا ہے اپنے آپ کو ویسا ہی پاک کرتا ہے جیسا وہ پاک
ہے" ۱ یوحنا ۳: ۲-۳ اور دکھ اور مصیبت سے کیا گھبرانا۔ دنیا ہمارا گھر نہیں کیونکہ
"ہمارا وطن آسمان پر ہے" "خداوند مسیح" اپنی اس طاقت کے موافق جس سے
سب چیزیں اپنے تابع کر سکتا ہے ہماری پست حالی کے بدن کی شکل بدل کر اپنے
جلال کے بدن کی صورت پر بنائیگا" جسے کبھی زوال نہیں اور جو دکھ درد سے
بری ہے فلپیوں ۳: ۲۰-۲۱ "عالم بالا کی چیزوں کے خیال میں رہو نہ کہ زمین
پر کی چیزوں کے۔ کیونکہ تم مر گئے اور تمہاری زندگی مسیح کے ساتھ خدا میں پوشیدہ
ہے۔ جب مسیح جو ہماری زندگی ہے ظاہر کیا جائیگا تو تم بھی اس کے جلال میں ظاہر
کئے جاؤ گے" کلسیوں ۳: ۲-۴ ۔ رسول نے گناہ کی بحث سے اپنے خط کو شروع کیا۔ ۱۹
پھر خدا کے علم اور انسان کی ضمیر پر ایک فلسفی کی طرح بحث کر کے ایک نبی کی طرح
اپنی بحث کو ثابت کرنے کے لئے نقلی دلیلیں پیش کیں۔ بعد ازاں ماہر نفسیات
کی طرح انسانی تجربوں کا بیان کرنے لگے اور اب ان کی توجہ کا رخ خالق کی طرف
ہوئی اور شاعر کی مانند سارے عالم کو ان خیالات کا ترجمہ تصور کرنے لگے جن سے
وہ خود اس وقت لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جیسا کہ دنیا پر انسان کے گناہ کا اثر
پڑا اسی طرح ضرور ہے کہ انسان کی راستبازی کا بھی اثر ہو اور عالم بھی مردگی
سے جی اٹھ کر اس جلال میں شریک ہو جو خدا کے فرزندوں کو حاصل ہے۔ گناہ پر

کہا گیا کہ "زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور وہ تیرے لئے
کانٹے اور اونٹکٹارے اگائیگی" پیدائش ۳: ۱۷-۱۸ اور بحالی پر دنیا کی خوشحالی
کا ذکر یسعیاہ ۶۵: ۱۷-۲۵ میں ہے ۔ حنوک کی کتاب میں اس کا نقشہ یوں کھینچا
گیا ہے "ان دنوں میں پہاڑ مینڈھوں کی مانند اچھلینگے اور پہاڑیاں ان
برّوں کی مانند کودینگی جنہیں دودھ سے تشفی ہوگئی ہو اور وہ سب کے سب
آسمان پر فرشتے بن جائیں گے ۔ ان کے چہرے خوشی سے چمکنے لگیں گے کیونکہ
ان دنوں خدا کا برگزیدہ ظاہر ہوگا اور زمین خوشی منائے گی اور راستباز اس
پر بسیں گے اور برگزیدہ لوگ اس پر ادھر ادھر پھیریں گے" زمین و آسمان نہایت
ہی دلی تمنا کے ساتھ اس بات کے منتظر ہیں کہ وہ مسیحیوں کو اس جلال و عظمت
میں ملبّس دیکھیں جو خدا نے اپنے فرزندوں کے لئے مقرر کر رکھا ہے ۔ وہ اس دن
کے لئے سخت بےچین اور بےقرار ہیں ۔ دنیا کو انسان سے بے نسبت اور غیر متعلق
نہ سمجھنا چاہیئے ۔ کیونکہ یہ انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی اور انسان ہی اس کا مختار
اور خدا کا خلیفہ مقرر ہوا ۔ انسان اور دنیا کا رشتہ ایسا ہے جیسا کہ دماغ اور جسم
کا ۔ جیسے دماغ جسم پر حکومت کرتا ہے اور اس کی رکھوالی اور پرورش کرتا ہے
اور جسم بھی دماغ پر اثر کرتا ہے اور دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں ۔
ایسا ہی انسان اور دنیا کا رشتہ ہے ۔ انسان کے گناہ کی دنیا بھی شریک ہوگئی اور
لعنتی بنی لیکن اس میں دنیا کا کوئی قصور نہ تھا کیونکہ دنیا نے اپنی خوشی سے ایسا
نہ کیا ۔ انسان نے گناہ کو پسند کیا اور لعنت قبول کی اور دنیا بھی اس کی شریک حال
ہوئی ۔ اور خدا نے بھی ایسا ہی ہونے دیا ۔ کیونکہ اس نے انسان کی نجات کا طریقہ
نکال رکھا تھا جس میں انسان کی سرفرازی کے ساتھ دنیا کی سرفرازی کا لحاظ موجود
تھی ۔ انسان کی عزت دنیا کی عزت ہے ۔ انسان کی ذلت دنیا کی ذلت ہے ۔ چنانچہ

جب خدا کے فرزند اپنے پورے جلال پر پہونچیں گے تو دنیا بھی ان کے ساتھ عظمت حاصل کرے گی اور جیسے جیسے بنی آدم خدا کی شکل پر ڈھلتے جاتے ہیں اور جلالی بنتے جاتے ہیں ویسے ہی ویسے دنیا بھی عزت حاصل کرتی جاتی ہے۔ انسان کے اقبال کے ساتھ دنیا کا اقبال اور انسان کے روحانی زوال کے ساتھ دنیا کا زوال ہے۔ دنیا کے پیدا کرنے کا جو الہی مقصد ہے وہ گناہ سے فوت ہوتا ہے۔ کیونکہ گناہ دنیا کی مقصد براری میں حارج ہے۔ مگر نجات اور پاکیزگی دنیا کے حصول مقاصد میں مددگار ہیں وہ اگر مادی دنیا میں شعور ہوتا اور ۲۲ احساسات کی صلاحیت ہوتی تو دنیا اس وقت ایسی صورت کی مانند معلوم ہوتی۔ جو دردزہ میں پڑی تڑپتی اور کراہتی ہے۔ دنیا کا یہ دکھ اول تو اس لئے ہے کہ انسان کے گناہ کا دکھ ہے ہی بہت زیادہ۔ دوم اس لئے کہ دنیا کی اس مقصد براری میں حرج پیدا ہو گیا۔ جس کے لئے خدا نے اسے پیدا کیا تھا وہ ایسا دکھ ۲۳ صرف دنیا ہی کو نہیں بلکہ ہم مسیحیوں کو بھی ہے جو اپنی زندگی کے مقصد اور خدا کے ارادے سے واقف ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمیں روح القدس کی نعمتیں ملیں اور ہم گناہ سے چھوٹ کر نجات کے وارث ہو گئے۔ لیکن تو بھی ہماری توجہ آئندہ کی طرف ہے۔ جب ہم خداوند مسیح کے پورے قد کے اندازہ تک پہونچیں گے۔ اور اس کے جلال کے شریک ہوں گے اور جب ہمیں روحانیت کا کمال حاصل ہوگا۔ یعنی اس وقت کی طرف جب ہم قیامت میں جی اٹھیں گے اور فانی اور ضعیف بدن کے بجائے روحانی اور جلالی بدن حاصل کریں گے۔ جو ابد الآباد قائم رہیگا۔ اور ہم نہایت ہی امید کے ساتھ صبر سے اس دن کے منتظر ہیں وہ نجات کوئی ساکن شے نہیں بلکہ متحرک ہے ضعف نہیں بلکہ الہی قدرت ۲۴ ہے۔ موت نہیں بلکہ زندگی سبب ہے۔ اسم نہیں بلکہ فعل ہے۔ جب ہم خداوند مسیح

پر ایمان لائے اور بپتسمہ لیا تو ہماری تبریہ ہوئی جو نجات کی ابتدا ہے اور اس وقت سے ہم نجات میں قدم مارتے چلے جا رہے ہیں یہاں تک کہ ہمیں امید ہے کہ ہم راستہ ہی میں نہ جائیں گے بلکہ اختتام تک ثابت قدم رہیں گے اور ہماری نجات تکمیل تک پہونچے گی۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور نجات پر کلی طور پر یک وقت قبضہ ہوتا اور اگر تبریہ ہی کامل نجات ہوتی تو پھر نجات کی امید یعنی نجات کی تکمیل کی امید کے کچھ معنی نہ ہوتے۔ کیونکہ جو شے حاصل ہو گئی اس کے حصول کی امید کے کیا معنی ہیں لیکن اگر ایک چیز ہمیں حاصل نہیں اور ہماری نظر سے اوجھل ہے تو امید رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ہر حالت میں نہایت ہی صبر سے اس وقت کے منتظر ہیں جب وہ شے ہمیں حاصل ہوگی۔ "یہ خوب ہے کہ آدمی امیدوار رہے

۲۵

اور خاموشی سے خداوند کی نجات کا انتظار کرے۔" نوحہ ۳: ۲۶ ہمارا اس وقت یہ حال ہے کہ نجات کی تکمیل کے لئے کراہتے ہیں اور صبر سے جلال کی امید رکھتے ہیں کیونکہ ہم انسانی کمزوری سے گھبراتے ہیں۔ اور گناہ سے متنفر ہیں اور چاہتے ہیں کہ سارا جہان باغ عدن بن جائے اور عالم ناسوت عالم لاہوت میں تبدیل ہو جائے۔ چنانچہ ہمارے دلوں میں روح القدس کی موجودگی سے ہر حالت میں صبر حاصل ہوتا ہے اور نجات کی امید رہتی ہے کیونکہ وہی ہماری نجات کا بیعانہ ہے۔ وہی ہمارا زور اور ہماری توانائی ہے۔ وہ دعا میں بھی ہمارا مددگار ہے۔ کیونکہ وہ ہماری دعا کو خدا کی مرضی کے مطابق بناتا ہے۔ "روح سب باتیں بلکہ خدا کی تہ کی باتیں بھی دریافت کر لیتا ہے۔ کیونکہ انسانوں میں سے کون کسی انسان کی باتیں جانتا ہے سوا انسان کی اپنی روح کے جو اس میں ہے؟ اسی طرح خدا کے روح کے سوا کوئی خدا کی باتیں نہیں جانتا۔" ۱۔کر ۲: ۱۰-۱۱ ہمارا کراہنا روح القدس کی آواز ہے جو خدا کے فضل کے تخت تک پہونچتی ہے اور اس طرح

۲۶

ہماری دعا مقبول ہوتی ہے اور ہماری دلی آرزو بھی پوری ہوگی اور ہماری نجات

۲۷ یقینی تکمیل تک پہونچے گی۔ گو ہمارا یہ کراہنا بے معنی معلوم ہو مگر خدا جو دلوں

کا پرکھنے والا ہے اور اپنے روح کی باتوں کو جانتا ہے کہ وہ عین میری مرضی کے

مطابق ہیں۔ خوشی سے ہماری دعا کو قبول کرتا ہے۔ روح کی یہ دعا خدا کے

بندوں کی بھلائی کے لئے ہوتی ہے تاکہ وہ مستحکم اور مستعد ہو کر اپنی نجات

۲۸ کو تکمیل تک پہونچائیں۔ ابھی ۲۶ اور ۲۷ آیات میں کہا جا چکا ہے کہ روح

القدس کمزوری میں ہماری مدد کرتا ہے اور ہماری دعاؤں میں ہماری امداد کرتا ہے۔

اور رسول نے آگے یوں فرمایا کہ نہ فقط دعاؤں میں وہ ہماری امداد فرماتا ہے بلکہ

سارے نیک امور میں وہ ہر طرح سے ہمارا مددگار اور ہم خدمت ہے۔ جیسے کہ ہم بھی

"خدا کے ہم خدمت ہیں" ۱ کر ۳ : ۹۔ روح القدس دنیا میں ان سب لوگوں کے ساتھ

مل کر کام کرتا ہے جو خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ یعنی ان لوگوں کے ساتھ جنہیں خدا

نے اپنے جلال کے لئے اور دنیا میں اپنی مرضی کو پورا کرنے کے لئے چن لیا۔

اسی واسطے کلیسیا کو خدا نے اپنا روح پاک عطا کیا۔ تاکہ وہ خدا کی مرضی کو پورا کرنے

اور دنیا کی نجات کو تکمیل تک پہونچانے میں کلیسیا کا مددگار رہے۔ اس آیت

میں ہمیں اس بات کا یقین دلایا گیا ہے کہ سارے نیک کاموں میں روح القدس

ہمارا مددگار اور ہم خدمت ہے۔ اور جب خدا کی قدرت و طاقت ہمارے ساتھ مل

کر کام کر رہی ہے تو پھر ہر جگہ ہماری فتح ہی فتح ہے۔

WAB کے نسخوں میں لفظ خدا کے اضافہ سے کسی کاتب نے یہ

اشارہ کیا ہے کہ "کام کرتا ہے" فعل کا فاعل خدا کو سمجھنا چاہیئے تو مطلب یہ

ہے کہ خدا اپنے محبت رکھنے والوں کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔ اور وہ ہر

طرح سے انکا مددگار ہے۔ دنیا میں مسیحی اکیلے نہیں بلکہ خدا خود ہمیشہ ہر ایک

نیک کام میں ہر طرح سے ان کا مددگار ہے۔ اور جب مسیحی خدمت میں خدا ہمارے ساتھ ہے تو کس کی مجال ہے کہ ہمارے مسیحی کاموں کو برباد کر سکے اور جب خدا خود ہمارے کام میں حصہ لینے والا ہے تو پھر ہماری کامیابی یقینی ہے۔ نئے مفسرین "وہ" سے مراد "خدا" ہی لیتے ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ سے مراد روح القدس ہے جس کا بیان پیشتر ہو چکا ہے۔ بہر کیف چاہے "خدا" ہو یا "روح القدس" مقصد ایک ہی ہے۔

گو غالباً رسول کا مطلب مذکورہ بالا ترجمہ سے حل ہوتا ہے لیکن تو بھی متن کا وہ ترجمہ بھی کیا جا سکتا ہے جو کتاب مقدس کے اردو ترجمہ میں پیش کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ "اور ہم کو معلوم ہے کہ سب چیزیں مل کر خدا سے محبت رکھنے والوں کے لئے بھلائی پیدا کرتی ہیں۔ یعنی ان کے لئے جو خدا کے ارادہ کے موافق بلائے گئے" اس ترجمہ کے لحاظ سے رسول کا مطلب یہ ہوا کہ چاہے دنیا میں کچھ بھی ہو رہا ہو۔ چاہے کتنی بھی بربادی اور تباہی آ رہی ہو۔ چاہے مصیبتوں کا پہاڑ ہم پر الٹ پڑے۔ لیکن تو بھی ہمیں یقین ہے کہ الہیٰ انتظام میں ان سب حادثات کی بھی جگہ ہے اور بالآخر ان کا انجام بھلا ہے۔ کیونکہ خدا جو عاقل کارساز ہے سب چیزوں کو بھلائی کے لئے اور اپنی مرضی کو پورا کرنے کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ اور جیسے کہ خدا انہیں اپنی مرضی کو پورا کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح ہم مسیحی بھی ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور انہیں اپنی روحانی ترقی کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ عقلمندی اور بڑائی اس میں نہیں کہ ہم شیطانی کاموں کے آگے اپنے سر خم کر دیں اور ہمت ہار جائیں بلکہ اس میں ہے کہ انہیں اپنی ترقی کے لئے استعمال کریں اور ان سے فائدہ اٹھائیں اور اس طرح دشمن

کی ساری کارروائی کو بیکار کر دیں۔ کسی بزرگ نے کہا ہے کہ مسیحیت میں کلیسیا نے ہمیشہ ترقی کی ہے ۲۹ جبکہ بابا آدم نے گناہ کیا۔ اور دنیا خدا کے جلال سے کمتر رہ گئی تو بظاہر طور پہ دنیا کے متعلق خدا کی مرضی مفقود ہوتی نظر آتی اور خدا اپنے ارادے میں ناکامیاب دکھائی دینے لگا۔ لیکن درحقیقت ایسا نہ تھا۔ کیونکہ خدا اپنی مرضی کو پورا کرنے پہ قادر تھا اور دنیا کے لئے نجات کے انتظام کو آپ ہی جانتا تھا۔ وہ پیشتر ہی سے ہم مسیحیوں کا بھی علم رکھتا تھا جو دنیا میں الہٰی مرضی کو پورا کرنے والے ہیں اور ہم اس عظیم خدمت میں اعلیٰ مرتبہ پہ آپ ہی سے نہیں پہنچ گئے۔ بلکہ خدا کے فضل نے ہمیں یہ مرتبہ دیا اور ہم نے ایمان سے اسے حاصل کیا۔ اس لحاظ سے اسکانی طور پہ خدا کے انتظام کے ماتحت ہم پیشتر ہی سے مقرر ہو چکے تھے کہ خدا کے جلال کے شریک ہوں۔ ہمارا تقرر الہٰی انتظام کے لحاظ سے یہ تھا کہ ہم خداوند مسیح کے ہم شکل ہوں جو خدا کا بیٹا اور اس کے جلال کا پرتو اور اس کی ذات کا نقش ہے عبر ۱: ۳ تاکہ خداوند مسیح کے ساتھ ہم سب خدا کی صورت پہ ڈھلیں۔ اور اس طرح خداوند مسیح سارے مومنوں میں اوّل ٹھہرے۔ خدا کا انتظام یہ نہیں کہ دنیا میں صرف خداوند مسیح ہی الہٰی راستبازی اور پاکیزگی کی واحد مثال ہو اور انسانی حیثیت سے صرف وہی خدا کی صورت پہ ہو بلکہ خدا کا انتظام یہ ہے کہ خداوند مسیح کے وسیلہ سے سارا جہان اس جلال کو دوبارہ حاصل کرے۔ جو آدم نے کھو دیا تھا اور الہٰی راستبازی اور پاکیزگی میں قدم مارتا جائے۔ اور ہم جو اس جلال کے حقدار ٹھہرے خداوند مسیح کے ساتھ ہم میراث ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور خدا اس الہٰی خاندان کا باپ ہے ۳۰ ہماری نسبت خدا کا علم اور خدا کا انتظامی تقرر محض خدا کے

ذہن ہی تک نہیں رہ گیا بلکہ حقیقی اور خارجی طور پر اس دنیا میں ظاہر ہوا -
چنانچہ خدا نے ہمیں عالم گناہ سے بلا کر راستبازی کی الٰہی دنیا میں داخل
کیا تاکہ ہم اس کی مرضی کو پورا کریں اور دنیا کی نجات کے کام میں اس کے
ہم خدمت ٹھہریں ۔ اور ہم نے اس کی بلاہٹ کو قبول کیا اور خداوند مسیح کے
پیچھے ہو لئے ۔ جیسا کہ خدا کے رسول یوحنا ۔ یعقوب اور پطرس وغیرہ ہو لئے
تھے ۔ اور گناہ آلود دنیا سے علیحدہ کر کے خدا نے ہمیں راستباز بھی ٹھہرایا اور
ہماری تبدیلی کے ساتھ ہمیں الٰہی جلال کا حق بھی بخشا ۔ اور ہمیں یقین ہے
کہ ہم اپنی نجات کو تکمیل تک پہنچا کر جلال کے وارث ہونگے اور خدا کی صورت
۳۱ پورے طور پر ڈھلیں گے ۔ اگر خداوند ہمارے وجود سے پیشتر ہی محبت
سے لبریز تھا کہ ہم پر اپنا فضل کر سکے ۔ اور اگر ہماری آمد دنیا میں ایسی ہوئی گویا کہ
خدا نے ازل ہی سے ہمیں اپنے فضل کے لئے مقرر رکھا تھا ۔ اور اگر ہمیں اس طرح بلایا
گویا کہ پیشتر ہی سے ہم اس بلاہٹ کے لئے مقرر تھے ۔ اور اگر ہمیں اس لئے بلایا کہ
ہماری تبدیلی ہو اور ہم راستباز ٹھہرائے جائیں اور آخر کار اس کے بیٹے کے ہمشکل ہو کر
اس کے جلال کے شریک ہوں ۔ اور اگر وہ ہر طرح سے ہماری زندگی میں ہمارے
ساتھ کام کرتا ہے اور ہر طرح سے ہمارے ساتھ ہے تو پھر کون ہمارا مخالف ہو سکتا
ہے اور کون سی طاقت ہماری نجات میں حارج ہو کر خدا کے ارادے کو باطل کر سکتی ہے ؟
ہرگز کوئی بھی نہیں ۔ خدا کی محبت کی خوبی یہ ہے کہ جب ہم گنہگار تھے مسیح ہماری
۳۲ خاطر موا ۔ ۵ : ۸ ۔ اور جب خدا نے اپنے بیٹے تک کو ہمیں بخش دیا اور اس کی
جان ہماری خاطر قربان کر دی تو پھر کیا کچھ نہ دے گا ۔ جب نجات کا مالک اور زمین و
آسمان کا خالق ہمارا ہے تو پھر کیا کوئی ایسی چیز باقی رہ گئی جو ہم سے دریغ کی جا سکے
وہ ہماری نجات کی خاطر خود ہی ہمیں سب کچھ بخشتا ہے ۔ اور ہر طرح سے ہماری علا

کرتاہے۔ خدا ہمارا باپ ہے اور ہم اس کے فرزند ہیں۔ زمین و آسمان میں جو کچھ اس کا ہے وہ ہمارا بھی ہے۔ اس کی مرضی کو پورا کرنے کے لئے اس کی مدد سے ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اور کوئی ایسی طاقت نہیں جو ہمیں روک سکے۔ کیونکہ ہماری زندگی اس سے علیحدہ نہیں بلکہ ہم اس میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ۲۳ ۵ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے ہم بھی جواب مسیحی ہیں اوروں کی مانند گنہگار اور غضب کے فرزند تھے لیکن اب خداوند مسیح پر ایمان رکھنے کے باعث خدا کے حضور راستباز ٹھہرائے گئے اور ہماری راستبازی ایسی ہے کہ خدا کا روح ہمیں نجات کی راہ پر چلاتا ہوا الٰہی جلال تک پہنچائیگا۔ جبکہ پھر دوبارا ہم خدا کی صورت پر ہو جائیں گے اور اس کی بزرگی اور پاکیزگی میں ایسی زندگی بسر کریں گے جو بے داغ ہے۔ چنانچہ اس وقت تو بھی ہم نے گناہ کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کیا ہے اور اب خدا یہ نہیں دیکھتا کہ ہم کس قدر بڑے گنہگار اور غضب کے لائق تھے۔ نہ وہ موجودہ حالت کو دیکھتا ہے کہ ہم اب بھی مسیح کے پورے قد تک پہونچنے میں اور کاملیت اور الٰہی پاکیزگی اور قدس میں کس قدر کم ہیں۔ بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ ہم خداوند مسیح میں کیا بنتے چلے جا رہے ہیں اور بالآخر کیا بنیں گے؟ پس کوئی مخلوق خدا کے حضور ہمیں مجرم نہیں ٹھہرا سکتا۔ "مجھے راستباز ٹھہرانے والا نزدیک ہے۔ کون مجھ سے جھگڑا کرے گا؟ آؤ ہم آمنے سامنے کھڑے ہوں۔ میرا مخالف کون ہے؟ وہ میرے پاس آئے۔ دیکھو خداوند خدا ہماری حمایت کریگا۔ کون مجھے مجرم ٹھہرائے گا؟" یس ۵۰: ۸-۹۔ اور جب خود خدا ہمیں راستباز ٹھہراتا ہے تو بھلا کس کی مجال کہ ہمیں خدا کے سامنے مجرم ٹھہرائے [یا اگر خدا کا سلوک ہمارے ساتھ اس قدر اچھا اور پر فضل ہے تو پھر کون ہمیں مجرم ٹھہرا سکتا ہے؟ کیا خود خدا ہمیں مجرم ٹھہرائے گا جو ہمیں راستباز ٹھہراتا ہے؟ ناممکن] ۳۴ ۵ کسی کی مجال ہے کہ ہمیں مجرم ٹھہرائے جبکہ

خداوند مسیح ہمارے گناہوں کے سبب سے مرگیا اور ہماری راستبازی کی خاطر
جی اُٹھا اور ہماری تقدیس اور نجات کی تکمیل کی خاطر خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے
اور جب وہ خود ہمارا منجی اور شفیع ہے؟ بیشک کسی کی مجال نہیں کہ ہمیں
مجرم ٹھہرائے کیونکہ جہان کا منصف خود ہی ہمارا وکیل اور مالک ہے جو عدالت
کے روز ہمیں مجرم ٹھہرانے کے بجائے اپنے ساتھ الٰہی جلال میں شریک کریگا
[یا اگر کوئی مخلوق مجرم نہیں ٹھہراتا اور خدا بھی مجرم نہیں ٹھہراتا تو پھر کون مجرم
ٹھہرائیگا؟ کیا ہمارا منجی خداوند مسیح مجرم ٹھہرائیگا جو ہمارے گناہوں کے سبب
سے مرگیا اور ہماری راستبازی کی خاطر جی اٹھا۔ اور ہماری نجات کی تکمیل کے لئے
خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے اور ہمارا وکیل اور شفیع ہے؟ کیا عدالت کے روز
جہان کا منصف ہمیں بھی مجرم ٹھہرائیگا؟ ناممکن۔ یہ محض مضحکہ خیز خیال ہے
ہمارا منجی کبھی بھی ہمیں مجرم نہ ٹھہرائیگا کیونکہ وہ ہم سے محبت رکھتا ہے۔ ۳۵
اور اس کی محبت ہماری ضامن ہے اور ہم بھی اس سے دل و جان سے محبت رکھتے
ہیں۔ اس کی محبت ہم مومنوں کے دلوں میں اس قدر زیادہ ہے اور ہماری زندگی میں
ایسی سرائیت کئے ہوئے ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں خداوند کی محبت سے جدا
نہیں کر سکتی۔ اگر آسمان پہ ہم پر گر پڑے اور زمین الٹ جائے اور پہاڑ ہم پہ آپڑیں
اور سمندر ہمیں اپنی تہ میں ڈبو دے اور سورج کی گرمی ہمیں بھون ڈالے اور ہوا
ہمیں جھلسائے پھرے تو بھی ہم اس کی محبت میں ثابت قدم رہیں گے۔ مصیبت
تنگی۔ ظلم۔ کال ننگاپن اور تلوار سے ہم خوف نہیں کھاتے۔ جو ہونا ہو سو ہو۔ ہماری
محبت اٹل رہیگی۔ یروشلم پہونچنے پر پتہ نہیں مجھ پر کیا گذرے۔ لیکن اتنا میں
جانتا ہوں کہ میں خداوند مسیح سے جدا ہو سکتا ہوں نہ خداوند مجھ سے جدا ہوگا۔ کیا ہم
مسیحی بھی پولس رسول کے ساتھ ہم آواز ہو سکتے ہیں؟ یا کیا اگر رسول کو ہندی مسیحیوں کا

حال معلوم ہو تو وہ ہندوستانی کلیسیا کی نسبت بھی لفظ "ہم" کے استعمال سے
ایسا کہہ سکینگے جیسا کہ انھوں نے رومی کلیسیا کی نسبت کہا ؟ کیا ہمارے ایمان
اور مسیحیت کا بھی ایسا ہی شہرہ ہو رہا ہے جیسا کہ رومی کلیسیا کے ایمان اور مسیحیت
کا تھا ؟ ۵ (۳۶) دنیا کے دکھ اور مصائب چاہے کتنا بھی زیادہ کیوں نہ ہوں خدا
کے بندے اُن سے بھی اپنا روحانی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دکھوں کے شکار ہو کر
صرف ہم ہی نہیں بلکہ خدا کی برگزیدہ قوم اسرائیل بھی تھی جیسا کہ زبور ۴۴:۲۲
سے ظاہر ہے جو اس وقت ہم پر بھی صادق آتا ہے۔ اسرائیل کے بزرگوں
کی طرح دنیا کے دکھ اور مصائب کی ہم بھی برداشت کرتے ہیں اور خدا کی خاطر
شب و روز دکھ اٹھاتے ہیں۔ اور جیسے کہ اسرائیلی بزرگ اپنے دشمنوں کے
آگے ایسے تھے جیسے بھیڑ قصابوں کے آگے ویسا ہی ہمارا حال بھی ہے۔ اور خدا کے
دشمن اس کے بندوں کی جان کی وقعت بھیڑوں کی جان سے کچھ زیادہ نہیں سمجھتے
(۳۷) لیکن دنیا کی ایسی بدسلوکیوں سے ہم مغلوب نہیں ہوتے اور خداوند مسیح کے وسیلہ
سے جو ہم سے محبت رکھتا ہے ان سب حالات پر فتحیاب رہتے ہیں۔ ہماری یہ فتحیابی
کسی کشمکش کے ساتھ نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہماری نفسانی انسانیت مردہ ہو چکی ہے
اور ہمارے صبر اور ایمان کے آگے دنیا کے دکھ اور مصائب کوئی حقیقت نہیں رکھتے
اور ہم انہیں اسقدر حقیر اور ناچیز سمجھتے ہیں کہ ان کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ اس کی وجہ
(۳۸) یہ ہے کہ ہم اپنے مالک مسیح کے ساتھ دل و جان سے محبت رکھتے ہیں ۵ ان سب
تجربوں کی بنیاد پر میں دعوی سے کہہ سکتا ہوں کہ خدا کی ازلی محبت جو خداوند یسوع
مسیح کی زندگی اور صلیب میں ظاہر ہوئی اور جو ہمارے دلوں کو الٰہی محبت سے سیراب
کر کے ہمیں ایمان میں مضبوط بناتی ہے اور جو ہماری زندگی کو نجات سے فیضیاب کرتی جاتی
ہے تاکہ ہم الٰہی جلال کے وارث ہوں۔ اس محبت کو نہ کوئی طاقت ہم سے چھین سکتی ہے

نہ ہمیں اس سے علیحدہ کرسکتی ہے نہ دنیا کی زندگی ہمیں لالچ میں پھنسا کر یا دکھ سے ڈرا کر خداوند کی محبت سے جدا کرسکتی ہے۔ نہ موت ہمیں خداوند سے علیحدہ کرسکتی ہے۔ کیونکہ خداوند کے ساتھ ہمارا تعلق مرنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے بلکہ اور زیادہ گہرا ہو جاتا ہے۔ نہ مادی طاقتیں نہ غیر مادی طاقتیں ہمیں خداوند کی محبت سے روک سکتی ہیں۔ نہ موجود چیزیں نہ غیر موجود چیزیں جو کبھی وجود میں آنے والی ہیں۔ نہ حال نہ استقبال۔ نہ کوئی اور قدرت و طاقت۔ نہ بلندی نہ پستی نہ امارت نہ غربت۔ نہ ریاست نہ تنگ حالی نہ زمین نہ آسمان۔ نہ کوئی اور مخلوق معلوم یا غیر معلوم ہمیں خداوند مسیح کی محبت سے کبھی بھی جدا کرسکتی ہے۔ یہ محبت ہماری زندگی میں پیوست ہو چکی ہے اور اس سے جدائی ایک امر محال ہے؟

واضح ہو کہ یہ آٹھواں باب رسول کی محض مضمون نگاری نہیں۔ نہ ہی یہ رسول کا فلسفہ یا شاعرانہ تخیل ہے بلکہ جن امور کا رسول نے ذکر کیا ہے ان کا اس کو شخصی روحانی تجربہ تھا۔ اس کے علاوہ یہ باتیں ان لوگوں کو لکھی گئی تھیں جو خود بھی اپنی زندگی کے تجربہ سے ان باتوں کی تصدیق کرسکتے تھے۔ رسول کی انجیل کوئی نئی انجیل نہ تھی بلکہ وہی پرانی انجیل جو ہر ایک مومن کو حاصل تھی۔ مسیحیت نہ کوئی فلسفہ ہے نہ شاعری بلکہ ایک زندگی ہے جو بسر کی جاسکتی اور اس کی تعلیم اس زندگی کا تجربہ ہے۔ وہ شخص جسے اس روحانی زندگی کا تجربہ حاصل نہیں وہ اسے ایک ہوائی بات کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ یہ زندگی خداوند مسیح کی زندگی ہے جو صرف اسی وقت بسر کی جاسکتی ہے جب اس کا روح ہم میں سکونت کرے اور روح القدس کی آمد بغیر اس کے ناممکن ہے۔

جس بحث کو رسول نے ۵: ۱ میں شروع کیا تھا وہ اب تمام ہوئی۔ نجات کی اس تعلیم میں رسول نے خدا کی قادر محبت کا بیان کیا جو خداوند یسوع مسیح

کی موت میں ظاہر ہوئی - اور اس کے ساتھ ساتھ خدا کے فضل بتیسمہ بالایمان فرزندیت - روح پاک کی آزاد کردہ مقدس زندگی - اور جلال کی امید کا بھی بیان کیا۔ رسول کے یہ سارے خیالات ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر گہرے طور سے متعلق ہیں کہ ان پر علیحدہ علیحدہ غور کرنا مشکل ہے - رسول کی تعلیم کو پورے طور سے سمجھنے کے لئے آپ ہی جیسا مسیحی تجربہ چاہیئے تھا یا کم از کم رسول کی زندگی اور تعلیم و تربیت کا علم۔ رومیوں کے خط کا مطالعہ کرتے وقت یہ نہیں تصور کرنا چاہیئے کہ کوئی استاد درس دے رہا ہے یا کوئی پروفیسر لکچر دے رہا ہے اور ہم محض سامعین یا طلبار کی طرح اس کے درس کو سن رہے ہیں - بلکہ یہ تصور کرنا چاہیئے کہ کوئی شخص اپنی زندگی کا تجربہ سنا رہا ہے اور اپنی زندگی کے تجربوں سے اس کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اگر ہم ایسا تصور کرتے ہوئے اس خط کا مطالعہ کریں اور اس کی ہر ایک بات کو رسول کی زندگی سے نسبت دیں تب اس خط کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے - اور اس سے لطف اندوز ہونگے ورنہ یہ خط ہمارے تخیلات سے باہر ثابت ہوگا -

باب چہارم

ضمیمہ

یہودیوں کے ساتھ خدا کا واجب سلوک

ب ۹-۱۱

باب سوم کے دوران میں رسول نے اخلاقی تعلیم کو ۶: ۱۲-۱۴ و ۱۹-۲۲، ۸: ۴-۸ اور ۱۲: ۱-۳ میں بار بار چھیڑا۔ لیکن اپنے مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے نظرانداز کرتے رہے۔ ب ۸ کے اختتام پر فطرتی طور سے ب ۱۲ کو شروع ہونا چاہیے تھا جہاں سے رسول نے اپنی اخلاقی تعلیم کو شروع کیا ہے لیکن آپ نے محسوس کیا کہ نجات کی بحث کی ابھی پوری وضاحت نہیں ہوئی۔ اس لئے ب ۹-۱۱ کا ضمیمہ تیار کیا۔ اور اس ضمیمہ میں اسرائیل کی فوقیت کی نسبت جو سوال ۳: ۱ میں اٹھا تھا وہ پھر دوبارہ پیش کیا گیا اور اس ضمن میں یہودی نامسیحیوں کا خیال جو رسول کے مدنظر ہے وہ حسب ذیل ہے:-

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بنی اسرائیل خاص طور سے خدا کی مرضی کو پورا کرنے والے اور ظاہر کرنے والے تھے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا اس پرانی راہ کو چھوڑ کر نجات کا ایک نیا راستہ نکالے اور اگر اس نئے راستہ کو قبول کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کا دعویٰ جھوٹا تھا۔ اور درحقیقت خدا سے انہیں کچھ نہ ملا تھا اور نہ انہیں کوئی بزرگی یا فوقیت حاصل تھی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر ہے

...نی اسرائیل کے ایک بڑے طبقہ کو نجات سے خارج کر دیتا ہے۔

...سول نے اس کا جواب یوں دیا ۔

... خدا کو یہ حق حاصل ہے کہ جسے چاہے اپنی رحمت کے لئے چن لے اور جسے چاہے اس سے محروم رکھے ۹ : ۶ - ۲۹ ۔

(۲) سلسلہ انتخاب سے رسول نے دنیا میں خدا کی مرضی کو پورا ہوتا دکھایا ...ہے اور یہ بتایا ہے کہ کس طرح انسانی مرضی اس انتظام میں عملاً حاصل مداخلت ...ہے اور یہودیوں کے رد کئے جانے کی وجہ ان کی بے دفائی بتایا ۔ ۹ : ۳۰ - ۱۰ : ۲۱

۳۔ خدا کی قدرت مطلقہ اور طریق عمل اور اس کی محبت سے بنی اسرائیل کی ...ت کی امید کیونکہ یہودیوں کا رد کیا جانا نہ کلی ہے نہ دائمی ۔ بلکہ محض جزی اور ... ۳۲ ۔

... چہارم خدا کی حکمت کی تعجب ... ۱۱ : ۳۳ - ۳۶

... سوم خدا کی محبت کی بڑائی ... ۸ : ۳ - ۳۹

باب ۹
اسرائیل کے رد کئے جانے کا ذکر ۔

... میں سچ کہتا ہوں جھوٹ نہیں بولتا ۔ اور میری ضمیر ... روح القدس میں گواہی دیتی ہے کہ مجھے بڑا غم ہے ... میرا دل برابر دکھتا رہتا ہے ۔ ... اپنے بھائیوں یعنی جسم کے ... اپنے قرابتیوں کی خاطر میں خود مسیح سے انا تیما ہو جاتا ۔ ۴ وہ ...سرائیلی ہیں اور تبنیت اور جلال اور عہود اور شریعت اور عبادت اور وعدے ۵ ان ہی کے ہیں ۔ اور آبا ان ہی کے ہیں ۔ اور جسم کے لحاظ سے مسیح بھی ان ہی میں سے ہے جو سب کے اوپر ابد تک خدائے محمود ہے ۔ آمین ۔
...ہودیوں کے مردود ہونے کا مجھے سخت صدمہ ہے ۔ میں یہاں تک ان کے لئے

فکرمند ہوں کہ ان کو بچانے کے لیے اپنی نجات تک قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ افسوس ہے کہ باوجود اپنے بلند مرتبہ کے وہ اس طرح بے حق ہو گئے۔ اگر اب (۱۱:۱۹) وعدہ ہے تو پھر یہ وعظ بے ربط طور پہ شروع ہوتا ہے۔ رسول پیشینگوئی کر چکے ہیں کہ نئے عہد میں یہودی اور غیر یہودی کی کوئی تفریق نہیں۔ اور اسی سلسلہ میں انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ یہودی جو اب تک مسیحی نہیں ہے وہ اس عہد میں شامل نہیں۔

مسیحی زندگی کا رتبہ کس قدر بلند ہے اور ان لوگوں کی حالت جو اس سے علٰحدہ ہیں کس قدر غمناک ہے۔ چاہے کوئی اسے مانے یا نہ مانے لیکن خداوند مسیح میں زندگی گذارنے کے باعث میں ان معاملوں کو محسوس کرتا ہوں۔ اور میرا دل بھرا ہے اور میں اپنے یہودی بھائیوں کے لئے فکر اور غم سے چور ہوں اور میری ضمیر بھی روح القدس کے اثر سے اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ میرا دکھ بجا اور میرا غم درست ہے۔ میں اس قدر شکستہ دل ہوں کہ حضرت موسیٰ کی طرح یہ بھی کہنے کو تیار ہوں کہ اے خدا "اگر تو ان کا گناہ معاف کر دے تو خیر ورنہ میرا نام کتاب میں سے جو تو نے لکھی ہے مٹا دے"۔ آہ! مگر خدا تو یہ کہتا ہے کہ "جس نے میرا گناہ کیا ہے میں اسی کے نام کو اپنی کتاب میں سے مٹاؤں گا"۔ خروج ۳۲: ۳۲ و ۳۳۔ اے کاش کہ مجھے اپنی روح کو بھی ہلاکت میں ڈال کر اپنے یہودی بھائیوں کو بچانا پڑتا تو میں تیار تھا۔ اور اگر خدا ان سب کے بدلے مجھے نجات سے محروم کر دے اور انہیں نجات بخشے تو میں ان کی خاطر یہ بھی کرنے کو تیار ہوں۔ [کیا ہم بھی اپنے ہندو اور مسلمان بھائیوں کی نجات کے لئے اس قدر فکرمند ہیں؟ اور کیا ان کی روحانی امداد کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں؟] اناتھیما کے معنی مردود۔ لعین۔ لعنتی۔ ملعون۔ محروم ہیں۔ ۳: ان کی گزشتہ بزرگی پر

تو ذرا غور کرو۔ وہ خدا کی برگزیدہ قوم تھی۔ اسرائیل کا اُسے خطاب ملا۔ خدا نے انہیں اپنے بیٹے کی طرح پالا اور پوسا اور انھیں فرزندیت کا حق بخشا ۹: ۱-۱۱۔ ان کی ہیکل کو بزرگی دی اور اس میں اپنا جلال اور نور ان پر ظاہر کیا۔ حضرات ابراہیم۔ اضحاق۔ یعقوب۔ موسیٰ۔ یشوع اور حضرت داؤد کی معرفت ان سے عہد باندھے تاکہ وہ ابد تک اس کے عہد سے بندھے رہیں۔ حضرت موسےٰ کی معرفت انھیں شریعت دی تاکہ وہ نیکی اور بدی کو پہچان کر بدی سے بھاگیں اور نیکی سے لپٹے رہیں۔ اور بالآخر خداوند مسیح کے وسیلے سے نجات اور زندگی کا اقبال حاصل کریں۔ بت پرستی سے بچا کر انہیں خدا پرستی سکھائی اور وہ سال بسال ہیکل میں خدا کے حضور حاضر ہوتے رہے۔ اور خدا نے بار بار قوم کے آبا اور انبیاء کی معرفت ان سے برکت اور سلامتی کے وعدے بھی کئے ہیں۔ اُن کے آبا کو بھی خدا نے قبولیت بخشا رہا جیسا کہ کسی دیگر قوم کے آبا کو نہیں بخشا۔ بلکہ خود ہمارے خداوند مسیح کی پیدائش بھی ان ہی کے ایک خاندان میں ہوئی اور اس کی آمد کا وعدہ بھی خدا ان سے پیشتر ہی سے کرتا رہا تھا۔ جیسا کے انبیاء کے صحیفوں سے ظاہر ہے۔ ایسی بزرگ ہستی کی پیدائش ان کے ہاں ہوئی جو کہ ساری مخلوقات سے بڑا اور بزرگ ہے۔ جو ازلی اور ابدی خدا ہے جس کی ابدالآباد حمد اور تمجید ہوتی رہے گی۔ کیونکہ وہ اس کا حقدار ہے ۱: ۲۴-۲۵۔ آمین ۵

۹ اسرائیل کی حق تلفی خدا کے وعدے کے خلاف نہیں ۹: ۶-۱۳

۶ لیکن یہ بات نہیں کہ خدا کا کلام ساقط ہو گیا۔ اس لئے کہ جو اسرائیل کی ہیں وہ سب اسرائیلی نہیں ۵ ۷ اور نہ جو ابراہیم کی نسل ہیں وہ سب فرزند ہیں۔ بلکہ "اضحاق سے تیری نسل کا نام چلیگا" ۵ ۸ یعنی جسمانی فرزند خدا کے فرزند نہیں بلکہ وعدہ کے فرزند نسل گنے جاتے ہیں ۵ ۹ کیونکہ وعدہ کا

قول یہ ہے کہ "میں اس وقت کے مطابق آؤں گا اور سارہ کے بیٹا ہوگا" اور صرف یہی نہیں بلکہ ربقہ بھی ایک شخص یعنی ہمارے باپ اضحاق سے حاملہ تھی (کیونکہ نہ تو ابھی تک وہ پیدا ہوئے تھے اور نہ انھوں نے کوئی نیکی یا بدی کی تھی تاکہ اس برگزیدگی کے بارے میں خدا کا ارادہ قائم رہے۔ جو اعمال سے نہیں بلکہ بلانے والے سے حاصل ہوتی ہے) کہ اس سے کہا گیا کہ "بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا" چنانچہ لکھا ہے "میں نے یعقوب سے محبت کی مگر عیسو سے نفرت"

یہودی لحاظ سے یہاں سوال یہ درپیش ہے کہ حضرت ابراہیم کے ساتھ خدا کا وعدہ اور عہد ایسا تھا جس کے بموجب ضرور ہے کہ خدا بنی اسرائیل کو نجات بخشے اور مسیح کی برکتوں سے مالا مال کرے۔ چاہے انفرادی طور پر یہودی کیسے بھی کیوں نہ ہوں۔ گو یہ خیال یہودیوں کے درمیان عام طور سے مقبول تھا تو بھی بہتیرے علما اسے تسلیم نہ کرتے تھے۔ اس کے جواب میں رسول نے خدا کی مرضی مطلق پر زور دیا جیسا کہ دیگر فریسی علما بھی کرتے تھے۔ اس کے بموجب یہ لازم ہے کہ خدا پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ گرچہ وہ خود اپنے سارے کاموں میں رحم اور فضل سے کام لیتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ خدا نے اسرائیل سے برکتوں کا وعدہ کیا لیکن یہ ضروری نہیں کہ حضرت یعقوب ہی کی اولاد کو وہ اسرائیل تسلیم کرے جیسا کہ وعدہ کے لحاظ سے اسمٰعیل کو حضرت ابراہیم کا اور عیسو کو حضرت اضحاق کا فرزند تسلیم نہ کیا گو وہ خون کے لحاظ سے فرزند تھے پس اگر خدا کی مرضی یہ ہے کہ وہ یہودیوں کو رد کرے اور غیر یہودیوں کو ان کی جگہ مقرر کرے تو پھر خدا کی نظر میں سچے اسرائیلی رہیں گے میں اور ایسے خیال کا اظہار تو خود نبیوں نے بھی کیا تھا بالفرض اگر یہودی رد کئے گئے تو بھی خدا کا وعدہ قائم و دائم ہے اور یہ ان کے حق میں پورا!

ہوتا ہے۔ جنھیں وہ اسرائیلی قرار دیتا ہے۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے خلاف انسان کی مجال نہیں کہ وہ زبان کھولے۔

باوجود دلا انتہا برکتوں کے یہودی پھر بھی رد کئے گئے اور نا فہما ہوئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ خدا نے اپنے وعدہ اور عہد کو توڑ ڈالا اور کلام پاک میں جہاں کہیں خدا کے وعدہ اور عہد کا ذکر ہے وہ سب ساقط ہو گیا۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر جہاں کہیں "اسرائیل" کا ذکر ہوتا ہے۔ اس سے مراد حضرت ابراہیم یا حضرت یعقوب کی جسمانی اولاد نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جنہیں خدا اپنے فضل سے نجات کے لئے چنے اور خداوند مسیح کی برکتوں کا وارث بنائے۔ ایسے ہی لوگ خدا کی نظر میں حقیقی اسرائیلی ہیں۔ اور گو یہ جسمانی طور پر بنی اسرائیل نہیں تو بھی وعدہ اور عہد کے لحاظ سے خدا کے فرزند اور بنی اسرائیل ہیں۔ مثلاً ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت اضحاق کے علاوہ حضرت ابراہیم کے اور بھی بیٹے تھے لیکن خدا نے جو وعدہ حضرت ابراہیم سے کیا اور جو عہد ان سے باندھا اُن کے شریک نہ بنو حاجرہ تھے نہ بنو قطورہ۔ بلکہ خدا نے محض حضرت اضحاق کو اپنے فضل سے اس وعدہ اور عہد کا شریک بنایا اور اس لحاظ سے ایک خاص معنی میں انھیں حضرت ابراہیم کا فرزند قرار دیا۔ جیسا کہ پیدا ۲۱: ۱۲ میں مرقوم ہے کہ اضحاق سے تیری نسل کا نام چلے گا" نہ کہ سب بیٹوں سے۔ مطلب یہ ہوا کہ الہٰی وعدہ اور عہد کی وراثت کے لئے نہ تو خدا نے اسمٰعیل کو حضرت ابراہیم کی نسل قرار دیا نہ بنو قطورہ کو۔ حالانکہ اول حضرت ابراہیم کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ بلکہ محض حضرت اضحاق کو۔ یہ صفت یہ کہ جب خدا کے وعدے اور عہد حضرت ابراہیم سے ہوئے اس وقت تک حضرت اضحاق کا وجود بھی نہ تھا۔ اور گو اسمٰعیل اس وقت موجود تھے لیکن

نے انھیں اپنے عہد کا شریک نہ بنایا اور اس کی وراثت کے
اضحاق کی پیدائش کا وعدہ کیا اور کہا کہ " میں اپنا عہد اضحاق سے باندھوں گا
جو اگلے سال اسی وقت معین پر سارہ سے پیدا ہوگا" پیدائش ١٧
اور جیسا کہ ٢٣ : ١٧ ، ٢١ میں ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت سارہ سے حضرت
لئے کسی اولاد کی امید بھی نہ تھی لیکن تو بھی خدا نے اپنے بڑے
قدرت سے حضرت ابراہیم کے لئے ایک اور بیٹا حضرت اضحاق
اور انھیں اپنے وعدوں اور عہود کا وارث بنایا۔ کیا اس مثال سے
ظاہر نہیں کہ نسلی طور پر حضرت ابراہیم کا فرزند ہونے سے لازمی
اور عہد کا شریک نہیں ہوتا؟ کیونکہ وعدہ اور عہد کا شریک
میں ہے۔ اور جو اس کے شریک ہیں وہی خدا کی نظر میں حضرت
١٠ روحانی فرزند بھی ہیں گے اب شاید کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت ... مثال
درست نہیں کیونکہ ان کے بالمقابل دیگر گو حضرت ابراہیم کے بیٹے تھے لیکن
تو بھی ایک ہی ماں کے بیٹے نہ تھے اور حاجرہ اور قطورہ کا درجہ بھی حضرت
سارہ کے برابر نہ تھا۔ اچھا دوسری مثال سہی۔ حضرت یعقوب اور عیسو کی
مثال لے لو۔ یہ دونوں ایک ہی ماں باپ یعنی حضرت ربقہ اور حضرت اضحاق
کے بیٹے تھے۔ دونوں کی پیدائش بھی ایک ہی وقت میں ہوئی کیونکہ وہ دونوں جڑواں
تھے۔ اور گو خدا کا وعدہ اور عہد حضرت اضحاق کے ساتھ تھا تو بھی ان
١١ دونوں بیٹے عہد اور وعدوں کے وارث نہ ہوں گے اور بڑی عجیب بات
یہ ہے کہ ابھی دونوں بچے پیٹ ہی میں تھے اور ان کی پیدائش بھی نہ ہوئی
تھی اور نیکی اور بدی کرنے کا امتحان تو کہاں تک ہوگا کہ دونوں کی قسمت کا فیصلہ
سنایا گیا۔ عیسو نے کوئی بدی نہ کی تھی کہ وعدہ اور عہد کی وراثت سے خارج

کیا جاتا۔ نہ حضرت یعقوب نے کوئی نیکی کی تھی کہ جس کے صلہ میں وہ وارث بنائے جاتے۔ آخر بات کیا تھی؟ معاملہ یہ ہے کہ وراثت عمل سے نہیں حاصل ہوتی کیونکہ یہ انسانی عمل کا معاملہ نہیں بلکہ خدا کا معاملہ ہے۔ اور خدا خود جسے چاہتا ہے اپنے ارادہ کے مطابق بلاتا ہے اور جسے بلاتا ہے اسے برگزیدگی بخشتا ہے اور جسے برگزیدگی بخشتا ہے اسے وارث ٹھہراتا ہے۔ ۱۲ چنانچہ خدا نے اپنے بڑے فضل سے اپنے ارادہ کے مطابق حضرت یعقوب کو چن لیا جب وہ پیٹ ہی میں تھے اور انہیں اپنے عہد اور وعدوں کا وارث ٹھہرایا۔ اسی لئے ان کی پیدائش سے پیشتر ہی خدا نے حضرت سارہ سے کہدیا کہ "بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا" پید ۲۵: ۲۳ ۱۳ خدا نے اپنی مرضی مطلقہ سے حضرت یعقوب کو چنا اور اپنے وعدوں اور عہد کا وارث بنایا اور عیسو کو اس وراثت میں شریک نہ بنایا جیسا کہ ملا ۱: ۲-۳ سے ظاہر ہے۔ جہاں خدا بنی اسرائیل کو اپنی محبت اور فضل یاد دلا کر کہتا ہے کہ "کیا عیسو یعقوب کا بھائی نہ تھا؟ لیکن میں نے یعقوب سے محبت رکھی اور عیسو سے عداوت"۔ الغرض الہٰی وراثت انسانی ورثہ نہیں بلکہ الہٰی عطیہ ہے۔ اور برگزیدگی اعمال کا پھل نہیں بلکہ خدا کی بخشش ہے۔ کیونکہ خدا اپنے ارادہ کے مطابق جسے چاہتا ہے بلاتا ہے تاکہ نجات کے متعلق الہٰی مرضی دنیا میں پوری ہو۔

ب۔ اسرائیل کی حق تلفی خدا کے انصاف کے خلاف نہیں ۹: ۱۴-۲۹

۱۴ تو پھر ہم کیا کہیں؟ کیا خدا کے ہاں بے انصافی نہیں؟ خدا نہ کرے۔ ۱۵ کیونکہ وہ موسیٰ سے کہتا ہے "جس پر رحم کرنا منظور ہے اس پر رحم کرونگا۔ اور جس پر ترس کھانا منظور ہے اس پر ترس کھاؤں گا"۔ ۱۶ پس یہ نہ ارادہ کرنے والے پر منحصر ہے نہ دوڑ دھوپ کرنے والے پر بلکہ رحم کرنے

۱۶ والے خدا پر ۵ کیونکہ نوشتہ فرعون سے کہتا ہے کہ " میں نے اس غرض سے
تجھے کھڑا کیا ہے تاکہ اپنی قدرت تجھ پر ظاہر کروں اور میرا نام سارے جہان میں
۱۸ میں مشہور ہو ۵ پس وہ جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے
۱۹ سخت کر دیتا ہے ۵ پھر تو مجھ سے کہیگا "وہ کیوں پھر بھی عیب لگاتا ہے ؟
۲۰ کیونکہ کون اس کی مشیت کا مقابلہ کرتا ہے ؟ ۵ اے انسان! بھلا تو کون ہے جو
خدا کو جواب دیتا ہے ؟ کیا مصنوع صانع سے کہیگا تو نے مجھے کیوں ایسا بنایا ؟
۲۱ کیا کمہار کو مٹی پر اختیار نہیں کہ ایک ہی لوندے میں سے ایک برتن عزت کے
۲۲ لئے بنائے اور دوسرا بے عزتی کے لئے ؟ ۵ اور کیا تعجب اگر خدا اپنا غضب
ظاہر کرنے اور اپنی قدرت آشکارا کرنے کے ارادہ سے غضب کے برتنوں کے
۲۳ ساتھ جو ہلاکت کے لئے تیار ہوئے تھے۔ نہایت تحمل سے پیش آیا ۵ تاکہ اپنے
جلال کی دولت رحم کے برتنوں پر آشکارا کرے جنھیں اُس نے پیشتر ہی سے جلال
۲۴ کے لئے تیار کر رکھا تھا ۵ اور جنھیں اُس نے بلایا بھی یعنی ہمیں جو نہ فقط یہودیوں
۲۵ میں سے ہیں بلکہ غیر قوموں میں سے بھی ؟ ۵ جیسا ہوسیع میں بھی وہ کہتا ہے۔
"جو میری امت نہ تھی اسے اپنی امت کہونگا اور جو پیاری نہ تھی اُسے پیاری
۲۶ کہوں گا ۵ اور ایسا ہوگا کہ جس جگہ ان سے کہا گیا تھا" تم میری امت نہیں
۲۷ ہو" وہیں وہ زندہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے" ۵ اور یسعیاہ اسرائیل کی بابت
پکار کر کہتا ہے" گو بنی اسرائیل کا شمار سمندر کی ریت کی مانند ہو تو بھی بقیہ ہی بچیگا
۲۸ کیونکہ خداوند اپنے کلام کو تمام اور منقطع کر کے اس کے مطابق زمین پر عمل کریگا ۵ اور
۲۹ جیسا کہ یسعیاہ نے پیشتر ہی کہہ رکھا ہے" اگر رب الافواج ہماری کچھ نسل باقی نہ

چھوڑتا تو ہم سدوم کی مثل اور عمورہ کی مانند ہو جاتے "۔

۹: ۹ - ۱۳ میں کہا جا چکا ہے کہ برگزیدگی یا بلاہٹ خدا سے حاصل ہوتی ہے جسے چاہے بلائے اور اپنے وعدوں اور عہد کا شریک بنائے اور یہ عین خدا کے وعدوں کے مطابق بھی ہے۔ کیونکہ خدا کے وعدے کسی خاندان پر موقوف نہیں۔ نہ ہی اعمال سے حاصل ہوتے ہیں بلکہ محض یہ خدا کی بخشش ہے جسے لائق سمجھے دے۔ اور جسے دیتا ہے وہی وعدوں کے وارث اور خدا کی نظر میں حقیقی اسرائیلی ہیں۔ الغرض یہ بلاہٹ یا برگزیدگی کا حق خدا کی مرضی مطلقہ پر موقوف ہے۔ اور باب ۹: ۱۴-۲۹ میں رسول نے ذکر کیا کہ جیسے اسرائیل کی حق تلفی خدا کے وعدوں کے خلاف نہیں اسی طرح یہ خدا کے انصاف کے بھی خلاف نہیں۔ کیونکہ جب برگزیدگی خدا کی مرضی مطلقہ پر موقوف ہے تو پھر اگر وہ غیر یہودیوں کو لائق دیکھ کر انہیں برگزیدہ کرتا ہے اور یہودیوں کو کسی بنا پر رد کرتا ہے اور ان کے حق کو سلب کرتا ہے تو کیا بے انصافی ہے؟ الغرض کسی کو چوں چرا کرنے کا موقع نہیں۔ اور جیسے برتن کمہار کی شکایت نہیں کر سکتا اسی طرح وہ انسان جسے خدا رد کرے اس قابل نہیں کہ خدا کی مصلحتوں میں مداخلت کرے اور خدا کو بے انصاف ٹھہرائے اور اگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا تاکہ خدا کا عالمگیر رحم ظاہر ہو اور کیا یہودی کیا غیر یہودی سب کو نجات کا موقع ملے تو پھر شکایت کی گنجائش کہاں؟۔

۱۴ شاید کوئی یہ خیال کرے کہ یہ خدا کی بے انصافی ہے کہ ایک کو قبول کرے اور برگزیدہ بنائے اور دوسرے کو رد کرے اور نجات اور برکتوں کا محتاج بنائے اور اس امر میں نہ خاندان کا سوال ہو نہ نیکی کا۔ لیکن درحقیقت اس میں کوئی بے انصافی

نہیں۔ میں یہ بات انسان کی نسبت سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ محض خدا کی نسبت سے اور نہ میں اس امر کے متعلق کچھ کہہ رہا ہوں کہ کس قسم کے انسان کی بلاہٹ ہوتی ہے بلکہ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ خدا خود اپنی مرضی کا مالک ہے جیسا چاہے کرے اس کی مرضی کو کوئی مخلوق بدل نہیں سکتا۔ نہ وہ اپنی مرضی کو پورا کرنے میں کسی کا محتاج ہے۔ بلکہ محض اپنی قدرت سے اپنی مرضی مطلقہ کو عمل میں لاتا ہے۔ اور کسی مخلوق کو اس امر میں مداخلت کی مجال نہیں کیونکہ خدا اپنی مصلحتوں کو آپ ہی جانتا ہے۔ رہا مخلوق کی نسبت سے۔ اس کے متعلق تو کہہ ہی چکا ہوں کہ اعمال سے کوئی شخص نجات کا وارث اور خدا کے وعدوں اور عہود کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی یہ چیزیں موروثی طور پر باپ سے بیٹے کو حاصل ہوتی ہیں۔ بلکہ خدا کے فضل سے اور مسیحی ایمان سے حاصل ہوتی ہیں ۔ مثلاً کلام پاک سے مثال لو۔ فرعون ۱۵

کو خدا نے اس کی راہ پر چھوڑ دیا اور حضرت موسیٰ کو اپنی حضوری کا شرف بخشا۔ کیا خدا کو اس کا حق حاصل نہ تھا؟ یا کیا حضرت موسیٰ کی بلاہٹ میں اس نے بے انصافی کی؟ یا کیا حضرت موسیٰ نے اپنی قدرت و طاقت سے اس بلاہٹ کو حاصل کیا؟ بیشک یہ محض خدا کا فضل اور رحم تھا۔ اگر وہ حضرت موسیٰ کو کبھی نہ بلاتا تو کوئی بے انصافی نہ تھی۔ خداوند نے حضرت موسیٰ سے کہا "تجھ پر میری کرم کی نظر ہے اور میں تجھ کو بنام پہچانتا ہوں ۔۔۔۔ میں اپنی ساری نیکی تیرے سامنے ظاہر کرونگا۔ اور تیرے ہی سامنے خداوند کے نام کا اعلان کروں گا۔ اور میں جس پر مہربان ہونا چاہوں مہربان ہونگا اور جس پر رحم کرنا چاہوں رحم کرونگا" خروج ۳۳: ۱۷ و ۱۹ ۱۶

اس مثال سے یہ صاف ظاہر ہے کہ نجات اور الٰہی بلاہٹ نہ انسانی ارادے سے

حاصل ہوتی ہے۔ نہ انسانی کوششوں سے بلکہ محض خدائے رحیم کے فضل سے ۵

۱۷ اور اگر کوئی فرعون کی طرح خدا کے فضل کو قبول نہ کرے اور اس کے رحم کو دیکھے تو وہ قدرتی طور سے خدا کے فضل سے خارج ہو جاتا ہے لیکن ایسا انسان بھی خدا کی مرضی مطابق ہیں دخل انداز نہیں ہو سکتا۔ ....

.... اس کی اگرچہ انداز ی کرے بھی تو خدا کے ارادے کی کامیابی سے خدا کی مرضی مطابق اور بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ فرعون کی مثال سے ظاہر ہے کہ اس نے جب خداوند کی مخالفت پہ کمر باندھی تو خدا نے بھی اس کی نسبت کہا کہ" میں نے تجھے فی الحقیقت اس لئے قائم رکھا ہے کہ اپنی قوت تجھے دکھاؤں تاکہ میرا نام ساری دنیا میں مشہور ہو جائے" ۔ خ ۹: ۱۶۔ فرعون نے خدا کی مرضی کی مخالفت کر کے کیا حاصل کیا سوائے اس کے کہ خدا کا جلال اور زیادہ ظاہر ہوا اور وہ اپنی مرضی کو پورا کرنے پر قادر ثابت ہوا ۵

۱۸ پس خدا کو اختیار حاصل ہے کہ جس پر چاہے رحم کرے اور جسے چاہے فرعونی سختی میں چھوڑ دے اور رد کرے۔ لہٰذا اگر خدا نے غیر یہودیوں پر اپنا فضل کیا اور انہیں نجات کے لئے بلایا اور انھوں نے اس بلاہٹ کو قبول کیا اور یہودیوں کو ان کی بے ایمانی پر چھوڑ دیا اور الٰہی وراثت سے خارج کیا تو اس میں خدا کی کوئی

۱۹ بے انصافی نہیں ۵ اب شاید کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر یہ بات ہے کہ چاہے انسان خدا کی مرضی کا تابع ہو یا نافرمان۔ وہ خدا کے ارادے کو نہیں پلٹ سکتا۔ بلکہ خدا اس بات پر بھی قادر ہے کہ انسان کی فرعونی نافرمانی کو اپنے جلال کے لئے استعمال کرے تو پھر وہ کسی کو کیوں مجرم ٹھہراتا ہے۔ پھر بنی اسرائیل کو بھی کیوں نہیں۔ وہ نجات

کا وارث ٹھہرائے اور انہیں اپنے جلال کے لئے بلائے۔ پھر اس نے بنی اسرائیل کو کیوں رد کیا کیونکہ معاذ اگر الٰہی مرضی کا ہے تو پھر انسانی فرمانبرداری اور نافرمانی کا کوئی سوال ہی نہیں اُٹھتا۔ اس لئے کہ خدا ہی سب کچھ کرتا ہے جیسا چاہے کرے۔

۲۰۔ کیا ہرج اگر یہودیوں کو بھی وارث بنا دے؟ ج: یہ سوال درست نہیں بلکہ خدا کے خلاف سخت بدتمیزی ہے۔ کیونکہ اگر سب کچھ خدا کی مرضی مطلقہ پر موقوف ہے تو پھر خدا پر اس قسم کا اعتراض واجب نہیں اس لئے کہ اسے حق ہے جیسا چاہے کرے۔ اور جیسے کہ کمہار کو اپنی مٹی پر حق ہے کہ جیسا بھی وہ مناسب سمجھتا ہے۔ جس مٹی کو جس مصرف میں چاہے لے۔ اسے حق ہے کہ اچھی مٹی سے ایسا برتن بنائے جو بڑے کام میں آتا ہے اور خراب مٹی سے ایسا برتن بنائے جو معمولی کام میں آتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کیسی مٹی کو کس مصرف میں لانا چاہیئے۔ کیا تم یہ تخیل کر سکتے ہو کہ خراب مٹی کو جب کمہار معمولی برتنوں کے لئے استعمال کرے تو وہ کہے کہ "تو کیا بناتا ہے"؟ افسوس اس پر جو اپنے خالق سے جھگڑتا ہے! ٹھیکرا تو زمین کے ٹھیکروں میں سے ہے۔" یس ۴۵: ۹۔ اگر خدا برے لوگوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے جس کے وہ حقدار ہیں تو اس میں خدا کی کیا بے انصافی۔ اور اگر وہ اپنے فضل سے کسی پر رحم کرے تو اس میں کسیکو کیا اعتراض؟ اگر خدا یہودیوں کو بے حق کر کے نجات سے محروم رکھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ گناہ سے خدا کا غضب کماتے ہیں اور انگوری باغ کے مالک کی طرح ان سے کہتا ہے کہ "میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا ۔۔۔ جو تیرا ہے اٹھا لے اور چلا جا" تو کیا تعجب متی ۲۰: ۱۴ اور اگر وہ اپنے رحم سے غیر یہودیوں کو بلاتا ہے اور انہیں نجات کا وارث بناتا اور

وہ بخوشی خدا کی رحمت کو قبول کرتے ہیں تو کیا خدا کو یہ حق نہیں کہ وہ انگوری باغ کے مالک کی طرح یہودیوں سے یہ بھی کہے کہ "کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال سے جو چاہوں سو کروں ؟ یا اس لئے کہ میں نیک ہوں تیری نظر بد ہے ؟" مت ۲۰:

۲۱ ۱۵ ۔ یہودی اور غیر یہودی دونوں یکساں گنہگار ہیں اور ایسے ہی جیسے ایک ہی لوندے کے دو برتن ۔ اور یہی نہیں بلکہ انسانی حیثیت سے بھی دونوں یکساں آدم کے فرزند ہیں ۔ اور اگر ایسی حالت میں سارے جہان کو چھوڑ کر آبا کا انتخاب اور بنی اسرائیل کی برگزیدگی خدا کے انصاف کے خلاف نہیں ۔ اس لئے کہ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے تو پھر خداوند مسیح میں غیر یہودیوں کی برگزیدگی اور یہودیوں کا ترک کیا جانا خدا کے انصاف کے خلاف کیسے ہوا کیونکہ یہاں بھی وہی مرضی کام کر رہی ہے ۔ پس جیسے کمہار کو اپنی مٹی پر اختیار ہے اسی طرح خدا کو بھی اختیار ہے کہ غیر قوموں کو نجات کے لئے چن لے اور یہودیوں کو بے عزتی اور بدحالی کے لئے

۲۲ چھوڑ دے ۔ الغرض خدا نے جو کچھ کیا صحیح کیا ۔ اور تم اسے بے انصافی کہتے ہو ۔ کیا انصاف کے مطابق خدا کو یہ مجاز نہ تھا کہ وہ گنہگاروں کو نیست و نابود کر دے اور اگر وہ ایسا کرتا تو پھر یہودیوں کا کیا حال ہوتا ؟ پس کیا تعجب اگر خدا نے غضب کے فرزندوں کو اس لئے رکھ چھوڑا ہے تاکہ گناہ پر اپنے غضب کا اظہار کرے اور گناہ سے اپنی نفرت دکھائے اور ان کے ساتھ نہایت ہی تحمل سے پیش آیا تاکہ تو بہ تک ان کی نوبت پہنچے ۔ اور اگر وہ رجوع ہوں اور ایمان لائیں تو اپنے ارادہ کے مطابق ان کی نجات کے لئے اپنی قدرت آشکارا کرے کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ "شریر کے مرنے میں مجھے کچھ خوشی نہیں بلکہ اس میں ہے کہ

۲۳ شریر اپنی راہ سے باز آئے اور زندہ رہے" حز ۳۳: ۱۱ ؎ یہی نہیں بلکہ مضمون
کی بلاہٹ اور نجات میں بھی خدا اپنے رحم اور فضل کی کثرت کو دکھاتا ہے۔ یہ وہ
مومنین ہیں جنھیں خدا نے گویا ازل ہی سے اپنے جلال اور بزرگی کے لئے مقرر کر
۲۴ رکھا تھا ؎ یہ مومنین جن کے ساتھ خدا نے رحم اور فضل کا سلوک کیا اور جنھیں
برگزیدگی بخشی وہ ہم مسیحی ہیں۔ اور خدا کی قدرت یہ ہے کہ ہم مسیحی نہ فقط یہودیوں
میں سے ہیں بلکہ غیر یہودیوں میں سے بھی۔ حالانکہ خدا نے غیر یہودیوں کے ساتھ
نہ کوئی عہد باندھا تھا نہ ان سے کوئی وعدہ کیا تھا۔ کیا اس میں کوئی بے انصافی ہے؟
۲۵ ہرگز نہیں بلکہ اس میں خدا کی رحمت اور کمال فضل ظاہر ہوتا ہے ؎ خدا کے
فضل کا ارادہ کوئی نیا نہیں بلکہ یہ تو انبیا پیشتر ہی سے کہتے چلے آئے تھے کہ غیر یہودی
اقوام بھی خدا کی وراثت کی شریک ہوں گی۔ چنانچہ ہوسیع ۲: ۲۳ میں جو یہودیوں کی
نسبت لکھا گیا ہے کہ " لامرحومہ (لورحامہ) پر رحم کرونگا۔ اور لاامتی (لوعمی)
سے کہوں گا تم امتی ہو اور وہ کہیں گے اے ہمارے خدا! " یہ غیر یہودی مسیحیوں
پر عملی طور سے صادق آتا ہے کیونکہ ہم نہ تو خدا کی امت تھے نہ ہمارے
ساتھ کوئی رحم و کرم کے وعدے تھے۔ نہ ہم خدا کے پیارے شمار کئے جاتے تھے۔
بلکہ خدا کے عہد سے خارج اور یہودیوں کی نظر میں حقیر و ذلیل تھے لیکن خدا
کا شکر ہے کہ خداوند یسوع مسیح کے وسیلہ سے اب ہم خدا کی پیاری امت بنے اور
اس کے رحم و فضل کے لائق ٹھہرے۔ زبور ۳:۷ ,۱۰-۱۱ و ۸۹: ۳۴: یس ۲: ۲ و
۴:۳۰؛ ۱۱:۱۰؛ ۴۲:۱؛ ۴۹:۶۔ خداوند فرماتا ہے کہ" جو میرے طالب نہ تھے میں
ان کی طرف متوجہ ہوا جنھوں نے مجھے ڈھونڈا نہ تھا مجھے پا لیا۔ میں نے ایک قوم

سے جو میرے نام سے نہیں کہلاتی تھی فرمایا ۔ دیکھ میں حاضر ہوں" ۔ یس ۶۵: ا

۲۶ ۔ ہوسیع ۱ : ۹ میں خداوند بنی اسرائیل سے کہتا ہے کہ "تم میری امت نہیں ہو" ۔
اور نبی کا یہ کلام لفظی طور سے غیر اسرائیلیوں پر صادق آتا تھا ۔ اور اس کے بعد
ہی ۱ : ۱۰ میں یوں مذکور ہے " جہاں ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ تم میری امت نہیں ہو
زندہ خدا کے فرزند کہلائیں گے " ۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ بھی بنی اسرائیل کے
لئے کہا گیا تھا لیکن لفظی طور سے یہ غیر اسرائیلیوں پر بھی صادق آتا ہے کیونکہ گو وہ
خدا کے لوگ نہ تھے تو بھی خدا نے اپنے پیارے بیٹے ہمارے خداوند یسوع مسیح کے
وسیلہ سے انھیں فرزندیت کا حق بخشا اور اب ہم خداوند مسیح پر ایمان لا کر خدا کے

۲۷ ۔ بڑے فضل سے سچ مچ خدا کے فرزند ہیں ۔ یہ تو ہوا کلیسیا کے اس حصہ کا حال جس
کے شرکاء ایمان لانے سے پیشتر غیر یہودی اقوام کے افراد تھے ۔ اور کلیسیا
کے اس حصہ کا حال جس کے افراد پہلے یہودی تھے ۔ یہ ہے کہ وہ دراصل بنی
اسرائیل کے بقیہ ہیں جو نجات کے وارث بنے اور خدا کے فضل و رحم سے فیضیاب
ہوئے ۔ خدا نے اس بقیہ کے سوا سارے اسرائیل کو رد کیا جیسا کہ یسعیاہ ۱۰ :
۲۰-۲۴ سے ظاہر ہے ۔ جہاں یوں مذکور ہے کہ " اس وقت یوں ہوگا کہ وہ جو بنی
اسرائیل میں سے باقی رہ جائیں گے اور یعقوب کے گھرانے میں سے بچ رہیں گے ...
... خداوند اسرائیل کے قدوس پر سچے دل سے توکل کریں گے ۔ ایک بقیہ یعنی
یعقوب کا بقیہ خدائے قادر کی طرف پھرے گا ۔ کیونکہ اے اسرائیل اگرچہ تیرے لوگ
سمندر کی ریت کی مانند ہوں تو بھی ان میں کا صرف ایک بقیہ واپس آئیگا اور بربادی
پورے عدل سے مقرر ہو چکی ہے ۔ کیونکہ خداوند رب الافواج مقررہ بربادی تمام

۲۸ روئے زمین پر ظاہر کریگا۔ اور بقیہ سے سارے بنی اسرائیل مراد لینا غلط ہے۔ کیونکہ خداوند اپنے قول پر ہمیشہ حرف بہ حرف عمل کرتا ہے۔ جب اُس نے بقیہ کہا تو بس دنیا میں اسرائیل کا بقیہ ہی بچیگا۔ اور وہ بقیہ مسیحی کلیسیا کا حصہ ہے جو خدا کے فضل اور خداوند مسیح

۲۹ پر ایمان لانے سے نجات پاتا ہے۔ اور اسی طرح یسعیاہ ۱: ۹ میں مذکور ہے کہ "اگر رب الافواج ہمارا تھوڑا سا بقیہ نہ چھوڑتا تو ہم سدوم کی مثل اور عمورہ کی مانند ہو جاتے"۔ جس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے سارے یہودیوں کو ہلاکت میں نہ پڑنے دیا بلکہ مسیحی کلیسیا میں ان کے ایک بقیہ کو نجات کا وارث بنایا۔

ب ۹ انسانی ذمہ داری کے لحاظ سے
یہودیوں کی ہلاکت کی وجہ خود ان کی بے ایمانی ہے

۹: ۳۰ - ۱۰: ۱۳

۳۰ تو پھر کیا کہیں؟ کیونکہ غیر قوموں نے جو راستبازی کی تلاش نہ کرتی تھیں

۳۱ راستبازی حاصل کی یعنی وہ راستبازی جو ایمان سے ہے۔ مگر اسرائیل جو

۳۲ راستبازی کی شریعت کی تلاش کرتا تھا اس شریعت تک نہ پہنچا۔ کیوں؟ کیونکہ ایمان سے نہیں بلکہ اعمال سے [تلاش کرتا تھا] انھوں نے "ٹھوکر کھانے

۳۳ کے پتھر" سے ٹھوکر کھائی۔ جیسا لکھا ہے "دیکھو میں صیون میں ٹھوکر کھانے کا پتھر اور ٹھیس لگنے کی چٹان رکھتا ہوں۔ اور جو اس پر ایمان لاتا ہے شرمندہ نہ ہوگا"۔

ب ۱۰
۱ اے بھائیو! میرے دل کی آرزو اور ان کے لئے خدا سے میری دعا یہ ہے کہ وہ

۲ نجات پائیں۔ کیونکہ ان کی بابت میری گواہی یہ ہے کہ وہ خدا کے بارے میں غیرت

۳ رکھتے ہیں لیکن سمجھ کے ساتھ نہیں۔ اس لئے کہ وہ خدا کی راستبازی سے

ناواقف ہو کر الٰہی راستبازی کے تابع نہ ہوئے اور اپنی راستبازی قائم کرنے
۴ کے کوشاں ہیں ۞ کیونکہ ہر ایک ایمان لانے والے کی راستبازی کے لئے
۵ شریعت کی غایت مسیح ہے ۞ چنانچہ موسیٰ لکھتا ہے کہ اُس راستبازی پہ جو
۶ شریعت سے ہے "کوئی شخص عمل کرے تو وہ اسی کی بدولت جیتا رہیگا ۞ مگر
جو راستبازی ایمان سے ہے وہ یوں کہتی ہے کہ تو اپنے دل میں نہ کہہ "آسمان پر
۷ کون چڑھیگا" ؟ (یعنے مسیح کو اُتار لانے کو) ۞ یا گہراؤ میں کون اُتریگا ؟ (یعنے
۸ مسیح کو مردوں میں سے جی اٹھانے کو) ۞ بلکہ کیا کہتی ہے ؟" کلام تیرے نزدیک
ہے . تیرے منہ میں اور تیرے دل میں ہے" (یعنی ایمان کا کلام جس کی ہم منادی
۹ کرتے ہیں) ۞ اگر تو اپنے منہ سے یسوع کے خداوند ہونے کا اقرار کرے
اور اپنے دل میں یقین کرے کہ خدا نے اُسے مردوں میں سے جلایا تو نجات پائیگا ۞
۱۰ کیونکہ راستبازی کیلئے یقین دل سے کیا جاتا ہے اور نجات کیلئے اقرار منہ سے کیا جاتا ہے ۞ چنانچہ نوشتہ
۱۱ کہتا ہے" جو کوئی اُس پر ایمان لاتا ہے شرمندہ نہ ہوگا" ۞ کیونکہ یہودیوں اور
۱۲ یونانیوں میں کچھ فرق نہیں اس لئے کہ وہی سب کا خداوند ہے - اور اپنے سب
۱۳ دعا کرنے والوں کے لئے غنی ہے ۞ کیونکہ "جو کوئی خداوند کا نام لیگا نجات پائیگا" ۞

۹ : ۱ - ۲۹ میں بیان ہو چکا ہے کہ الٰہی نیت سے نجات محض خدا کی مرضی مطلق
پر موقوف ہے اور خدا اس امر پہ قادر ہے کہ وہ اپنی نجات کے کام کو انجام تک پہنچائے
اور اپنے عہد کو قائم رکھے اور نیز وعدوں کو پورا کرے چاہے یہودی وفادار ثابت ہوں
یا بے وفا . یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ خدا کو یہ حق حاصل ہے کہ جسے چاہے نجات کا حصہ
بنائے اور جسے چاہے بے حق کردے اور اس میں نہ وعدہ خلافی ہے نہ بے انصافی . اب

یہاں یہ ذکر ہے کہ انسانی نسبت سے نجات خداوند یسوع مسیح پر ایمان رکھنے سے حاصل
ہوتی ہے اور یہودیوں کی حق سلبی کی وجہ خود ان کی بے ایمانی ہے۔ کیونکہ یہودیوں نے
نجات کے اس الہٰی طریقہ کو قبول نہ کیا اور اپنے طور پر شریعت کے اعمال سے راستبازی
کے حصول کے کوشاں ہیں۔ وہ خداوند مسیح کی آمد پر ٹھوکر کھا گئے۔ حالانکہ شریعت
کی غایت خداوند مسیح تک پہنچانا ہے جو نجات کا مالک ہے۔ یہ مسیحی نجات ایک عالمگیر
الہٰی بخشش ہے جو ہر ایک مومن کو حاصل ہو سکتی ہے۔ چاہے وہ یہودی ہو یا غیر یہودی

۳۰ اور کیا ہمیں معاملہ یہ ہے کہ بقیہ کے سوا خدا نے سارے یہودیوں کو رد کیا اور
ہلاکت کے لئے انہیں اپنے احوال پہ چھوڑ دیا۔ لیکن غیر یہودی جن کے پاس موسوی
شریعت نہیں جس سے وہ راستبازی حاصل کریں جیسا کہ یہودی کہتے ہیں۔ انھوں نے
الہٰی راستبازی حاصل کی جو ایمان سے ملتی ہے اور نجات کے حقدار ثابت ہوئے۔ یہ

۳۱ مومن وہی ہیں جو مسیحی کہلاتے ہیں ؏ اس کے برخلاف یہودی جو شریعت کو زندگی
کا قانون بنا کر راستبازی حاصل کرنا چاہتے تھے وہ اس شریعت کے لحاظ سے بہت کم
ٹھہرے انکا نشانہ خطا گیا اور وہ اپنی زندگی کو راستبازی کے انجام تک نہ پہونچا سکے

۳۲ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی کوششیں رائیگاں گئیں اور وہ راستبازی سے محروم رہے ؏ یہ کیسے
ہوا؟ ایسے کہ انھوں نے خود آپ سے نجات حاصل کرنا چاہا اور خدا کے طریق کو رد کیا۔
اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے قبول پر ڈالتے اور خدا کے فضل سے ایمان
کی حالت میں نجات پاتے۔ انھوں نے اپنے آپ کو الہٰی راستبازی حاصل کرنے پر قادر
سمجھ کر عمل کا راستہ اختیار کیا اور ناکامیاب رہے۔ انھوں نے خداوند مسیح سے
فائدہ اٹھانے کے بجائے بے ایمانی سے اپنے آپ میں نقصان اٹھانے کی علت پیدا

کرلی اور اس چٹان کی امداد سے بلند ہونے اور قائم ہونے کے بجائے ٹھوکر کھا کر گر
۳۳ پڑے۔ یسعیاہ نبی نے کیا خوب کہا ہے کہ "دیکھو میں صیون میں بنیاد کے لئے ایک
پتھر رکھونگا۔ آزمودہ پتھر۔ محکم بنیاد کے لئے کونے کے سرے کا قیمتی پتھر۔ جو کوئی ایمان
لاتا ہے قائم رہیگا"۔ لیکن ان کی بے ایمانی کی وجہ سے وہ "اسرائیل کے دونوں
گھرانوں کے لئے صدمہ اور ٹھوکر کا پتھر اور یروشلم کے باشندوں کے لئے پھندا
اور دام ہوگا"۔ یس ۸ : ۱۴۔ الغرض خداوند مسیح جو اوروں کے لئے نجات کا باعث
ہے ان کے لئے ہلاکت اور بربادی کا باعث ٹھہرا۔ خداوند فرماتا ہے "اگر میں نہ آتا اور
اُن سے کلام نہ کرتا تو وہ گنہگار نہ ٹھہرتے۔ لیکن اب ان کے پاس ان کے گناہ کا عذر
نہیں" یُو ۱۵ : ۲۲۔ خداوند مسیح پر ایمان لانے سے نہ شرمندگی حاصل ہوتی ہے نہ نا
امیدی کیونکہ وہ ہماری نجات کی چٹان اور امیدوں کا پورا کرنے والا ہے۔ یہ ایمان مومنوں
باب کے لئے فخر اور الٰہی عزت کا باعث ہے نہ کہ شرمندگی کا۔ یہودیوں کے متعلق جو
کچھ میں نے کہا وہ کسی دشمنی یا نفرت سے نہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ میں ان کے لئے بہت
دکھی ہوں۔ اور اے بھائیو! میری دلی آرزو اور خدا سے میری درخواست یہ ہے کہ وہ کسی نہ
کسی طرح نجات کے وارث بن جائیں اور اس مرتبہ کو پھر حاصل کریں جو وہ کھو بیٹھے
۳ ہیں ۹ : ۱ - ۳۔ جبکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان میں خدا کی غیرت موجود ہے تو میرا دکھ
اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ میں خود اس امر کا گواہ ہوں کہ وہ خدا کی بابت غیرتمند
ہیں اور دل وجان سے شریعت پر عمل کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ وہ
سمجھ سے شریعت پر عمل نہیں کرتے۔ کیونکہ اگر خدا کی غیرت کے ساتھ انہیں الٰہی اصولوں
اور خدا کی قدرت کی سمجھ بھی ہوتی تو وہ یقیناً خداوند مسیح کو قبول کرتے۔ خود میری زندگی

کو دیکھیں نا سمجھی سے شریعت کی تعمیل کرتا رہا اور قتل و خون کرنا اور غریب مسیحیوں کو ستانا اور الٰہی انتظام مسیحیت کو نابود کرنا عین اپنا مذہب سمجھتا تھا۔ جو میرا حال تھا وہی اہل ان کا حال ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ الٰہی انتظام کو ٹھکرا کر وہ خدا کے مجرم ٹھہرتے ہیں اور اُدھر شریعت کا تقاضا کو بھی پورا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ نہ خدا ہی ملانہ وصال صنم۔ نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ مسلمانوں کی نسبت بھی رسول کا قول کس قدر صحیح ہے کہ وہ غیرت رکھتے ہیں لیکن سمجھ کے ساتھ نہیں۔ جتنا زیادہ وہ اپنے مذہبی جذبہ اور جوش و خروش سے کام لیتے ہیں کم از کم اتنا ہی دماغ اور عقل سے کام لیں تو مسلمانوں کی حالت کہیں زیادہ بہتر ہو۔ اور اگر ہمارا ملک بیجا مذہبی غیرت اور جوش کو ہٹا کر علم اور سمجھ سے کام لے تو ہندوستان سے فرقہ وارانہ فساد مٹ جائے اور ملک کی بڑی ترقی ہو۔ بے سمجھ مذہبی غیرت اور بدامنی اور فساد کے لئے شیطان کا مجرب نسخہ ہے۔ ہم مسیحیوں میں بھی یہی بے سمجھ مذہبی غیرت یورپ کی تاریخ کے وسطی زمانہ میں قتل و غارت کی باعث رہی اور بعد میں اس وقت تک کلیسیائی فرقوں کی وجہ اور کلیسیائی اتحاد میں بے وقوفی کا روڑہ ہے اور جہاں ہندوستان ویسے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا وہاں مغربی کلیسیائی تقسیم نے اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔ یہودیوں کی ناسمجھی یہ ہے کہ گو وہ راستبازی

۳ کے حصول کے کوشاں ہیں تاہم اس کا حاصل کرنا نہیں جانتے۔ تبریت کے حاصل کرنے کا الٰہی طریقہ یہ ہے کہ انسان خدا کے فضل کو قبول کرے اور ایمان سے حاصل کرے۔ لیکن انھوں نے ایک اپنا طریقہ ٹھہرا کر رکھا ہے اور سمجھتے ہیں کہ انسان شریعت کے اعمال سے راستباز ٹھہرایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ شریعت کے آگے کوئی بشر راستباز نہیں ٹھہرتا۔ اس طرح وہ خود اپنے آپ کو بے وقوف بناتے ہیں اور الٰہی انتظام

۴ کے تابع نہیں ہوتے ۔ اور خداوند مسیح سے علیحدہ رہ کر جس شریعت سے وہ راستباز ٹھہرنا
چاہتے ہیں اُسی شریعت کا دراصل کام یہ ہے کہ انسان کو خداوند مسیح تک پہونچائے
کیونکہ خداوند مسیح شریعت کی نہایت ہے اور جب انسان خداوند تک پہونچ جاتا ہے تو
شریعت اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتی ہے اور وہ انسان شریعت کا پابند باقی
نہیں رہتا۔ پس ہم مومنوں کے لئے خداوند پر ایمان لانا شریعت کے مقصد کو تکمیل
۵ تک پہنچاتا ہے۔ اور ہمارا یہی ایمان الہیٰ راستبازی کا وسیلہ ہے ۔ شریعت کی راستبازی
اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب انسان شریعت پر حرف بحرف عمل کرے جیسا کہ
شریعت ہی میں احبار ۱۸: ۵ میں مذکور ہے کہ خداوند فرماتا ہے " تم میرے آئین اور
احکام ماننا جن پر اگر کوئی عمل کرے تو وہ ان کی ہی بدولت جیتا رہیگا "۔ اور شروع
ہی میں ۱: ۱۸- ۳: ۲۰ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ شریعت کے تقاضا کو پورا کرنا محال
ہے۔ اور اگر محال ہے تو ایسی راستبازی کے لیے کوشش کرنا بھی فضول ہے ۔
۶ شریعت صرف اسی راستبازی کا ذکر نہیں کرتی بلکہ کلام پاک میں اس راستبازی کا بھی
ذکر ہے جو ایمان سے حاصل ہوتی ہے ۔ مگر افسوس کہ " آج تک جب کبھی موسیٰ کی کتاب
پڑھی جاتی ہے تو ان کے دل پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ لیکن جب کبھی ان کا دل خداوند کی
طرف پھریگا تو وہ پردہ اٹھ جائیگا " ۲ کر ۳: ۱۵- ۱۶ ایمان کی راستبازی کے لئے ادھر
ادھر دوڑ دھوپ کرنے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کا حصول ایسا ناممکن
نہیں کہ انسان کو آسمان پر چڑھنے کی ضرورت ہو۔ جو امر محال ہے ۔ خداوند کا قول صادق
آتا ہے کہ " وہ آسمان پر تو ہے نہیں کہ تو کہے کہ آسمان پر کون ہماری خاطر چڑھے اور اسکو
ہمارے پاس لائے " استث ۳۰: ۱۲۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ الہیٰ راستبازی آسمانی ہے

لیکن ہماری خاطر یہ خداوند مسیح ہی ہو کر زمین پر آئی اور اب اس کا حصول ہر ایک انسان کے لئے نہایت ہی آسان ہے۔ حصول کی شرط صرف ایمان ہے۔ نہ یہ راستبازی عالم ناسوت سے باہر ہے کہ تم انسانی آبادی سے باہر اس کی تلاش کرو۔ کلام پاک کا قول کسقدر صحیح اُترتا ہے کہ "اور نہ وہ سمندر پار ہے کہ تو کہے کہ سمندر پار کون ہماری خاطر جائے اور اس کو ہمارے پاس لائے"۔ استثنا ۳۰: ۱۳۔ نہ یہ گہراؤ میں ہے کہ تم کہو کہ کون ہماری خاطر مردوں کی دنیا میں جائیگا۔ حالانکہ خداوند مسیح جس میں یہ راستبازی سکونت کرتی ہے گہراؤ اور مردوں کی دنیا میں سے بھی تمہاری خاطر جی اٹھا تاکہ تم راستباز ٹھہرائے جاؤ۔ الغرض نہ یہ راستبازی عرش معلی پر ہے جہاں فانی انسان کی پہونچ محال ہے نہ یہ تحت الثرا میں ہے جہاں سے کسی کا واپس آنا ممکن نہیں بلکہ خداوند کا قول صادق آتا ہے کہ "وہ کلام تیرے بہت نزدیک ہے۔ وہ تیرے منہ میں اور تیرے دل میں ہے تاکہ تو اس پر عمل کرے"۔ استثنا ۳۰: ۱۴۔ اور وہ کلام جو ہماری زندگی میں لبا ہوا ہے وہ انجیل کا کلام ہے۔ جس پر ہم نے یقین کیا اور جسکو سن کر ہم ایمان لائے اور اسی انجیل کی ہم منادی کرتے ہیں کہ " اگر تو اپنے منہ سے یسوع کے خداوند ہونے کا اقرار کرے"۔ "جس کے وسیلہ سے سب چیزیں موجود ہوئیں اور ہم بھی اسی کے وسیلہ سے ہیں" اک ۸: ۶۔ اور اپنے دل میں یقین کرے کہ خدا نے اسے مردوں میں سے جلایا تو نجات پائیگا"۔ متی اعم ۱۶: ۳۱۔ تم نے جب بپتسمہ کے وقت یسوع کے خداوند ہونے کا اقرار کیا تو تم نے اپنے ایمان کا اظہار کیا اور روح القدس کی امداد سے کیا۔ کیونکہ کوئی شخص روح القدس کے بغیر نہیں کہہ سکتا کہ یسوع خداوند ہے۔ اک ۱۲: ۳ "میں اعتقاد رکھتا ہوں ..... خدا کے اکلوتے بیٹے ہمارے خداوند یسوع مسیح پر کہ وہ ..... صلیب پر کھینچا گیا۔

۱۰ مرگیا اور دفن ہوا ۔۔۔۔ تیسرے روز مُردوں میں سے جی اُٹھا" ہم خداوند پر ایمان
لائے ۔ اور اس کی موت و قیامت کا تم نے یقین کیا اور راستباز ٹھہرائے گئے ۔ اور
ایمان کا کلام جو تمہارے مومن دل میں موجود تھا اس کا اقرار تم نے بپتسمہ کے وقت
۱۱ کیا اور نجات کے لئے تم تبریہ کے دروازہ سے داخل ہوئے ۔ یہ انسانی انتظام نہیں
بلکہ الٰہی انتظام ہے جو عالمگیر ہے اور ایسا نہیں کہ آئندہ کسی کو ناامیدی ہو اور شرمندگی
کا سامنا کرنا پڑے جیسا کہ یہودیوں کا حال ہے ۔ چنانچہ یسعیاہ ۲۸: ۱۶ میں مرقوم
۱۲ ہے کہ "جو اس پر ایمان لاتا ہے شرمندہ نہ ہوگا" (سبعینیہ AS) ۔ اور یہ
صرف یہودیوں کے لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ یہودیوں اور یونانیوں میں کچھ فرق نہیں۔
"اس لئے کہ سب نے گناہ کیا اور خدا کے جلال سے محروم ہیں" ۳: ۲۳ اور یسوع ہی
سب کا خداوند اور منجی ہے کیونکہ ہمارے نزدیک ۔۔۔ ایک ہی خداوند ہے ۔ یعنی
یسوع مسیح جس کے وسیلہ سے سب چیزیں موجود ہوئیں اور ہم بھی اسی کے وسیلہ
ہیں" ۱ کر ۸: ۶ ۔ "یہ ہمارے منجی خدا کے نزدیک عمدہ اور پسندیدہ ہے ۔ وہ چاہتا
ہے کہ سب آدمی نجات پائیں اور سچائی کی پہچان تک پہنچیں ۔ کیونکہ خدا ایک ہے اور
خدا اور انسان کے بیچ میں درمیانی بھی ایک یعنی مسیح یسوع جو انسان ہے جس نے اپنے
آپ کو سب کے فدیہ میں دیا کہ مناسب وقتوں پر اس کی گواہی دی جائے ۔ میں سچ
کہتا ہوں جھوٹ نہیں بولتا کہ میں اسی غرض سے منادی کرنے والا اور رسول اور
غیر قوموں کو ایمان اور سچائی کی باتیں سکھانے والا مقرر ہوا" ۱ تی ۲: ۳ - ۷ ۔ خداوند مسیح
ہی سب کا سنبھالنے والا ہے اور جو کوئی اس سے فریاد کرتا ہے اس کی فریاد سنتے
۱۳ کو تیار ہے ۔ "اور جو کوئی خداوند کا نام لے گا نجات پائیگا" یوایل ۲: ۳۲ ۔

کیونکہ "اور کسی دوسرے کے وسیلے سے نجات نہیں۔ کیونکہ
آسمان کے تلے آدمیوں کو کوئی دوسرا نام نہیں بخشا گیا۔ جس کے وسیلے سے ہم
نجات پا سکیں" سوائے خداوند یسوع مسیح کے نام کے۔ اعم ۴: ۱۲۔

ب۔ یہودیوں کی بے ایمانی کی وجہ خود انکی نافرمانی ہے۔ ۱۰: ۱۴۔ ۲۱

۱۴ مگر جس پر وہ ایمان لائے اس سے کیونکر دعا کریں؟ اور جسکا
ذکر انھوں نے سُنا نہیں اُس پر ایمان کیونکر لائیں؟ اور بغیر منادی
۱۵ کرنے والے کے کیونکر سُنیں؟ ۝ اور جب تک وہ بھیجے نہ جائیں منادی
کیونکر کریں؟ چنانچہ لکھا ہے "کیا ہی خوشنما ہیں ان کے قدم جو اچھی
۱۶ چیزوں کی خوشخبری دیتے ہیں؟" ۝ لیکن سب نے انجیل [یا خوشخبری]
کو نہ مانا۔ چنانچہ یسعیاہ کہتا ہے " خداوندا ہمارے پیغام کا کس نے یقین
۱۷ کیا؟" ۝ پس پیغام سے ایمان پیدا ہوتا ہے اور مسیح کے کلام سے پیغام
۱۸ آتا ہے ۝ لیکن میں کہتا ہوں کیا انھوں نے نہیں سُنا؟ بیشک " اُن کی
۱۹ آواز سارے جہان میں اور ان کی باتیں دنیا کی انتہا تک پہنچیں" ۝ لیکن میں
کہتا ہوں کیا اسرائیل ناواقف نہ تھا؟ اول تو موسیٰ کہتا ہے " میں ان سے
تم کو غیرت دلاؤنگا جو قوم ہی نہیں۔ ایک نادان قوم سے تم کو غصہ دلاؤنگا"
۲۰ اور یسعیاہ دلیر ہو کر کہتا ہے " جنھوں نے مجھے نہیں ڈھونڈا انھوں نے
۲۱ مجھے پالیا۔ جنھوں نے مجھ سے نہیں پوچھا ان پر میں ظاہر ہو گیا" ۝ لیکن
اسرائیل کے حق میں کہتا ہے " میں دن بھر ایک نافرمان اور حجتی امت کیطرف
اپنے ہاتھ بڑھائے رہا" ۝

یہودیوں کی بے ایمانی کی وجہ نجات کی لاعلمی نہیں۔ کیونکہ انجیل کا پیغام سب
کو سُنایا جاتا ہے۔ اور نہ یہ ان کی ناسمجھی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ انبیا ان کی بابت

تنبیہہ کرتے رہے اور ہمیشہ انھیں ان کی نافرمانی سے آگاہ کرتے رہے۔

۱۴ اگر خداوند مسیح پر ایمان لانا نجات کے لئے ضروری ہے۔ اور اگر نجات
کا الٰہی انتظام صرف یہی ہے جیسا کہ کہا جا چکا ہے۔ تو پھر یہ بھی ضروری ہے
کہ اس کا اعلان تمام دنیا میں کیا جائے تاکہ کوئی اس سے لاعلم نہ رہ جائے۔
کیونکہ اگر کوئی اس نجات سے لاعلم رہ جائے تو وہ سزا کا حقدار نہ ہوگا۔ پس
کیا خدا نے اس نجات کے اعلان کا کوئی معقول انتظام کیا ہے؟ بھلا کوئی مسیح خداوند
سے کیونکر دعا مانگ سکتا ہے اور کیونکر اس سے نجات کا طالب ہو سکتا ہے جب تک
کہ اس پر ایمان نہ لائے اور جب تک خداوند کا ذکر نہ سنا ہو۔ کیونکہ کوئی اس پر
ایمان لائے؟ "اور اس کی بابت لوگ کہاں سے سنیں جب تک کہ اس کا پیغام سنانے
۱۵ والے موجود نہ ہوں؟" اور جب تک کہ خدا خود اسی نجات کے پیغام کے ساتھ کسی
کو مبعوث نہ کرے اور انجیل کی رسالت نہ دے تو بھلا کون ایسا پیغام سنا سکتا ہے۔
کیونکہ الٰہی انتظام کا اعلان خود خدا ہی کرتا ہے۔ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ خدا نے
خود اپنے بندوں کے ذریعے یہودیوں کو نجات کی بشارت دی۔ بلکہ سارے جہان
میں اس کی بشارت دی جاتی ہے۔ اور یہودی ہرگز اس سے واقف نہیں۔ اور
یسعیاہ نبی کا قول نہایت پاؤں پہاڑوں پر کیا ہی خوشنما ہیں جو خوشخبری
لاتا ہے اور سلامتی کی منادی کرتا ہے اور خیریت کی خبر اور نجات کا اشتہار دیتا
ہے"۔ جو ان لوگوں کی نسبت کہا گیا جو اسیری سے واپس لوٹنے کی خبر دیتے
۱۶ تھے۔ آج پھر بھی صادق آتا ہے جو انجیل کی بشارت دیتے پھرتے ہیں۔ لیکن
کیا جنھوں نے مسیحی نجات کا پیغام سنا وہ خداوند پر ایمان لائے؟ ان میں سے
تھوڑے ایمان لائے۔ لیکن سب سننے والوں نے اس خوشخبری پر کان نہ دھرا
اور انجیل کو نہ مانا۔ خداوند کے رسول اور خادم ادھر ادھر اس پیغام

منادی کرتے پھرتے ہیں کہ "خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخشدیا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے"
یوحنا ۳: ۱۶ - بلکہ سب سے پہلے خدا کا پیغام یہودیوں ہی کو سنایا جاتا ہے -
لیکن وہ اس کے جواب میں خداوند کے خادموں کے ساتھ بُرا سلوک کرتے
ہیں - ان کی بے عزتی کرتے ہیں - ان پر مقدمے چلاتے ہیں - ان پہ حملے کرتے
ہیں - ان کو کوڑے لگاتے ہیں انکو پتھراؤ کرتے ہیں - بلکہ انکو قتل بھی کرتے ہیں اور ہر ممکن طور سے
وہ ان کی مخالفت بھی کرتے ہیں اور مسیح کے نام اور انجیل کے پیغام کو مٹانے
کے کوشاں رہتے ہیں - کیا انھوں نے نجات کے پیغام کو نہ سُنا؟ بیشک سنا لیکن
وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے - اور اگر خدا کے بنی کی طرح ہم مسیحی خادم بھی خدا
سے شکایت کریں یا خود افسوس کریں کہ "ہمارے پیغام پر کون ایمان لایا؟
۱۷ اور خداوند کا بازو کس پر ظاہر ہوا؟" تو غلط نہ ہوگا - یس ۵۳: ۱ اور گو یہ
صحیح ہے کہ جب تک وہ خداوند کی انجیل کی بشارت نہ سنیں اس وقت تک ان
۱۸ کے لئے ایمان لانے کا امکان نہیں ہو سکتا لیکن پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا
یہودیوں نے مسیحی نجات کے پیغام کو نہیں سُنا؟ ضرور سنا - اور مسیحی نجات کا پیغام اتنی
وسعت کے ساتھ سنایا جا رہا ہے جیسا کہ فطرت کے متعلق کہا گیا ہے کہ "اُن کا سر
۱۹ ساری زمین پر آسمان کا کلام دنیا کی انتہا تک پہونچا" زبور ۱۹: ۴ کیا اس پر بھی
کوئی کہیگا کہ یہودی ناواقف ہیں؟ کیا پاک کلام میں انھوں نے بار بار نہیں پڑھا
کہ اگر وہ خدا سے علیحدہ ہوں تو اور قوموں کے ہاتھ سے ساری دنیا کے آگے
ذلیل و خوار ہوں گے؟ انبیا ہمیشہ انھیں خدا کے ارادے سے واقف کرتے
رہے اور معاملات سے آگاہ کرتے رہے - مثلاً پہلے استثنا ۳۲: ۲۱ میں لکھا
ہے کہ خداوند فرماتا ہے کہ "میں بھی ان کے ذریعے سے جو کوئی امت نہیں انکو

غیرت دلاؤ ایک ناداں قوم کے ذریعے سے ان کو غصہ دلاؤں گا"۔ یہاں بے وجود اور ناداں قوم سے مراد یقینی غیر اسرائیلی ہیں۔ کیا وہ ناواقف ہیں اور نہیں دیکھتے کہ کس طرح غیر یہودی جو پہلے خدا کی امت نہ تھے۔ اب مسیحی ایمان کے سبب خدا کی امت ٹھہرے اور یہودی جو خدا کی امت تھے وہ اب خدا کی امت باقی نہ رہے؟ کیسے شرم کی بات ہے۔ کیا یہودی اس مقام کو پڑھکر نہیں سمجھتے؟ اگر نہ بھی سمجھتے ہوں تو انہیں سمجھنا چاہیئے کہ خدا غیر یہودیوں کو اپنی امت بنا کر

۲۰ انہیں غیرت دلا رہا ہے تاکہ اب بھی وہ ایمان لائیں اور نجات پائیں ؎ اور یسعیاہ ۶۵ : ۱ میں تو بالکل صاف ہی صاف کہہ دیا گیا ہے۔ خداوند فرماتا ہے کہ "جو میرے طالب نہ تھے میں ان کی طرف متوجہ ہوا جنھوں نے مجھے ڈھونڈا نہ تھا مجھے پا لیا۔ میں نے ایک قوم سے جو میرے نام سے نہیں کہلاتی تھی فرمایا دیکھ میں حاضر ہوں"۔ دیکھو غیر یہودیوں پر خدا کا فضل۔ انھوں نے نہایت ہی حلم اور بردباری سے

۲۱ انجیل کی نجات کے پیغام کو قبول کیا اور خدا کی امت بن گئے ؎ لیکن اسرائیل کی بابت نبی نے فوراً ہی بعد دوسری آیت میں کہا کہ خداوند فرماتا ہے کہ "میں نے سرکش لوگوں کی طرف جو اپنی فکروں کی پیروی میں بری راہ پر چلتے ہیں ہمیشہ ہاتھ پھیلائے کہ وہ میرے پاس آئیں مگر وہ رجوع نہ ہوئے۔ مطلب یہ ہوا کہ گو خدا نے ہر طرح سے ہی اسرائیل کو جیتنا چاہا مگر وہ نافرمان رہے اور اس وقت بھی وہ بچتی ہیں۔ اور اپنی شرارت کا اقبال نہیں کرتے۔ خدا نے سب کچھ ان کے لئے کیا۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے کہ "اے یروشلم کے باشندوں اور یہوداہ کے لوگوں میرے اور میرے تاکستان میں تم ہی انصاف کرو کہ میں اپنے تاکستان کے لئے اور کیا کرسکتا تھا جو میں نے نہ کیا؟ اور اب جو میں نے اچھے انگور کی امید کی تو اس میں جنگلی انگور کیوں لگے" یسعیاہ ۵ : ۳-۴۔ الغرض یہودیوں کے بے حق ہونے کی وجہ نہ خدا کی بے انصافی ہے

نہ بے وفائی۔ کیونکہ خدا اپنے عہد اور وعدوں کا وفادار ہے۔ اور معاملات میں منصف ہے۔ نہ ہی یہ حق تلفی ان کی لاعلمی اور ناسمجھی کی وجہ سے ہوئی۔ کیونکہ خدا ہمیشہ سے ان کو تاکید کرتا رہا ہے اور اس وقت بھی خداوند کے خادم انہیں ہر جگہ انجیل کا پیغام سناتے ہیں۔ یہ حق تلفی ان کی اپنی نافرمانی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ خدا کی راہ کو چھوڑ کر جو خداوند مسیح ہے وہ اپنی اپنی راہ پر چلنے لگے ۞

باب ۱۱ یہودیوں کا بقیہ ۱۱: ۱-۱۰

۱ اس لئے میں کہتا ہوں کیا " خدا نے اپنی امت کو رد نہیں کیا؟" خدا نہ کرے۔ کیونکہ میں بھی اسرائیلی ابرہام کی نسل سے اور بنیمین کے ۲ قبیلہ میں سے ہوں ۞ خدا نے اپنی اس امت کو رد نہیں کیا جسے اس نے پہلے سے جانا کیا تم نہیں جانتے کہ نوشتہ ایلیاہ میں کیا کہتا ہے کہ کیسے وہ اسرائیل کے خلاف خدا سے فریاد کرتا ہے ؟۞ ۳ "اے خداوند! انھوں نے تیرے نبیوں کو قتل کیا۔ تیری قربانگاہوں کو ڈھا دیا۔ اور صرف میں ہی بچا ہوں اور وہ میری جان کے بھی خواہاں ۴ ہیں ۞" مگر جواب الٰہی اس کو کیا ملا؟ میں نے اپنے لئے "سات ہزار آدمی ۵ بچا رکھے ہیں۔ جنھوں نے بعل کے آگے گھٹنا نہیں ٹیکا" ۞ پس اسی ۶ طرح اس وقت بھی ایک بقیہ فضل سے برگزیدہ ہو چکا ہے ۞ اور اگر ۷ فضل سے ہے تو پھر اعمال سے نہ ہوا۔ ورنہ فضل فضل باقی نہ رہا ۞ تو پھر؟ اسرائیل جس چیز کی تلاش کرتا ہے وہ اس کو نہ ملی۔ مگر برگزیدوں کو مل ۸ گئی اور باقی سخت کئے گئے ۞ چنانچہ لکھا ہے " خدا نے انہیں آج کے دن تک گہری نیند کی روح دی اور نہ دیکھنے کی آنکھیں اور نہ سننے کے ۹ کان " ۞ اور داؤد کہتا ہے " اُن کا دسترخوان ان کے لئے جال اور

پھندا اور ٹھوکر اور سزا بن جائے۔ ان کی آنکھیں تاریک ہو جائیں تاکہ دیکھ نہ سکیں۔ اور تو ان کی پیٹھ ہمیشہ جھکائے رکھ" ۔

گو اسرائیل نے الٰہی نجات کو قبول نہیں کیا۔ تو بھی خدا نے قطعی طور سے ان کی ساری قوم کو اب تک رد نہیں کیا اور اس کا وعدہ اب تک قائم ہے اور گو ان کی ایک بڑی تعداد ہو جائے تو بھی ان کا ایک بقیہ نجات پائیگا۔

یہودیوں کے رد کئے جانے کے ذکر سے کوئی یہ نتیجہ نہ نکالے کہ سارے کے سارے یہودی خدا کی نجات اور وراثت سے بے حق ہو گئے۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو" خداوند اپنے بڑے نام کے باعث اپنے لوگوں کو ترک نہیں کریگا"

۱سمو ۱۲: ۲۲۔ " اور وہ اپنی میراث کو نہیں چھوڑیگا" زبور ۹۴: ۱۴۔ اور میں اس کی زندہ مثال ہوں۔ کہ گو میں اسرائیلی۔ حضرت ابراہیم کی نسل سے اور بنیمین کے قبیلہ میں سے ہوں تو بھی مسیحی ہوں اور نجات کا وارث ہوں اور نہ فقط میں بلکہ اور بہت۔ اور تم میں سے بھی بہتیرے یہودی تھے۔ یہودیوں نے خدا مسیح کو قبول نہ کیا اور بے حق ٹھہرے۔ لیکن تو بھی خدا نے اپنی اس امت کو رد نہیں کیا جسے اس نے پہلے سے جانا" کیونکہ جن کو اس نے پہلے سے جانا ان کو پہلے سے مقرر بھی کیا کہ اس کے بیٹے کے ہمشکل ہوں ۔۔۔ اور جن کو اس نے پہلے سے مقرر کیا ان کو بلایا بھی۔ اور جن کو بلایا ان کو راستباز بھی ٹھہرایا اور جنکو راستباز ٹھہرایا ان کو جلال بھی بخشا" ۸: ۲۹۔ ۳۰۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی مرضی کی تعمیل ہمیشہ بنی اسرائیل کے ایک چھوٹے سے حصہ سے ہوتی رہی ہے۔ یہ چھوٹا سا حصہ اسرائیل کا بقیہ ہے جو ہمیشہ خدا کا منظور نظر ٹھہرا ہے۔ اور اس وقت بھی وفادار رہے۔ اور خداوند مسیح پر ایمان لا کر کلیسیا کا شریک ہے۔

لیکن ہم مسیحی عام طور پر اسکا خیال نہیں کرتے اور منکر یہودیوں کی بڑی جماعت

کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ خدا کی ساری امت بھٹک گئی اور نجات سے دور ہو گئی۔ ایسا ہی واقعہ حضرت ایلیاہ کے وقت میں بھی ہوا۔ انھوں نے بھی ایسا ہی سمجھا اور خدا سے فریاد کرنے لگے۔ غالباً تم اس واقعہ سے واقف ہو گے جو کتاب مقدس میں اسلا ۱۹: ۱۴-۱۰ میں مذکور ہے۔ کتاب مقدس کے اس حصہ کا نام جہاں ایلیاہ نبی کا ذکر ہے۔ عام اصطلاح میں ایلیاہ تھا۔ اسی طرح بزرگوں کے نام پر ان کے واقعات کے حصص کے نام تھے۔ جیسا کہ ہم بھی انبیا کی کتابوں کو محض انبیا کے نام سے پکارتے ہیں۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ یسعیاہ یا یرمیاہ یا متی وغیرہ میں لکھا ہے اور اس سے

۳ مراد اشخاص نہیں بلکہ ان کی کتابیں ہیں۔ حضرت ایلیاہ نے خداوند سے یوں فریاد کی کہ "اے مجھے خداوند لشکروں کے خدا کے لئے بڑی غیرت آئی۔ کیونکہ بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا اور تیرے مذبحوں کو ڈھا دیا اور تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا۔ ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں۔ سو وہ میری جان لینے کے درپے ہیں۔"

۴ مگر خدا نے حضرت ایلیاہ کو بتایا کہ تمہارا خیال درست نہیں اس لئے کہ "میں اسرائیل میں سات ہزار اپنے لئے رکھ چھوڑونگا۔ یعنی وہ سب گھٹنے جو بعل کے آگے نہیں جھکے اور ہر ایک منہ جس نے اسے نہیں چوما"۔ یعنی مطلب یہ ہوا کہ باوجود ایسی بڑی برگشتگی کے جبکہ حضرت ایلیاہ سمجھتے تھے کہ کوئی مومن باقی نہ رہا۔ سات ہزار خدا کے ایسے مومن بندے موجود تھے جنھوں نے بت پرست قوموں کے دیوتاؤں کی پرستش نہ کی تھی اور جنھیں خدا نے اپنی مرضی کی تعمیل کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ اسی طرح ہمارے زمانہ میں بھی اسرائیل کا ایک بقیہ وفادار ہے۔ چاہے

۵ اس کی تعداد اتنی چھوٹی کیوں نہ ہو کہ ہم اسے ناقابل شمار سمجھیں۔ الغرض اس وقت بھی اسرائیل کا ایک "سات ہزار" وفادار ہے۔ جو خداوند مسیح پر ایمان رکھ کر خدا کے فضل سے ہمارے زمانہ کا ایک برگزیدہ بقیہ بن گیا ہے۔

۶ "خدا کے فضل سے" میں اس لئے کہتا ہوں چونکہ انھوں نے اعمال سے اس مرتبہ کو حاصل نہیں کیا بلکہ ایمان سے۔ اس لئے کہ خدا نے خود اپنے بڑے فضل سے انہیں یہ درجہ دیا کہ وہ اسرائیل کا بقیہ نہیں اور خدا کی مرضی کو پورا کریں۔

۷ لیکن اگر اعمال سے یہ درجہ ملتا تو فضل سے کہنا بے معنی ہوتا۔ الغرض "اسرائیل جو راستبازی کی شریعت کی تلاش کرتا تھا اُس شریعت تک نہ پہنچا" کیوں؟ اس لئے کہ ایمان سے نہیں بلکہ اعمال سے اُسے کسب کرنا چاہا ۹: ۳۱-۳۲۔ مگر یہ راستبازی خدا نے اپنے بڑے فضل سے اُس بقیہ کو دیا جسے اس نے اپنے جلال کے لئے مقرر کیا۔ اور یہ بقیہ اب مسیحی کلیسیا کا شریک ہے۔ اس بقیہ کے علاوہ اسرائیل کا باقی حصہ پتھر کی طرح بے حس رہا اور اس نے خدا کے فضل کو قبول نہ کیا اور خدا کی مرضی کی تعمیل نہ کی۔

۸ ان نافرمانوں کا بھی ایسا ہی حال ہے جیسا کہ آٹھویں اور ساتویں صدی ق م میں ان کے آباؤ اجداد کا حال تھا۔ ان کی ضمیر گری ہوئی ہے اور سمجھ کوتاہ ہے۔ وہ الٰہی باتوں کو نہ دل سے سمجھتے ہیں۔ نہ آنکھوں سے کلام پاک میں پڑھتے ہیں۔ نہ ہی تاریخ میں خدا کے کاموں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور نہ ہی الٰہی باتوں کو سننا پسند کرتے ہیں۔ وہ مذہب سے بے بہرہ اور خدا کی سچائی سے ایسے ناواقف ہیں گویا کہ ان کا اس سے کچھ تعلق ہی نہیں۔ الٰہی امور کے لئے یہ پتھر کی طرح بے حس و حرکت اور مردہ کی طرح غافل ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کا خدا سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ ان کی حالت اسقدر افسوسناک ہے اور یہ اس قدر ناامیدی کے درجہ پر پہونچ چکے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا خدا نے خود ہی انہیں ایسا بنا دیا ہے تاکہ یہ برباد اور فنا ہو جائیں۔ یس ۲۹: ۹-۱۲؛ ۶: ۹؛ ۱۲؛ استثنا ۲۹: ۴ متی ۱۳: ۷؛

۹ ۵ زبور ۶۹: ۲۲-۲۳ میں ایسے بے ایمانوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ

ان کا دستر خوان ان کے لئے پھندا ہو جائے۔ اور جب وہ امن سے ہوں تو جال بن جائے"۔ یعنی کہ وہ برائیاں جس میں وہ دلچسپی اور مزہ لیتے ہیں ان کے لئے ذلت اور بربادی کا باعث ہو گا اور وہ ہمیشہ حراساں رہیں گے۔ انھوں نے خدا کی راستبازی اور سچائی سے بے توجہی برتی اور اسے نظر انداز کر کے برائیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ حالانکہ گناہ اور برائیوں کو پس پشت ڈال کر انہیں خدا کی طرف رجوع ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن افسوس مذکور ہے کہ "ان کی آنکھیں تاریک ہو جائیں تا کہ وہ دیکھ نہ سکیں۔ اور ان کی کمریں ہمیشہ کانپتی رہیں"۔ سچ ہے کہ آفتاب صداقت کا نور ان پر چمک رہا ہے اور نجات کا دروازہ ان کے لئے کھلا ہے لیکن تو بھی وہ گناہ اور کج فہمی میں ایسے اندھے ہیں کہ اس حقیقت سے قطعی ناواقف ہیں۔ انھوں نے اپنے اوپر گناہ اور ذلت کا ایسا بوجھ لادا ہے کہ ان کی کمریں کانپتی ہیں۔ اور وہ اس سے شرمندہ نہیں ہوتے۔ خدا بھی انہیں اپنے غضب کے بوجھ سے ایسا جھکائے رکھیگا کہ وہ ذلیل اور خوار رہیں گے۔

لقیہ۔ یسعیاہ نبی کے زمانہ میں بنی یہوداہ گناہ اور بدی اور بت پرستی میں ایسے غرق تھے کہ نبی بھی خدمت کرتے کرتے تھک گئے۔ انھوں نے ہزار منادی کی اور خدا کے غضب سے دھمکایا لیکن وہ نہ ڈرے نہ رجوع ہوئے اور اپنے گناہ کے نشہ میں چور رہی رہے۔ اس کا نتیجہ صاف ظاہر تھا کہ گناہ کے باعث یہودیوں کی بربادی اور تباہ حالی ایک لازمی امر ہے۔ نبی کے دل میں ان کی طرف سے اصلاح کی امید باقی نہ رہی اور نتیجہ یہودیوں کے فنا کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔ لیکن باوجود ان سب حالتوں کے بھی خدا کی رحمت

انہیں امید تھی کہ وہ یہودیوں کے نام ونشان کو مٹنے سے بچالے گی اور ان میں
سے ضرور کچھ نہ کچھ ایسے بچ رہیں گے جو خدا کے پرستار اور اس کی رحمت و
فضل کے حقدار ہونگے۔ یسعیاہ نبی کو ایسی امید اپنی اس چھوٹی گروہ سے تھی
جو ان کی پیرو تھی۔ اس چھوٹی برگزیدہ جماعت کے لئے نبی نے بقیہ کا لفظ استعمال
کیا۔ اور یہودیوں کی تاریخ میں جیسے جیسے ان کی حالت اور زیادہ گرتی گئی
اور تباہی بڑھتی گئی۔ بقیہ کا لفظ ایک اصطلاحی لفظ بنتا چلا گیا۔ بابل کی اسیری
میں جب یہودیوں کی بربادی انتہا تک پہنچ چکی تو ان کے درمیان مذہبی اصلاح
اور بحالی کی امید پیدا ہوئی۔ اور وہ ایک ایسے زمانہ کی راہ دیکھنے لگے۔
جس میں یہودی نیکی اور راستی سے زندگی بسر کرینگے۔ اور بت پرستی سے
بچکر خدا کے سچے پرستار رہیں گے اور خدا ان کو دوبارہ بحال کریگا اور ان کی
قوم پھر برسر اقتدار ہوگی۔ اس زمانہ کی ابتدا مسیح کی آمد سے ہوگی اور خدا
کے نیک بندوں کا بقیہ جو بربادی سے اس وقت تک بچا رہیگا۔ دوبارہ بحال
کیا جائیگا۔ مسیح کے زمانہ میں اس بقیہ کے ساتھ خدا غیر یہودیوں پر بھی رحم
کریگا اور وہ بھی بت پرستی اور باطل پرستی کو ترک کر کے خدا کے کلام پر عمل
کرینگے اور بقیہ کے ساتھ خدا کی وراثت میں داخل ہوں گے۔

باب غیر یہودیوں کی نجات یہودیوں کے لئے غیرت کا باعث ہے۔ ۱۱:۱۱-۱۵

۱۱ پس میں کہتا ہوں کہ انھوں نے ایسی ٹھوکر نہ کھائی کہ گر پڑیں؟
خدا نہ کرے۔ بلکہ ان کی لغزش سے غیر قوموں کو نجات ملی تاکہ
۱۲ انہیں غیرت ہو۔ اور اگر ان کی لغزش دنیا کے لئے دولت کا
باعث اور ان کا نقصان غیر قوموں کے لئے دولت کا باعث

۱۳ ہے تو ان کی بھرپوری کتنی زیادہ [دولت کا باعث ہوگی] ۵ اور میں
تم غیر قوموں سے کہتا ہوں اس حیثیت سے کہ میں غیر قوموں کا رسول
۱۴ ہوں لہذا اپنی خدمت کی بڑائی کرتا ہوں ۵ تاکہ کسی طرح سے اپنے
۱۵ جسم کو غیرت دلا کر ان میں سے بعض کو بچالوں ۵ کیونکہ اگر انکا
خارج کیا جانا دنیا کا آملنا ہوا تو ان کا مقبول ہونا کیا ہوگا ؟ کیا
مردوں میں سے جی اٹھنا نہ ہوگا ؟ ۵

یہودیوں کی حق تلفی کوئی ایسا معاملہ نہیں جسے کلی یا دائمی سمجھا جائے
کیونکہ ان کے لئے نجات کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے ۔ اور اس وقت یہ ظاہر
ہے کہ غیر یہودیوں کی نجات ان کے لئے غیرت کا باعث بنے کہ وہ بھی خداوند
مسیح پر ایمان لاکر نجات حاصل کریں۔

۱۱ حالانکہ یہودی اس وقت خدا کی بادشاہت سے خارج نظر آتے ہیں ۔
لیکن پھر بھی نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کے لئے توبہ کا دروازہ بند ہوگیا اور وہ
ہمیشہ کے لئے خدا کی وراثت سے خارج کے گئے اور ایسے گرے کہ پھر اٹھ نہیں
سکتے ۔ بیشک انھوں نے نجات کی چٹان سے ٹھوکر کھائی لیکن پھر بھی یہ خیال
کرنا درست نہیں کہ بس ان کی قسمت کا فیصلہ ہوچکا اور اب وہ نجات ہی نہیں
پا سکتے۔ انھوں نے ٹھوکر تو کھائی مگر وہ سنبھل بھی سکتے ہیں ۔ ذرا الٰہی انتظام
تو دیکھو کہ کس طرح ان کی یہ لغزش اور ان کا یہ انحراف غیر یہودیوں کے
لئے نجات اور برکت کا باعث ہوا لوق ۹ : ۲۲-۲۶ خداوند مسیح نے اپنی ساری
خدمت کا عرصہ ان کے درمیان صرف کیا اور خداوند کے رسول بھی پہلے ان ہی کے
پاس جاتے رہے ۔ لیکن جب انھوں نے رسولوں کو قبول نہ کیا اور ایمان نہ لائے
تو وہ غیر قوموں کی طرف رجوع ہوئے تاکہ نجات کا پیغام انہیں بھی سنائیں۔

میرا بھی ہمیشہ ایسا ہی دستور رہا ہے۔ ہر جگہ پہلے میں یہودیوں کے پاس گیا۔ لیکن جب انھوں نے مخالفت کی اور قبول نہ کیا تو میں نے اور قوموں کی طرف رُخ کیا۔ ہم نے بارہا ان سے یہ بھی کہا کہ "ضرور تھا کہ خدا کا کلام پہلے تمہیں سنایا جائے۔ لیکن چونکہ تم اس کو رد کرتے ہو اور اپنے آپکو ہمیشہ کی زندگی کے ناقابل ٹھہراتے ہو، تو دیکھو ہم غیر قوموں کی طرف رُخ کرتے ہیں" اعم ۱۳: ۴۶۔ میرا اس سے یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ خدا کو قبول کرتے تو غیر یہودی نجات سے محروم رہتے۔ بلکہ تجزیتاً میں کہہ رہا ہوں کہ کس طرح میں اور دیگر رسل پہلے ان کی طرف گئے لیکن جب انھوں نے قبول نہ کیا تو ہم غیر یہودیوں کی طرف رجوع ہوئے۔ اگر وہ قبول کرتے تو کیا ہوتا۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا ہو سکتا تھا کہ ہم رسل اپنی خدمت کی زندگی محض ان ہی درمیان کاٹتے اور غیر یہودیوں کی طرف رجوع نہ ہوتے۔ اب انکا ترک کیا جانا اور دوسروں کا مقبول ٹھہرنا ایسا معاملہ ہے کہ جس سے انہیں غیرت آنا چاہیئے۔ کیسی شرم کی بات ہے کہ فرزند اور حقیقی وارث بے حق ہوں اور وراثت سے خارج کئے جائیں۔ اور وہ جو نہ فرزند تھے نہ وارث حقدار قرار دیئے جائیں۔ کیا یہودیوں کے لئے غیرت کا مقام نہیں؟ خداوند فرماتا ہے "میں ۔۔۔۔۔ ان کے ذریعے سے جو کوئی امت نہیں ان کو غیرت ۔۔۔۔۔ دلاؤنگا" استث ۳۲: ۲۱۔ کیا ہم امید رکھیں کہ انہیں غیرت ہو گی اور وہ رجوع لائیں گے؟

۱۲ اور اگر یہودیوں کی بے ایمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارے جہان پر خدا کے فضل کی دولت ظاہر ہوئی کہ سب کو انجیل کا پیغام سنایا جاتا ہے اور ان کا خدا کے جلال سے کمتر رہنے اور وراثت سے خارج ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر یہودی قومیں خدا کی روحانی دولت سے مالا مال ہونے لگیں اور نجات

اور الٰہی راستبازی کو حاصل کرنے لگیں ۔ تو کیا تم سمجھتے ہو کہ ان کا واپس لوٹنا اور سچی
ایمان سے بھرپور ہو کر خدا کی صورت پر خلق ہونا جہان کے لئے کچھ کم عزت اور بزرگی
کا باعث ہوگا ؟ میں کہتا ہوں کہیں زیادہ بلکہ بے حد کیونکہ اس طرح سارا جہان
۱۳ نجات پائیگا ۔ یہ سب باتیں سن کر تم میں سے کوئی تعجب نہ کرے کہ میں غیر قوموں
کا رسول ہو کر یہودیوں کے لئے کیوں اسقدر فکرمند ہوں ۔ میں ہرگز اپنی رسالت کو
نہیں بھولا ۔ اور جو کچھ میں نے یہودیوں کے متعلق اپنی فکر کا اظہار کیا ہے ۔ وہ
تمہیں بھول کر نہیں بلکہ تمہیں مدنظر رکھتے ہوئے ۔ کیونکہ اس معاملہ میں دراصل
تمہاری بڑائی کر رہا ہوں کہ کسی طرح خدا نے تمہیں اپنی راستبازی سے ملبس
کر کے اپنا جلال بخشا اور تمہارے درجہ اور مرتبہ کو اسقدر بڑھایا کہ تم اس کے لوگ
کہلائے حالانکہ یہودی جو اپنے خاندان اور شریعت پہ فخر کرتے ہیں ۔ تمہیں ناچیز
سمجھتے رہے ۔ اور میں خدا کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے یہی بڑی خدمت
۱۴ کا شرف بخشا کہ میں غیر یہودیوں کا رسول بنا ۔ میں تمہاری بڑائی اس سے
کرتا ہوں اور اپنی خدمت پر اس لئے نازاں ہوں تاکہ کسی طرح سے اپنے یہودی
بھائیوں کو جو میرے خون اور گوشت ہیں غیرت دلاؤں کہ وہ اپنی بدحالی بے ایمانی
اور لاوارثی کے بالمقابل تمہاری خوشحالی ایمانداری اور الٰہی وراثت کو دیکھ کر
شرمندہ ہوں اور خداوند مسیح پر ایمان لا کر پھر الٰہی ملکیت کو حاصل کریں جسے وہ
اپنی بے ایمانی کی وجہ سے کھو بیٹھے ہیں ۔ اگر ان میں سے سب [illegible] کچھ نہیں تو خدا
۱۵ کرے کہ کم از کم کچھ لوگ تو ہوش میں آ جائیں اور نجات پائیں ۔ جب یہودیوں
خدا کی بادشاہت سے خارج کئے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر یہودیوں کا خداوند مسیح
کے وسیلہ سے خدا کے ساتھ میل ملاپ ہو گیا اور ان کی بے ایمانی اور کجروی کا نتیجہ
یہ تھا کہ ہم رسولوں نے انہیں چھوڑ کر دیگر قوموں کی طرف رخ کیا ۔ اور انہیں نجات کا پیغام

لَوٹنا ، اور وہ جوق در جوق خدا کی بادشاہت میں شامل ہوتی چلی جارہی ہیں ۔ تو کیا یہودیوں کا خداوند پر ایمان لا کر مقبول نظر ٹھہرنا اور بادشاہت میں داخل ہونا دنیا کے لئے اور بھی بزرگی کا باعث نہ ہوگا ؟ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہودیوں کا لوٹنا اور رجوع لانا ایک ایسی عظیم الشان بات ہوگی جیسے کہ مردہ کا زندہ ہونا اور موت کا زندگی بننا ۔ اور سارے یہودیوں کے ایمان لانے سے مردہ دنیا بھی زندہ ہو جائے گی اور اس وقت دنیا اپنے کمال پر پہنچیگی اور خدا کی مرضی دنیا میں کامل طور سے پوری ہوگی کیونکہ پھر کیا یہودی کیا غیر یہودی سارا جہان نجات کا وارث ہوگا ۔

آیت کے آخری الفاظ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سی ۔ ایچ ڈاڈ اپنی رومیوں کی تفسیر میں اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس آیت سے رسول کا مطلب ہو کہ خداوند مسیح کی دوسری آمد پر پہلے ایک قیامت صغریٰ ہوگی جس میں صرف وہی بندے جی اٹھیں گے ۔ لیکن یہودی قوم کے ایمان لانے کے بعد قیامت کبریٰ ہوگی جس میں کہ سارے بنی آدم جی اٹھیں گے ۔ "مسیح میں سب زندہ کئے جائینگے ۔ لیکن ہر ایک اپنی باری سے ۔ پہلا پھل مسیح ۔ پھر مسیح کے آنے پر اس کے لوگ ۔ اس کے بعد آخرت ہوگی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سب سے پچھلا دشمن جو نیست کیا جائیگا وہ موت ہے" (۱ کر ۱۵ : ۲۰ ۔ ۲۸ ۔ مکا ۲۰ : ۵ ۔ ۶ ، ۱۲ ۔ ۱۴)

ب ۱ منکر یہودیوں اور مومن غیر یہودیوں کی اصل حقیقت ۱۱ : ۱۶ ۔ ۲۴

۱۶ اور اگر نذر کا پہلا پیڑا پاک ہے تو سارا گوندھا آٹا بھی ۔ اور اگر جڑ پاک ہے تو ڈالیاں بھی ۔
۱۷ اور اگر بعض ڈالیاں توڑی گئیں اور تو جنگلی زیتون ہو کر ان کی جگہ پیوند ہوا اور زیتون کی روغندار جڑ میں شریک ہو گیا ۔
۱۸ تو تو ڈالیوں کے مقابلہ میں فخر نہ کر ۔ اور اگر فخر کریگا [تو جان رکھ کہ] تو جڑ کو نہیں بلکہ جڑ تجھ کو سنبھالتی ہے ۔
۱۹ پھر تو

۲۰ کہیگا ڈالیاں اس لئے توڑی گئیں کہ میں پیوند ہو جاؤں ۞ اچھا وہ
تو بے ایمانی کے سبب سے توڑی گئیں اور تو ایمان کے سبب سے
۲۱ قائم ہے ۔ تکبر نہ کر بلکہ خوف کھا ۞ کیونکہ جب خدا نے اصلی ڈالیوں کو نہ چھوڑا
۲۲ تو تجھ کو بھی نہ چھوڑیگا ۞ پس خدا کی مہربانی اور سختی کو دیکھ ۔ سختی ان پر
جو گر گئے اور خدا کی مہربانی تجھ پر بشرطیکہ تو اس مہربانی پر قائم رہے
۲۳ ورنہ تو بھی کاٹ ڈالا جائیگا ۞ اور اگر وہ بھی بے ایمانی پر قائم نہ رہیں تو
پیوند کئے جائیں گے کیونکہ خدا انہیں دوبارہ پیوند کرنے پر قادر ہے ۞
۲۴ اس لئے کہ جب تو جنگلی قسم کے زیتون سے کٹ گیا اور قاعدہ کے خلاف اچھے
زیتون میں پیوند کیا گیا تو کس قدر زیادہ وہ جو اصل [ڈالیاں] ہیں
اپنے زیتون میں پیوند کی جائیں گی ۞

یہودیوں کی اصل پاک ہے لیکن غیر یہودیوں کا یہ حال نہ تھا تو بھی خدا نے
غیر یہودی مومنوں کو اس پاک اصل سے متعلق کر دیا ۔ اور اگر خدا نے اس
طرح سے غیر کو اپنا اور غیر متعلق کو متعلق کر دیا ۔ تو وہ ان اپنوں کو بھی اپنانے
پر قادر ہے ۔ جو اس وقت عارضی طور سے خدا اور اپنی اصل سے علیحدہ ہیں

۱۶ یہودیوں کے ایمان لانے کی توقع مجھے اس لئے ہے کیونکہ خاندانی اور نسلی
طور پر ان کی اصل ایمان والی ہے ۔ یہی نہیں بلکہ ان کا معاشرتی ماحول بھی مذہبی ہے
مثلاً جب گوندھے ہوئے آٹے کا ایک پیڑا نذر کے طور پر خدا کے حضور اٹھانے
کی قربانی کے لئے پیش کیا جاتا ہے اور خدا اسے قبول کر لیتا ہے تو کیا اس سے یہ
ثابت نہیں ہوتا کہ باقی سارا آٹا بھی پاک اور نذر کے قابل ہے گنتی ۱۵ : ۱۷-۲۱ -
حقیقت تو یہ ہے کہ سارا آٹا پاک اور نذر کے قابل ہے جس نے اس کا ایک پیڑا بھی پاک
اور نذر کے قابل ٹھہرتا ہے ۔ اگر آٹا پاک نہ ہوتا تو اس کا کوئی پیڑا بھی پاک نہ ٹھہرتا

ساری یہودی قوم خاندانی معاشرتی اور تعلیمی اہلیت کے لحاظ سے گوندھے ہوئے آٹے کی طرح پاک اور خدا کے حضور پیش کئے جانے کے قابل ہے۔ حالانکہ ابتک ان کا صرف ایک بقیہ ایک پیڑے کی طرح خدا کے حضور نذر گذرانا گیا ہے اور مقبول ٹھہرا ہے

اسی طرح اگر کسی - - - - - - - - - - - - - - - - -

درخت کی جڑ پاک ہو تو اس کی ڈالیاں بھی پاک ٹھہریں گی۔ کیونکہ ڈالیوں کی خوراک اور سان کی زندگی کا انحصار جڑ ہی پر ہے۔ اور ہر ایک ڈالی کے وجود کا راز بھی درخت کی جڑ ہی میں ہے۔ بنی اسرائیل بھی ایک درخت کی مانند ہے۔ ان کی جڑ قوم کے آبا اور بزرگ ہیں جو خدا کے مومن اور مقبول بندے تھے۔ ان کی خاندانی اور قومی پرورش الٰہی ماحول میں ہوئی۔ چنانچہ ان کی قومی اور معاشرتی خصوصیات بھی الٰہی ہیں اور ان کی بے ایمانی محض ان کی اپنی ذاتی اور شخصی خصوصیات کا اظہار ہے۔ پس اگر وہ اسی طرح الٰہی ماحول کے پروردہ ہیں تو ان کی نسبت یہ توقع رکھنا کہ وہ کسی نہ کسی وقت میں خدا کی بادشاہت میں داخل ہوں گے کوئی غیر معقول امید نہیں ہے

۱۸ تمہیں معلوم ہے کہ خدا کی کلیسیا کی ابتدا حضرت ابراہیم۔ حضرت اضحاق اور حضرت یعقوب وغیرہ سے ہوئی۔ اور اگر کلیسیا کو زیتون کے درخت سے تشبیہ دوں تو آبا کی حیثیت جڑ کی ہوئی۔ لکھا ہے۔ "خداوند نے خوش میوہ سبز زیتون تیرا نام رکھا"۔ یرہ ۱۱: ۱۶۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہودی پہلے اسی اچھے زیتون یا کلیسیا کے شریک تھے۔ لیکن خداوند مسیح کی آمد پر جو یہودی ایمان نہ لائے وہ اس کلیسیا سے ایسے علیحدہ کئے گئے۔ جیسے کہ بیکار ڈالیاں درخت سے علیحدہ کی جاتی ہیں۔ تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ تم سب جب پہلے غیر یہودی تھے۔ اس اچھے زیتون یا کلیسیا کے شریک نہ تھے اور تمہاری اصل ایک جنگلی زیتون کی طرح تھی جو بیکار ہے۔ لیکن جب تم خداوند پر ایمان لائے تو تم اس درخت سے پیوند کئے گئے اور کلیسیا کے شریک بنے تاکہ آئندہ اچھا پھل لاؤ۔ اور خدا کے حضور مقبول ٹھہرے۔ اور اب کلیسیا کے شریک ہونے کے باعث کلیسیا کی ساری

کہاں بلکہ خوف کا مقام ہے۔ کیونکہ جب خدا نے یہودیوں کو نہ چھوڑا جو زیتون کی
اصلی ڈالیں تھے تو تمہیں کب چھوڑے گا۔ اگر تم بھی ان کی راہ پہ چلو اور ایمان پہ
۲۲ قائم نہ رہو تمہیں خدا کا خوف اس لئے کرنا چاہیئے کیونکہ یہودیوں کا رد کیا جانا
اور تمہارا قبول کیا جانا ایک ایسا معاملہ ہے جس میں تم واضح طور پر خدا کی سختی اور
مہربانی دونوں کو دیکھتے ہو۔ خدا کی سختی ان یہودیوں پہ جو ایمان نہ لائے [illegible]
تھے اس درخت یعنی خدا کی امت اور کلیسیا سے علیحدہ رہنا پڑا اور خدا نے
بھی انہیں اپنی راہ پہ چھوڑ دیا۔ اور خدا کی مہربانی اور فضل تم غیر یہودیوں پہ
ہی ہوا جب تم خداوند مسیح پہ ایمان لائے اور اپنی زندگی کو خدا کے ہاتھ میں
سونپ دیا ایمان پہ خدا نے تمہیں سرفراز کیا اور اپنی امت میں داخل کر کے
تمہیں اپنے زیتون میں پیوند کیا۔ اور اب اس حالت پہ قائم رہنا تو تمہارے
ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اسی طرح ایمان پہ قائم رہو تو خیر ورنہ یقین جانو کہ تم بھی
۲۳ ان ہی کی طرح کاٹ کر علیحدہ کر دیئے جاؤ گے۔ خدا نے ہر ایک انسان کو اپنی اپنی
مرضی پہ چلنے کے لئے آزاد پیدا کیا ہے۔ جس کا جی چاہے یہودیوں کی طرح گمراہی
اختیار کرے اور خدا کی بادشاہت سے علیحدہ ہو جائے۔ اور جس کا جی چاہے
خداوند مسیح کے مومن بندوں کی طرح راہ حق اختیار کرے اور خدا کی بادشاہت
میں داخل ہو۔ یہی نہیں بلکہ گمراہ اگر اپنی گمراہی کو چھوڑ کر راہ راست پہ چلنا چاہے
تو اسے اس کا بھی حق ہے۔ اور اگر مومن گمراہی اختیار کرنا چاہے تو وہ بھی
آزاد ہے جیسا چاہے کرے۔ اور جیسے کہ تم بے ایمانی پہ علیحدہ کئے جا سکتے ہو
اسی طرح یہودی بھی جو بے ایمانی کے سبب علیحدہ ہیں۔ خداوند مسیح پہ ایمان لا کر دوبارہ
بحال کئے جا سکتے ہیں اور انہیں پھر اس زیتون میں جگہ مل سکتی ہے۔ خدا کی رحمت
اور فضل انہیں دوبارہ پیوند کر کے ایک کر سکتا ہے کیونکہ خدا ان سب امور پہ قادر ہے

۲۴ زیتون کے پیوند کا قاعدہ تو یہ ہے کہ اچھے درخت کی ڈالیاں جنگلی درخت میں پیوند
کی جاتی ہیں اور ان ڈالیوں کا پھل اپنی اصل کے مطابق اچھا ہوتا ہے اور
اس طرح جنگلی زیتون کے درخت کو بھی اچھے پھل کا درخت بنا دیا جاتا ہے لیکن
خلاف قاعدہ خدا نے تمہاری حالت میں جنگلی شاخ کو اچھے درخت میں پیوند کر دیا
اور بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اس شاخ کا پھل اپنی اصل کے مطابق خراب اور
بیکار نہیں بلکہ جڑ کے مطابق پھلدار اور پسندیدہ ہے۔ اور جب تم جو طبعاً بت
پرست اور بے دین تھے الٰہی تعلیم پا کر خدا کے فضل سے اس قدر ترقی کر گئے
کہ آج تمہارے ایمان کا تمام دنیا میں شہرہ ہو رہا ہے۔ تو پھر یہودی جنکی اصل اچھے
زیتون کی ہے اور جو پشت در پشت الٰہی تعلیم پاتے رہے۔ اپنے اصل درخت میں اُنکا
کیوں نہیں پیوند ہو سکتے؟ میں یقیناً کہتا ہوں کہ ضرور ہو سکتے ہیں اور خوب
پھلدار ہوں گے۔ اس لئے نہ تم غیر یہودی مسیحیوں کو بیجا طور پر غرور کرنا چاہئے
کیونکہ اگر تم بھی ایمان پر قائم نہ رہو تو تمہارا بھی وہی حال ہوگا جو یہودیوں کا ہوا۔ نہ
یہودیوں کو ناامید ہونا چاہیئے کیونکہ اگر وہ رجوع لائیں اور خداوند پر ایمان
رکھیں تو وہ بھی نجات پائیں گے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہودی غیر یہودیوں کی
نسبت خدا کی بادشاہت سے کہیں قریب ہیں۔ اس لئے ان کی دوبارہ بحالی میں
کچھ دقت نہیں۔

(و) اسرائیل کا انجام ۱۱: ۲۵-۳۲

۲۵ اے بھائیو! ایسا نہ ہو کہ تم اپنے آپ کو عقلمند سمجھ لو۔ اس لئے میں
نہیں چاہتا کہ تم اس بھید سے ناواقف رہو کہ اسرائیل کا ایک حصہ اس
وقت تک کے لئے سخت ہو چکا ہے جب تک کہ تمام غیر اقوام داخل نہ
۲۶ ہو جائیں۔ اور اس طرح سارا اسرائیل نجات پائیگا جیسا لکھا ہے۔ چھڑانے

۲۷ والا صیون سے نکلیگا۔ وہ بے دینی کو یعقوب سے دفع کریگا ۵ اور ان کے
۲۸ ساتھ میرا یہ عہد ہوگا۔ جبکہ میں ان کے گناہوں کو دور کروں گا ۵ انجیل
کے اعتبار سے تو وہ تمہاری خاطر دشمن ہیں۔ لیکن برگزیدگی کے اعتبار
۲۹ سے باپ دادا کی خاطر پیارے ہیں ۵ اس لئے کہ خدا کی نعمتیں اور بلاوا بے
۳۰ تبدیل ہیں ۵ کیونکہ جس طرح تم پہلے خدا کے نافرمان تھے لیکن اب
۳۱ ان کی نافرمانی کے سبب سے تم پر رحم کیا گیا ۵ اسی طرح اب یہ بھی نافرمان
۳۲ ہوئے تاکہ تم پر رحم ہونے کے باعث اب ان پر بھی رحم ہو ۵ اس لئے کہ
خدا نے سب کو نافرمانی میں گرفتار ہونے دیا تاکہ سب پر رحم فرمائے ۵

۲۵ اے بھائیو! کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اسرائیل کے انجام کی نسبت دھوکے میں رہ
کر مغرور بنو اور اپنے آپ کو عقلمند سمجھو کہ خداوند کی آمد سے صرف تم ہی نے پورا فائدہ
اٹھایا اور یہودی اپنی بیوقوفی کی وجہ سے الہٰی نعمت اور جلال اور نجات سے
محروم رہے۔ اس لئے میں بہتر سمجھتا ہوں کہ اسرائیل کی نسبت تمہیں خدا کے بھید
سے آگاہ کردوں۔ خدا کی بادشاہت کی بابت الہٰی بھید ایک ایسی پوشیدہ حقیقت
ہے جس کا انکشاف خداوند مسیح کے ظہور پر ہوا ہے تو بیشک تعجب کی بات ہے کہ اسرائیل
کے بقیہ کے سوا سارے یہودیوں نے گمراہی اختیار کی لیکن ان کی اس گمراہی کا نتیجہ تم
صاف دیکھ رہے ہو کہ دیگر اقوام کو نجات کا راستہ مل گیا۔ خدا کا ازلی ارادہ یہ ہے کہ
بالآخر سارا جہان نجات پائے اور "مسیح میں سب چیزوں کا مجموعہ ہو جائے۔ خواہ وہ
آسمان کی ہوں خواہ زمین کی"۔ افس ۱: ۱۰۔ خدا کا یہ ارادہ جو ازل سے پوشیدہ
رہا۔ اب ظاہر ہو چکا ہے اور ہم بھی خدا کے طریق عمل سے اب واقف ہو گئے ہیں۔
کیونکہ الہٰی بھید اب کھل چکا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہودی کب تک گردن کشی کرینگے
اور کب تک یہ فرعون کی طرح سخت دل ہو کر خدا کے کلام اور الہٰی انتظام کو قبول نہ

کریں گے۔ دیگر قومیں اس قدر تیزی کے ساتھ خداوند کو قبول کرتی چلی جارہی ہیں
کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ساری قوموں کے ایمان لے آنے کے وقت تک
بھی یہ ایسے ہی سخت رہیں گے ؎ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہمیشہ ہی خداوند ۲۶
سے علیحدہ رہیں گے بلکہ مجھے امید ہے کہ ساری اقوام کی نجات کے بعد بھی خدا انہیں
قطعی طور سے ترک نہ کریگا۔ اور ان کے لئے نجات کا موقع پھر بھی باقی رہے گا۔
بلکہ خداوند کی ذات سے امید ہے کہ وہ ان پر بھی مہربان ہوگا۔ ضرور ہے کہ خدا
کی کامل فتح اور شیطان کی پوری شکست ہو۔ بدی مٹ جائے اور صرف نیکی
ہی نیکی رہے۔ بے دینی اور گمراہی جاتی رہے اور سب میں خدا ہی سب کچھ ہو
۱ کر ۱۵: ۲۸۔ اور اگر خدا کی مرضی یہ ہے کہ سارا جہان نجات پائے تو یہودی
اس سے خارج نہیں ہو سکتے۔ وہ بھی ضرور رجوع ہوں گے اور اپنے نجات
دہندہ کو قبول کریں گے تب دنیا کی نجات کے متعلق خدا کی مرضی پوری ہوگی۔ اور پھر
نہ فقط بقیہ بلکہ سارا اسرائیل نجات پائیگا۔ چنانچہ یسعیاہ نبی کی کتاب میں یوں
مذکور ہے "دیکھو خدا کا ہاتھ چھوٹا نہیں ہو گیا کہ بچا نہ سکے" ۵۹: ۱۔ "اور
خداوند فرماتا ہے کہ صیون میں ان کے پاس جو یعقوب میں خطاکاری سے باز
آتے ہیں۔ ایک فدیہ دینے والا (یا چھڑانے والا) آئیگا" یس ۵۹: ۲۰۔ اور
یہ فدیہ دینے والا مسیح ہے جس کے وسیلہ سے ساری قوم اسرائیل کی نجات کی
امید ہے ؎ اور جب وہ ایمان لے آئیں گے تو خداوند کی کلیسیا میں شریک ۲۷
ہو کر خدا کے نئے عہد میں شامل ہو جائیں گے۔ یعنی اس نئے عہد کے جو خداوند کے ذریعہ
باندھا گیا جس کی نسبت یرمیاہ نبی ۳۱: ۳۱-۳۴ میں یوں فرماتے ہیں کہ "دیکھ
وہ دن آتے ہیں۔ خداوند فرماتا ہے جب میں اسرائیل کے گھرانے اور یہوداہ کے
گھرانے کے ساتھ نیا عہد باندھونگا ۔۔۔۔ میں اپنی شریعت ان کے باطن میں

رکھوں گا۔ اور ان کے دل پر اُسے لکھوں گا اور میں اُن کا خدا ہوں گا۔ اور وہ میرے لوگ ہوں گے۔ ۔ ۔ ۔ میں ان کی بدکرداری کو بخش دوں گا۔ اور ان کے گناہ کو یاد نہ کروں گا۔" اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اسرائیل جو اس وقت بے دینی اور گناہ میں پڑا ہوا ہے ایک وقت میں خدا پر ایمان لاکر روح القدس کی باطنی تربیت حاصل کرے گا۔ اور گناہوں کی معافی حاصل کرکے نجات کا وارث ہوگا۔ وہ خدا کی نظر میں دشمن بھی ہیں اور محبوب بھی۔ خدا کے دشمن اس طرح کہ وہ انجیل کی بشارت کے مخالف ہیں۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے ہیں کہ خدا کے ارادے کے مطابق انجیل کا نجات بخش پیغام غیر یہودیوں کو بھی سنایا جائے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ صرف یہودی ہی نجات کے وارث ہوں اور دنیا چاہے برباد ہو۔ (تھس ۲: ۱۴-۱۶) اور واقعہ تو یوں ہے کہ وہ خود بھی قومی حیثیت سے نجات کے مالک سے اب تک دور ہیں اور خدا وند کو قبول نہیں کرتے۔ اور ان کی بے ایمانی کا نتیجہ تو تم جانتے ہی ہو کہ کس طرح ہم نے انہیں چھوڑ کر تمہاری طرف رخ کیا اور نجات کا پیغام دیگر اقوام کو سنانے لگے۔ ان کی یہ بے ایمانی تمہارے لئے مفید ثابت ہوئی۔ اور انہیں محبوب اس مفہوم میں کہتا ہوں کہ خدا نے اُن کے آبا کو چن لیا اور ان کی اولاد یعنی اسرائیل کو اپنی انجیل کی بشارت دینے اور دنیا کو نجات کا پیغام سنانے کے لئے منتخب کیا تاکہ دنیا کی نجات کے بارے میں خدا کا ازلی ارادہ پورا ہو۔ اسی لئے خدا نے ان کے ساتھ بڑی بڑی مہربانیاں کیں اور بہت ہی ناز و نعمت سے انہیں پالا۔ لیکن افسوس اس وقت ان کا کیا حال ہے؟ گو وہ ہر صورت سے تباہ اور برباد اور نجات سے خارج ہیں تو بھی مجھے یقین ہے کہ خدا نے انہیں بالکل رد نہیں کیا اور ان کے لئے اب تک امید باقی ہے۔ ظاہرا طور پر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لئے نجات کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ لیکن حقیقت

یہ کہ جب خدا نے انہیں ایک بار برپا بنا لیا اور اپنے فضل کی نعمتوں سے
مالا مال کیا اور انہیں دنیا کی نجات اور اپنی خدمت اور جلال کے لئے مقرر کیا تو
کبھی بھی ہمیشہ کے لئے انہیں خارج نہ کرے گا بلکہ اپنے رحم کا دروازہ ہمیشہ
ان کے لئے کھلا رکھیگا تاکہ وہ رجوع لائیں اور پھر وہی بزرگی حاصل کریں جو
انہیں کسی وقت میں حاصل تھی۔ خدا جب کسی کے ساتھ نیکی کا سلوک کرتا ہے
تو وہ چاہتا ہے کہ یہ سلوک تا ابد قائم رہے اور گناہ کی وجہ سے جب وہ کسی کو اپنی
نعمتوں اور برکتوں سے محروم کرتا ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ ایک عارضی معاملہ
ہے اور انسان جلدی سے باز آ کر اس کے فضل کے سایہ میں پرورش پا سکے۔
وہ اپنا قہر ہمیشہ تک نہیں رکھ چھوڑتا۔ کیونکہ وہ شفقت کرنا پسند کرتا ہے"
می ۷: ۱۸۔ ۲۰ ع اور جیسے کہ تم غیر یہودی ایمان لانے سے پیشتر خدا کے نافرمان
تھے اور اب ان کی بے ایمانی کے سبب تمہارے لئے ایمان کا دروازہ کھلا اور خدا
کے فضل نے تمہیں اپنے سایہ رحمت میں لیا۔ ایسے ہی اب وہ تمہاری طرح نافرمان
ہو گئے۔ اور پھر بعد میں تمہارے ایمان اور بزرگی کے باعث وہ بھی لوٹیں گے اور
رجوع لائیں گے کیونکہ اول تو انھیں تمہاری خوشحالی اور اپنی بدحالی پر غیرت
ہو گی۔ دوم الہٰی نجات کا پیغام اب تمہارے ذریعہ سے انہیں حاصل ہوگا۔
پس ایک وقت آئیگا کہ جیسے تم پر خدا کا رحم ہوا اور خدا کے فضل نے تمہیں ہلاکت
سے بچا لیا۔ اسی طرح ان پر بھی خدا کا رحم ہوگا۔ اور خدا کا فضل انھیں بچا لیگا
کسی قوم کی نافرمانی ظاہرا طور پر تو دنیا کے متعلق خدا کے ازلی ارادے کو توڑتی نظر
آتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں۔ خدا نے اپنی بڑی حکمت سے نجات کی تکمیل میں
ان سب امور کی گنجائش رکھی ہے تاکہ وہ خدا کے ازلی ارادے کو مٹا سکیں۔ اور
وقت کے گذرنے پر وہ خود مٹ جائیں اور خدا کی نجات کا کام ترقی ہی کرتا جائے

روم ۱۱

یہودیوں کی نافرمانی شاید کسی کی امید کو اور بھی زیادہ توڑے کیونکہ اگر یہی
طرح فرمانبردار نافرمانبردار ہو جائیں تو پھر خدا کی نجات کی تکمیل کیونکر ہو سکتی ہے
لیکن درحقیقت یہ بھی دنیا میں معاملہ ہے جیسا کہ دیگر قوموں کی نافرمانی کو یہودیوں
کی نافرمانی بھی ٹوٹ کر دے گی اور وہ پھر تابعدار ہونگے۔ اور خدا کی نجات تکمیل
بھی پائے گی۔ اور خدا کی کلیسیا کے شریک یہودی اور غیر یہودی دونوں ہونگے۔
الغرض خدا نے ہر ایک انسان کو اپنی مرضی کا مالک بنایا کہ جیسا چاہے کرے۔ اس
نے گناہ اور نافرمانی کا امکان بھی اسی لئے چھوڑا تا کہ راستبازی اور فرمانبرداری
قائم کی جا سکے۔ کیونکہ جہاں گناہ کا امکان نہیں وہاں راستبازی بھی ممکن نہیں
اور خدا کے ازلی ارادہ کے مطابق ان سب کا انجام نجات ہے۔ اور اس نجات کی
تکمیل میں گنہگاروں پر خدا کا رحم اور فضل ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ جب ہم گنہگار
ہی تھے تو مسیح ہماری خاطر مر گیا۔

[illegible] میں پولس نے عالمگیر نافرمانی اور گناہ کا ذکر کیا اور اب یہاں اس کے مقابل خدا کی عالمگیر رحمت کا ذکر کیا
سطحی طور پر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوال کا مطلب ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ دنیا کا ہر ایک فرد و بشر
چاہے یہودی ہو یا غیر یہودی خداوند مسیح پر ایمان لا کر نجات پائے گا اور کلیسیا کا شریک
ہو کر خدا کے فیوض اور برکتوں کا وارث ہوگا۔ لیکن اگر سوال کا مطلب انفرادی
نجات نہ ہو تو کم از کم قومی نجات ضرور ہے۔ اور اس صورت میں ممکن ہے کہ سوال
کی توجہ اقوام کی طرف ہو نہ کہ افراد کی طرف اور مطلب صرف یہ ہو کہ قومی حیثیت
سے کیا یہودی کیا غیر یہودی سب نجات پائیں گے اور مسیحی کہلائیں گے۔ اس کی
مثال موجودہ مغربی اقوام ہیں کیونکہ یورپ اور امریکہ کے ممالک میں بکثرت ایسے
لوگ موجود ہیں جو نام کے بھی مسیحی نہیں اور کام کے تو کہاں تک ہونگے تو بھی دنیا
یورپ اور امریکہ کے ممالک کو ملکی اور قومی حیثیت سے مسیحی شمار کرتی ہے۔

باب ۱۱ الٰہی حکمت کی تعریف ۱۱: ۳۳ تا ۳۶

۳۳ واہ! خدا کی دولت اور حکمت اور علم کیا ہی عمیق ہیں! اُس کے فیصلے کس قدر ادراک سے پرے اور اُس کی راہیں کیا ہی بے نشان ہیں!
۳۴ خداوند کی عقل کو کس نے جانا؟ یا کون اُس کا صلاح کار ہوا؟
۳۵ یا کس نے پہلے اُسے کچھ دیا ہے جس کا بدلہ اُسے دیا جائے؟
۳۶ کیونکہ اُسی کی طرف سے اور اُسی کے وسیلہ سے اور اُسی کے لئے سب چیزیں ہیں۔ اُس کی تمجید ابد تک ہوتی رہے۔ آمین۔

نجات کے سلسلہ میں پولس رسول کی دلی خواہش یہ تھی کہ کیا اسرائیل کیا دیگر اقوام بلکہ ساری مخلوقات اور کائنات دینی اور نادیدنی سب گناہ اور اس کے اثرات سے نجات پائیں اور خدا کے جلال میں شامل ہوں اور رسول کا تخیل یہاں تک پرواز کیا کہ نجات کے متعلق خدا کی مرضی کی تعمیل کے بعد جو نقشہ دونو جہان کا ہوگا اس کا نظارہ آپکی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ آپ نے سارے جہان کو خدا کی بادشاہت میں ایسا تبدیل ہوتے دیکھا کہ اس کے حسن وجمال کو دیکھ کر آپ اس قدر محو حیرت ہو گئے کہ الٰہی جلال کے آگے سرنگوں ہوتے اور بے ساختہ اس الٰہی حکمت کی تعریف کرنے لگے۔ جس کا بھید ازل سے پوشیدہ رہ کر آخری زمانہ میں خداوند یسوع مسیح کے وسیلہ سے ظاہر ہوا۔ یعنی خدا کی وہ حکمت جو دنیا کی نجات کر انجام تک پہونچا کر اُسے حسن وجمال بخشنے والی ہے۔

۳۳ واہ! خدا کے فضل کی دولت اور خدا کی نجات اور اس کے طریق نجات کی حکمت اور دنیا اور ما فیہا کا پورا علم اور ان پر اس کی قدرت ما فوق انسان کے خیالات سے کیسقدر زیادہ اور وسیع تر ہیں! اور وہ اس کی سمجھ سے کس قدر باہر

ہیں! واہ! خدا کا فیصلہ کس قدر ادراک سے پرے ہے! کون کہہ سکتا تھا۔
کہ غیر یہودیوں کے لئے بھی نجات کا راستہ کھل جائیگا اور کون تخیل کر سکتا
تھا کہ یہودی خدا کی بادشاہت سے خارج ہو جائیں گے؟ اور موجودہ حالت
کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ یہودی پھر دوبارہ بحال کئے جائیں گے؟ واہ!
خدا کس قدر حکمت سے کام کرتا ہے۔ نجات کی راہ ظاہر ہونے سے پیشتر کون
۳۴ جانتا تھا کہ خدا کی نجات کی راہ کیا ہوگی؟ اور اس کا نشان کیا ہے؟ خدا کے
کام کے بھید کو سوا خدا کے اور کون جانتا ہے؟ کس کی مجال ہے کہ وہ اس کے
معاملات میں دخل اندازی کرے؟ نہ تو کوئی اس کی عقل کو پہونچ سکتا ہے
نہ کوئی انسان اس کا صلاح کار ہو سکتا ہے۔ وہی سب پر قادر ہے اور سب
کچھ کر سکتا ہے۔ اور اپنے ارادے کو پورا کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ وہ کسی کا
۳۵ محتاج نہیں ۔ وہ ساری مخلوقات کا وہی خالق اور مالک ہے۔ نہ کسی انسان نے
اسے کچھ دیا ہے نہ کوئی اس سے کسی مطالبہ کا حق رکھتا ہے۔ جو کچھ انسان کے لئے
وہ کرتا ہے۔ محض اس کی رحمت اور فضل ہے۔ ہم انسان نہ نجات کماتے ہیں نہ
اس کا اس سے مطالبہ کر سکتے ہیں تو بھی وہ اپنے بڑے فضل سے ہمیں بخشتا ہے
بلکہ سارے جہان کو بخشیگا اور دنیا کے اوپر سے گناہ کی بدصورتی کو ہٹا کر اپنا
۳۶ جلال و جمال اس پر ظاہر کریگا۔ وہ خداوند وہ ہے جس کی طرف سے اور جس کے وسیلہ
سے اور جس کے لئے ساری چیزیں ہیں۔ وہی اول وہی آخر۔ وہی ابتدا اور وہی
انتہا۔ عظیم اور پاک دنیا سے پرے تو بھی ہر جا اور ہر ذرہ میں موجود ہے۔ اس
کی تمجید اور ستائش ابد تک ہوتی رہے۔ آمین ۔

آمین ۔ کتاب مقدس میں جہاں کہیں عبرانی لفظ "آمین" استعمال ہوا
ہے وہاں اردو کے ترجمہ میں بھی عام طور سے آمین ہی لکھ دیا گیا ہے۔ لفظ

آمین عبرانی لفظ ہے ۔ اور اس کے معنی ہیں قائم ۔ وفادار ۔ سچا ۔ برحق وغیرہ ۔ یہ لفظ حسب ذیل موقعوں پر استعمال کیا جاتا ہے ۔

(۱) کسی بیان پر اگر آمین کہا جائے تو اس کے معنی ہیں "درست ہے" یعنی بیان مذکور صحیح اور درست ہے جسکا یقین کرنا واجب ہے ۔ ا سلا ۱ : ۳۶ ؛ تثنیہ ۵ : ۱۸ ؛ مر ۳ : ۲۸ ۔ ایسے موقعوں پر بیان کی سچائی کے اقرار کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن اگر بیان تحریری ہو تو آمین لکھنا بیان کی سچائی پر دستخط کرنا ہے ۔ رومی ۱۱ : ۳۶

(۲) لعنت یا دعا پر آمین کہا جائے تو وہاں معنی ہونگے "ایسا ہی ہو" ۔ یعنی میں اس لعنت یا دعا سے قطعی متفق ہوں اور خدا سے ملتجی ہوں کہ وہ ایسا ہی کرے ۔ گنتی ۵ : ۲۲ ؛ نحمیاہ ۵ : ۱۳ ؛ یرمیاہ ۲۸ : ۶ ؛ استثنا ۲۷ ۔

(۳) اگر آمین کسی شخصیت کے لئے استعمال کیا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ "وہ شخصیت اپنے عہود اور وعدوں کو پورا کرنے میں وفادار اور اپنی مرضی کو قائم کرنے پر قادر ہے" مکا ۳ : ۱۴ ؛ یسعیاہ ۶۵ : ۱۶ ۔ "خدائے برحق" دراصل "خدائے آمین" ہے ۔ لفظ آمین صرف خدا اور خداوند مسیح کے لئے استعمال ہوا ہے

(۴) اگر ایسے امر کا ذکر ہو جو خدا سے متعلق ہو اور آئندہ زمانہ میں ہونیوالا ہو تو وہاں آمین کا مفہوم یہ ہوگا کہ "میں یقین کے ساتھ مانتا ہوں کہ خدا ئے قادر ایسا ہی کرے گا" زبور ۷۲ : ۱۹ ؛ مکاشفہ ۲۲ : ۲۰ ۔

(۵) اگر محض خدا کی تعریف پر آمین کہا جائے تو مفہوم ہوگا کہ "میرا ایمان ہے کہ خدا ایسا ہی ہے جیسا کہ تعریف سے ظاہر ہے" زبور ۴۱ : ۱۳ ؛ مکا ۵ : ۱۴ ؛ ۷ : ۱۲ ؛ لوقا ۱۹ : ۳۶ ۔

محض زور دینے کی غرض سے لفظ دو مرتبہ بھی استعمال کیا جاتا ہے ۔ زبور

۱۹:۷۲ -

پولس رسول کی انجیل جو بنی آدم کے گناہ اور دنیا کی بدحالی کے ہولناک نظارہ سے شروع ہوئی اس الہیٰ حکمت کی تعریف کے ساتھ ختم ہوئی۔ جو خدا کے ازلی ارادہ کے مطابق دنیا کو نجات بخشتی جاتی ہے۔ اور جو بالآخر سارے جہان کو نجات بخش کر دنیا کو خدا کی بادشاہت میں۔ فانی کو غیرفانی میں بدصورتی کو خوبصورتی میں۔ زوال کو لازوال اور نفی کو اثبات میں تبدیل کردیگی۔ انجیل کے اختتام پر رسول نے لفظ آمین سے دستخط کیا اور اس کی سچائی پر اپنی مہر ثبت کردی۔

آمین

باب پنجم

پولس رسول کے خطوں میں تعلیم کے بعد عام طور سے کچھ نصیحتوں کا بھی حصہ ضرور ہوتا ہے ________ اور ان نصیحتوں کا انحصار عموماً ماقبل تعلیم پر ہوتا ہے۔ مثلاً گل ۵: ۱۳ و اف ۴: ۱ و کل ۳: ۱ و ۱ تھ ۴: ۱ و ۲ تھ ۳: ۶ سے تعلیم کے بعد نصیحتیں شروع ہوتی ہیں۔ جو خاص خیال اس خط کی نصیحتوں میں مدنظر ہے۔ وہ کلیسیا کا امن اور اتحاد ہے۔ کلیسیا کا امن اور اتحاد و اتفاق فرد کا فرد کے ساتھ۔ اور کلیسیا کا امن اور اتحاد غیرمسیحیوں کے ساتھ۔

نصیحتیں عملی راستبازی

۱۲ : ۱ - ۱۵ : ۱۳

رسول نے اپنی انجیل کو تمام کرنے کے بعد اب مسیحی زندگی کی طرف رخ کیا۔ اور یہ مناسب بھی ہے کہ انجیل جلیل نہ فقط کاغذوں پر لکھی ہو اور نہ فقط ہوا میں سُنائی دے بلکہ انسانوں کے دل پر لکھی ہو اور مسیحی زندگی میں دکھائی دے تاکہ لوگ ہماری زندگی میں اس انجیل کا مطالعہ کریں۔ کیونکہ مسیحیت نہ کوئی شرعیت ہے۔ نہ عقیدہ نامہ۔ نہ رسومات کا طومار۔ نہ قوم پرستی کا نام۔ بلکہ یہ ایک زندگی ہے جو ہر ایک انسان کو بسر کرنا چاہیئے۔

حصہ ۵ میں رسول نے مسیحی زندگی میں الٰہی راستبازی کا ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کیا کہ الٰہی راستبازی کا ظہور صرف اس امر میں نہیں کہ مومن خدا کے حضور راستباز ٹھہرایا جاتا ہے اور خدا اس سے ایسا سلوک کرتا ہے گویا کہ وہ سچ مچ راستباز ہے۔ بلکہ الٰہی راستبازی مومن کو گناہ کی دنیا سے نکال کر عالم لاہوت میں پہونچاتی ہے جہاں وہ روح القدس کی زندگی بسر کرتا ہے اور حقیقی اور عملی طور پر راستباز بن جاتا ہے۔ الٰہی راستبازی مومن کو نہ فقط راستباز قرار دیتی ہے بلکہ جیسا راستباز قرار دیتی ہے ویسا ہی راستباز بنا بھی دیتی ہے۔ اس عملی راستبازی کے مضمون کو جو رسول نے ملتوی کر دیا تھا اب پھر دوبارہ شروع کر دیا۔ یہ نصیحتیں دو بڑے حصوں میں منقسم کی جا سکتی ہیں۔

(۱) مسیحی زندگی کا خاکہ ۱۲ : ۱-۲

مسیحی زندگی ایک الٰہی قربانی ہے ۱۲ : ۱-۲

مسیحی زندگی ایک الٰہی مختاری ہے ۱۲ : ۳-۸

مسیحی زندگی مختلف صورتوں میں الہٰی محبت کا اظہار ہے ۱۲: ۹-۲۱

مسیحی زندگی حکومت کی تابعداری ہے ۱۳: ۱-۷

مسیحی زندگی خلق اللہ کی محبت کے قرض کی ادائیگی ہے ۱۳: ۸-۱۰

مسیحی زندگی خداوند مسیح کی آمد کی تیاری ہے ۱۳: ۱۱-۱۴

(۲) مسیحی زندگی کا روزمرہ کلیسیا پر اطلاق ۱۴: ۱ - ۱۵: ۱۳

اخلاقی معاملات میں انفرادی ذمہ داری ۱۴: ۱-۱۲

باہمی امداد و برداشت ۱۴: ۱۳-۲۳

کلیسیا میں زور آوروں اور ناتوانوں کا باہمی اتفاق و اتحاد ۱۵: ۱-۷

کلیسیا میں یہودیوں اور غیر یہودیوں کا باہمی اتفاق اور اتحاد ۱۵: ۸-۱۳

فصل اوّل

مسیحی زندگی کا خاکہ باب ۱۲-۱۳

باب ۱۲ الہٰی قربانی ۱۲: ۱-۲

۱ پس اے بھائیو۔ میں خدا کی رحمتیں یاد دلا کر تم سے التماس کرتا ہوں کہ تم اپنے بدن کو خدا کے حضور ایک زندہ پاک اور پسندیدہ قربانی کے طور پر نذر کرو [یہی] قربانی تمہاری معقول عبادت ہے۔

۲ اور اس جہان کے ہمشکل نہ ہو بلکہ عقل نئی ہو جانے سے اپنی صورت بدلتے جاؤ تاکہ تم معلوم کرتے رہو کہ خدا کی مرضی کیا ہے۔ یعنی نیک اور پسندیدہ اور کامل باتیں ۔

۱ پس اے بھائیو! میں انجیل کی تعلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے خدا کی ان رحمتوں

کو یاد دلا کر تم سے کہتا ہوں جو تمہاری نجات میں ظاہر ہوئیں اور جو خدا کے
ازلی ارادے کے مطابق سارے جہان کی نجات میں ظاہر ہوئی ہیں۔ کہ تم
اپنی زندگی قربانی کے طور پر خدا کے حضور نذر کرو۔ ایسی قربانی نہیں جو مردہ اور بے
حس و حرکت ہو بلکہ ایسی قربانی جو زندہ اور با حرکت ہو۔ تم خدا کے لیے زندہ
رہو اور تمہاری زندگی آئندہ انسانی طور سے نہ ہو بلکہ الٰہی طور سے۔ کیونکہ
تمہاری پرانی انسانیت گناہ کے ساتھ مردہ ہو گئی۔ اور اب تمہیں ایک ایسی
نئی انسانیت حاصل ہوئی ہے جس کی زندگی روح القدس کی زندگی ہے۔
۲۔ تمہاری یہ قربانی گناہ آلود اور داغدار نہ ہو بلکہ بے گناہ اور بے
داغ ہو۔ کیونکہ صرف پاک ہی زندگی خدا کو نذر کی جا سکتی ہے۔ اور صرف
بے عیب اور بے داغ قربانی خدا کو پسند آ سکتی ہے۔ اگر تمہاری زندگی
ایک ایسی قربانی ہو اور اس طرح خدا کے لئے مخصوص اور نذر ہو تو یہ تمہاری
معقول عبادت ہوگی۔ کیونکہ سچی زندگی الٰہی عبادت ہے۔ عبادت صرف یہ
نہیں کہ دن میں محض گھنٹہ دو گھنٹے کے لئے ہماری زندگی خدا کے نذر ہو بلکہ
عبادت یہ ہے کہ ہماری پوری زندگی خدا کے ہاتھ میں سونپی ہوئی ہو۔ لہٰذا
۳ یاد رکھو کہ تمہاری زندگی ایک الٰہی قربانی ہے اور تم دنیاوی نہیں کہ اس
جہان کے ہمشکل ہو اور اس گناہ آلود دنیا کے سانچے میں ڈھلو۔ بلکہ تم آسمانی
ہو اور خدا کی بادشاہت کے سانچے میں ڈھالے گئے ہو تاکہ الٰہی شکل میں ڈھلو
اور خداوند مسیح کی صورت پر بنو۔ اور نئی عقل یعنی "مسیح کی عقل" کے حصول
سے اپنی صورت خداوند مسیح کے نمونہ پر بدلتے جاؤ۔ کیونکہ تمہیں خدا کا روح
حاصل ہے جو "خدا کی تہ کی باتیں بھی دریافت کر لیتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خدا
کے روح کے سوا کوئی خدا کی باتیں نہیں جانتا۔ مگر ہم نے نہ دنیا کی روح بلکہ

وہ روح پایا جو خدا کی طرف سے ہے تاکہ ان باتوں کو جانیں جو خدا نے ہمیں
عنایت کی ہیں" ۱-کرنتھیوں ۲: ۱۲۔ "سب باتوں کو آزماؤ۔ جو اچھی ہو اسے
پکڑے رہو" ۱-تھسلنیکیوں ۵: ۲۱۔ اور چونکہ تم میں خدا کا روح اور "مسیح کی عقل"
ہے۔ اس لئے تم اس قابل ہو کہ خدا کی مرضی کو معلوم کر سکو۔ یعنی تم ہمیشہ اپنی [illegible]
سے کہ تم جان لو کہ کیا چیز یا کیسی بات خدا کی نظر میں بھلی اور پسندیدہ ہے۔
"کیا چیز تمہاری روح کو سیراب کر سکتی ہے اور کیا تمہیں تسلی دے سکتی
ہے"۔ بلکہ تم اس قابل بھی ہو کہ ہر ایک معاملہ کی اخلاقی تہ تک پہنچ سکو
اور ان کی پوری ماہیت سے اس طرح واقف ہو جاؤ کہ اس کے نیک اور
بد پہلو کی تفریق کر سکو۔ اور اس قابل بھی ہو کہ دنیا کی معمولی اور پیچیدہ باتوں
کے حق میں خدا کی نیکی اور سچی باتیں تمہارے ذہن میں آسانی سے آسکیں۔
تاکہ تم کامل بنتے جاؤ۔ کیونکہ جن میں "مسیح کی عقل" نہیں وہ اخلاقی لحاظ سے
کسی بات کو پورے طور سے نہیں سمجھ سکتے اور معاملات کے اندر دوسرے ظلم
کو بیجا جھوٹ ریاکاری کہاں تک جانتے ہیں (یا مسیحی عقل ہونے سے خدا کی مرضی
کو معلوم کرتے رہو۔ کیونکہ الٰہی مرضی نیک ہے۔ اور انسان کی نیکی کی خواہاں
ہے۔ اور پسندیدہ ہے۔ کیونکہ ہر ایک مسیحی اسے خوشی سے قبول کرتا ہے۔ اور
کامل ہے۔ کیونکہ اسے سب کچھ معلوم ہے اور وہ انسان اور مخلوقات کو
کمالیت تک پہنچانے کا ارادہ رکھتی ہے) اور خدا کی مرضی کے مطابق مسیحی
زندگی کا معیار یہ ہے کہ وہ نیک پسندیدہ اور کامل ہو تاکہ انسان خداوند کے
پورے قد کے اندازہ تک پہنچ سکے۔ اور وہ جلال حاصل کر سکے جو
اس نے ہمیں دیا ہے۔ افسیوں ۴: ۱۳ ۔

ب ۱۲ الٰہی مختاری ۱۲: ۳-۸

مُتی اکرُ ۱۲: ۴-۳۰ ۔ رافت ۴: ۱۱-۱۶

۳ میں اس توفیق کی وجہ سے جو مجھ کو ملی ہے تم میں سے ہر ایک سے کہتا ہوں کہ جیسا سمجھنا چاہیئے اس سے زیادہ کوئی اپنے آپ کو نہ سمجھے بلکہ جیسا خدا نے ہر ایک کو اندازہ کے موافق ایمان تقسیم کیا ہے اعتدال کیساتھ اپنے آپ کو ویسا ہی سمجھے ٭ ۴ کیونکہ جس طرح ہمارے ایک بدن میں بہت سے اعضا ہوتے ہیں اور تمام اعضاء کا یکساں کام نہیں ہوتا ۵ اسی طرح ہم جو بہت سے ہیں مسیح میں ایک بدن ہیں اور افراد کی طور سے ایک دوسرے کے اعضاء ٭ ۶ اور اس توفیق کے موافق جو ہم کو دی گئی ہمیں طرح طرح کی نعمتیں ملیں نبوت تو ایمان کے اندازہ کے موافق [نبوت کریں] ٭ ۷ خدمت تو خدمت میں [مصروف رہیں] معلم تو تعلیم میں [مشغول رہیں] ۸ واعظ تو وعظ میں ۔ دینے والا سخاوت سے [دے] ۔ پیشوا سرگرمی سے [پیشوائی کرے] ۔ رحم کرنے والا خوشی سے [رحم کرے] ٭

۳ میں خدا کی اس توفیق کی وجہ سے جو مجھ کو ملی کہ میں اس کا رسول اور خادم بنکر غیر یہودیوں کو انجیل کی بشارت دوں تم رومی کلیسیا کے شرکا میں سے ہر ایک سے کہتا ہوں کہ " اپنے آپ کو جان " (سقراط) ۔ خبردار تم میں سے کوئی مغرور نہ ہو بلکہ ہر ایک شخص اپنے آپ کو اتنا ہی سمجھے جتنا بھر کہ وہ بج بج ہے ۔ اپنی ذات کا صحیح علم راست زندگی کی بنیاد ہے ۔ ایمان کے وسیلہ سے جیسی بھی خدا کی بخششیں اور نعمتیں ملی ہیں ۔ ہر ایک شخص اپنے آپ کو ان ہی کے موافق اور اتنا ہی بھر سمجھے ۔ اور ہر شخص اپنی لیاقت اور صلاحیت کے موافق اپنی ذات کا اندازہ لگائے ۔ کیونکہ اس سے زیادہ بڑھانا

بُرائی کا باعث ہوتا ہے۔ اور کلیسیا کا فرد ہونے کی حیثیت سے ہر ایک شخص اپنی ذمہ داری کو پہچانے۔ اور ایک دوسرے کی عزت کرتے ہوئے ہر شخص تعاون کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کرے گا کیونکہ جیسے ایک بدن میں بہت سے اعضاء ہوتے ہیں اور ہر ایک عضو کا کام جداگانہ ہوتا ہے تو بھی وہ سب بدن کی ترقی اور تندرستی کے لئے مل کر محنت کرتے ہیں۔ اسی طرح کلیسیا بھی خداوند یسوع کا پاک بدن ہے اور اس کے افراد اعضاء ہیں۔ اور مناسب ہے کہ وہ بھی تعاون کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کریں اور کلیسیا کی بہی خواہی کے کوشاں رہیں۔ کیا آج بھی کلیسیا اس مفہوم میں بھی ایک بدن ہے؟ کیا مذہبی طور سے۔ سیاسی طور سے۔ باہمی طور سے۔ یا انتظامی طور سے ایک بدن ہیں؟ افسوس ہے کہ اس زمانہ سے جسے اصلاح کا زمانہ کہتے ہیں مسیحی کلیسیا کا یہ نظریہ باقی نہ رہا۔ اور اس وقت مسیحی ممالک اور فرقے ٹوٹے جہاز کے تختوں کی طرح دنیا کے سمندر میں پراگندہ ہیں۔ ہندوستان میں آج کل کلیسیائی اتحاد کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ ٹوٹے اور پراگندہ تختے یکجا ہو کر پھر جہاز کی صورت میں بن جائیں گے؟ خیر چاہے ہم ایک بدن ہوں یا نہ ہوں لیکن یک روح ضرور ہیں۔ کیونکہ ہمارا ایمان ایک ہی ذات پاک پر ہے اور ہماری زندگی ایک ہی روح پاک سے ہے۔

۵۔ "ایک شہری کا کیا شیوہ ہے؟" ایپکٹیٹس نے کہا کہ "اپنے ذاتی نفع کا خیال نہ رکھنا۔ اور کسی شے کو علیحدہ تصور نہ کرنا۔ جیسے کہ ہاتھ یا پیر اگر اس میں عقل ہو اور یہ اپنے طبعی رجحان پر چلتا تو اس میں کوئی طبعی تحریک یا خواہش نہ ہوتی۔ سوا اس کے جو کل کے فائدہ کے لئے ہوتی ...... کل جز سے اور شہر ایک شہری سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے" مرن کی مدد ۱۹۵۔ سقراط کہتے تھے کہ "تم کیا ہو؟ ایک انسان۔ اگر تم اپنے آپ کو دیگر انسانوں سے علیحدہ سمجھو تو فطری طور سے بڑھاپے تک زندہ رہنا دولتمند بننا۔ تندرست رہنا۔ لیکن اگر تم اپنے آپ کو ایک انسان سمجھو اور ایک کل کا

جز تو پھر ضرور ہے کہ تم اُس کل کی خاطر کبھی بیمار پڑو۔ کبھی سفر کرو اور خطرے میں
پڑو۔ کبھی محتاج ہو۔ اور بعض اوقات قبل از وقت مرو۔ تم کیوں پریشان ہو؟ کیا تم
نہیں جانتے کہ بدن سے علیحدہ ہو کر ہاتھ پاؤں باقی نہیں رہتا؟ اسی طرح اگر تم دیگر
انسانوں سے علیحدہ رہو تو انسان باقی نہ رہے۔ اس بات کے پولس رسول کہتا ہے
چونکہ خدا اپنے روح کے وسیلہ سے ہر ایک مومن کو کوئی نہ کوئی خاص صلاحیت یا لیاقت
دیتا ہے۔ یہ خدا کی بخشش ہے۔ رسول کا یہ بھی خیال تھا کہ بخششیں کلیسیا کی پیدائش
اور ترقی کے لئے دی گئی ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ ہر ایک مومن خدا کے عطیہ کو مختار کی حیثیت
سے نہایت ہی ایمانداری اور ذمہ داری کے ساتھ کلیسیا کے فائدے کے لئے استعمال
کرے اور اپنے فرض کی ادائیگی میں اور دل کے ساتھ ادا بھی کرے۔ کیونکہ "ہر
شخص میں روح کا ظہور فائدہ پہونچانے کے لئے ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک کو روح کے وسیلہ
سے حکمت کا کلام عنایت ہوتا ہے۔ اور دوسرے کو اسی روح کی مرضی کے موافق
علمیت کا کلام۔ کسی کو اسی روح میں سے ایمان ....۔ کسی کو روحوں کا امتیاز ...
کسی کو زبانوں کا ترجمہ لیکن یہ سب تاثیریں وہی ایک روح کرتا ہے اور جس کو جو چاہتا
ہے بانٹتا ہے۔" اکر ۱۲: ۷-۱۱۔ "خدا نے کلیسیا میں مقرر کیا پہلے رسول، دوسرے
نبی، تیسرے اُستاد، پھر معجزے دکھانے والے۔ پھر شفا دینے والے، مددگار۔ منتظم
طرح طرح کی زبانیں بولنے والے" اکر ۱۲: ۲۸۔ "بعض کو مبشر اور بعض کو چرواہا
.... بنا کر دے دیا تاکہ مقدس لوگ کامل بنیں اور خدمت گذاری کا کام کیا جائے
اور مسیح کا بدن تعمیر ہو" افس ۴: ۱۱-۱۲۔ اور خدا کی بخششیں اس لئے ہیں کہ وہ
کلیسیا کی ترقی کے لئے استعمال کی جائیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ تم میں سے جسے نبوت
ملی ہو وہ نبوت کرے۔ جسے کلیسیا کی خدمت کا شرف حاصل ہو وہ اسی میں مصروف رہے
اگر کوئی معلم ہو تو کلام پاک کی تعلیم میں مشغول رہے۔ واعظ ہو تو وعظ سے کلیسیا

کی خدمت کرے۔ اور جسے خدا نے دولت دی وہ سخاوت سے غربا کی امداد کرے اگر کوئی پیشوا ہو تو سرگرمی سے پیشوائی کرے اور خدا کی امت کی صحیح رہنمائی کرے اور جس کے دل میں دکھیوں مصیبت زدوں اور مظلوموں کی غیرت ہو وہ ان کی خوشحالی کا کوشاں رہے۔

کیا کلیسا کے ممبر اپنی جسمانی روحانی دماغی اور مالی لیاقتوں اور صلاحیتوں کو خدا کی بخشش سمجھ کر دیانتداری اور ذمہ داری سے کلیسا کی ترقی کے لیے استعمال کرتے ہیں؟ اور کیا وہ اپنی لیاقتوں اور صلاحیتوں کو خدا اور اس کی کلیسا کی خدمت کے لئے استعمال کرتے ہیں جیسا کہ رسول نے فرمایا ہے؟ اور کیا وہ خدا کے عطیہ کو الہٰی امانت سمجھ کر مختار کی طرح اس کی حفاظت کرتے ہیں اور فضول ضائع ہونے سے بچاتے ہیں؟ کیا وہ خدا کی بخششوں کو ناجائز کام کے لئے استعمال نہیں کرتے "تم خدا کی مقدس ہو" اور تمہاری شخصیت خدا کی ملکیت ہے۔

الہٰی محبت کا اظہار ۱۲: ۹-۲۱

مُق اکرب ۱۳

پہلا کرنتھی ۱۲ باب میں خدا کی نعمتوں اور بخششوں کا ذکر کر کے ۱۳ باب میں رسول نے مسیحی محبت کا ذکر کیا۔ اسی طرح یہاں ۱۲: ۳-۵ میں رسول نے پہلے مسیحی یگانگت کا ذکر کیا اور کہا کہ ہماری کلیسیائی زندگی ایک تعاون کی زندگی ہونا چاہیئے۔ اور ہم سب کی باہمی یگانگت ایسی ہو کہ کلیسیا ایک بدن اور ایک شخصیت نظر آئے اور ہم افراد اس کے اعضا دکھائی دیں۔ یہ کلیسیا ایک ایسی شخصیت ہو جیسے خداوند مسیح کی اور یہ ایک کامل انسان نظر آئے اور جیسے جسم ہماری روحانی حقیقت کا اظہار اور ہماری مرضی کی تعمیل کا آلہ ہے۔ اسی طرح کلیسیا دنیا میں خداوند مسیح کی ازلی

حقیقت کا اظہار اور اس کی الٰہی مرضی کی تعمیل کا آلہ ہو۔ ساتھ ہی ساتھ کلیسیا محض اجتماع کا نام نہیں بلکہ یہ ایک بدن ہے جس کی زندگی کا مصدر یا دل ہمارا خداوند یسوع مسیح ہے۔ اور جس کے وجود کے مقصد کو پورا کرنے کا اختیار اس کے دماغ یعنی روح پاک کو ہے مسیحی یگانگت کے ذکر کے بعد ۱۲: ۴-۸ میں رسول نے الٰہی بخششوں کا ذکر کیا۔ یعنی اُن صلاحیتوں اور لیاقتوں کا جو ہر ایک عضو یا فرد کو ایسے فرائض کی ادائیگی کے لئے دی گئی ہیں جو جسم کی پرورش کے لئے ضروری ہیں۔ بدن کی تندرستی اور بقا میں اعضا کی درستی اور بقا کا راز پوشیدہ ہے۔ کیونکہ بغیر بدن کے اعضا بے معنی اور لاحاصل ہیں۔ اور بخششوں کے ذکر کے بعد ۱۲: ۹-۲۱ میں سچی محبت کا ذکر کرتے ہوئے رسول نے یہ دکھایا کہ مسیحی زندگی الٰہی محبت کا اظہار ہے۔ یہ محبت دنیا کے نمونہ پر نہیں بلکہ اس محبت کے نمونہ پر ہے جو خداوند مسیح کی زندگی میں ظاہر ہوئی۔ یہ محبت (یونانی اگاپے) سچی حلم اور نرمی کا مصدر ہے ۲ کر ۱۰: ۱۔ اس میں نفسانی محبت کی طرح حسد اور رقابت کی گنجائش نہیں۔ اس میں نہ غرور ہے نہ گھمنڈ۔ نہ کسی دوسرے کی حقارت کی جگہ ہے جو ایسی برائیوں کا موجب ہو جن کا ذکر رومی ۱: ۲۹-۳۱ میں کیا گیا ہے یہ محبت دوسروں کی کمزوریوں پر پردہ ڈال دیتی ہے اور انسان کی قدر و قیمت کو اسقدر اہمیت دیتی ہے کہ اس کی کمزوریوں کو پس پشت ڈال کر اس کی خوبیوں میں مسرور رہتی ہے۔ انسانی ضعف کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے نقصانات کی برداشت کرتی ہے۔ اور نجات کے متعلق خدا کے ارادے کو یاد رکھتے ہوئے انسانی کاملیت کی امید رکھتی ہے ۱ کر ۱۳۔ روح القدس کی سب سے بڑی نعمت سچی محبت ہے۔ "ایمان امید محبت یہ تینوں دائمی ہیں مگر افضل ان میں محبت ہے" اور سچی محبت مسیحی کلیسیا کی یگانگت کا راز ہے ڈاکٹر سی۔ ایچ ڈاڈ رومیوں کی مافٹ کامنٹری صفحہ ۱۹۷ میں فرماتے ہیں کہ پولس رسول کے لئے اگاپے (محبت) خاص طور سے الٰہی محبت کا کارنامہ ہے۔ یعنی خدا کی نجات بخش

نیکی کا جذبہ لوگوں کی نجات میں ظاہر ہوئی۔ رومی ۵ : ۸۔ ہر شخص اپنے تجربہ سے اسی الٰہی
محبت کو بآسانی معلوم کر سکتا ہے۔ یاف ۳ : ۱۹۔ اور اس محبت کا خاصہ یہ ہے کہ یہ
ایک مومن کے اندر ایک ایسی محبت کا اصول ڈالتی ہے جو اس کی زندگی میں آپ
ہی ایک ایسی طاقت ہو جائے جو اس کی زندگی کے سارے رویہ کو اپنی صورت پر تبدیل
کرنے کی قدرت رکھے۔ رومی ۵ : ۵۔

۹ محبت بے ریا ہو۔ بدی سے متنفر رہو۔ نیکی سے لپٹے رہو۔ ۱۰ برادرانہ
محبت سے آپس میں ایک دوسرے کو پیار کرو۔ عزت کے رو سے ایک
دوسرے کو مقدم سمجھو۔ ۱۱ کوشش میں سست نہ ہو۔ روح میں جوشیلے
خداوند کے خادم رہو۔ ۱۲ امید میں خوش۔ مصیبت میں صابر۔ دعا میں مشغول رہو۔
۱۳ مقدسوں کی احتیاجیں دل سے شریک ہو۔ مسافر پروری کے خواہاں رہو۔ ۱۴ اپنے
ستانے والوں کو برکت دو۔ برکت دو لعنت نہ کرو۔ ۱۵ خوشی کرنے والوں کے ساتھ خوشی
کرو۔ رونے والوں کے ساتھ روؤ۔ ۱۶ آپس میں ایک دوسرے کا یکساں خیال کرنے
والے بنو۔ اونچے اونچے خیال نہ باندھو بلکہ ادنیٰ لوگوں کی طرف متوجہ ہو۔
اپنے آپ کو عقلمند نہ سمجھو۔ ۱۷ برائی کا بدلہ کسی کو برائی سے نہ دو۔ جو باتیں سب
لوگوں کے نزدیک اچھی ہیں ان کی تدبیر کرتے رہو۔ ۱۸ جہاں تک ہو سکے تم اپنی
طرف سے سب لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھو۔ ۱۹ اے عزیزو! اپنا انتقام نہ لو۔
بلکہ غضب کو موقع دو۔ کیونکہ لکھا ہے ”انتقام لینا میرا کام ہے۔ بدلہ
میں ہی دونگا“۔ خداوند فرماتا ہے۔ ۲۰ بلکہ اگر تیرا دشمن بھوکا ہو تو اسے
کھانا کھلا۔ اگر پیاسا ہو تو اسے پانی پلا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے تو اس کے
سر پر آگ کے انگاروں کا ڈھیر لگائیگا۔ ۲۱ بدی سے مغلوب نہ ہو بلکہ نیکی
کے ذریعے سے بدی پر غالب آؤ۔

۹ اس حصہ میں اکثر دنیا کے شاعرانہ تخیل کے بجائے محبت کا عملی پہلو بیان
کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ محبت صرف دکھاوے کی نہیں ہوتی - بلکہ حقیقی ہوتی
ہے - اور اصلی اور نقلی محبت کا ثبوت یہ ہے کہ اصلی محبت اپنے سارے معاملات
میں بدی سے نفرت اور نیکی سے الفت دکھاتی ہے لیکن سچی محبت چھوڑ کر دنیاوی
محبت جو محض دھوکا اور نقلی ہے اس خیال کی وصول پہ نہیں - سچی محبت نہ فقط مسیحیوں
کے اپنے آپس کے تعلقات میں ظاہر ہوتی ہے بلکہ ان تعلقات میں بھی ظاہر
۱۰ ہوتی ہے جو مسیحیوں کے غیر مسیحیوں کے ساتھ ہیں ۞ مسیحی دنیا میں محبت برادرانہ
الفت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے - سچی محبت کا شگوفہ برادرانہ الفت ہے جو
ایسی شفقت سے معمور ہوتی ہے کہ دوسروں کو عزت کے رو سے اپنے سے زیادہ بہتر سمجھتی
۱۱ ہے - فلپ ۲: ۳ ; متی ۲۰: ۲۵-۲۸ ۞ اپنے فرائض کی ادائگی میں اور
مختاری کو پورا کرنے میں سستی سے کام نہ لو - عبر ۶: ۱۲ میں ذکر ہوا ہے بلکہ
روحانی جوش سے معمور خداوند کی خدمت کرو آدمیوں کو خوش کرنے والوں کی طرح دکھاوے
کے کام سے نہیں بلکہ خداوند سے ڈرتے ہوئے صاف دلی سے جو کام کرتے ہو جی سے
کرو گویا کہ خداوند کے لئے کرتے ہو) نہ کہ آدمیوں کے لئے - یہ جانتے ہو کہ خداوند
کی طرف سے [اس کے] بدلہ میں تم کو میراث ملے گی - خداوند مسیح کی خدمت کرو"
۱۲ کل ۳: ۲۲-۲۴ ۞ مسیحی محبت اور نجات کی تکمیل کی امید میں مسرور رہو - مصیبت
کے وقت صبر اور برداشت سے کام لو - کیونکہ صبر کا پھل میٹھا ہے ۵: ۳-۵ -
دنیا کی مشغولیت میں خدا کی عبادت کو نہ بھولو - اور دکھ اور مصائب میں اس سے دعا
کرو اور صبر کے ساتھ اپنی دعا کے جواب کے منتظر رہو - وہی تمہاری حاجتیں رفع
کرنے والا ہے - اسی کے سامنے اپنی ساری درخواستوں کو پیش کرو - متی ۷: ۷-۱۲
۱۳ ل ۱۱: ۵-۱۳ ، ل ۱۸: ۱-۸ ، ۱ تھ ۱: ۲ ، اف ۶: ۱۸ ، کل ۴: ۲ ۞ اپنے

مال واسباب سے اپنے مسیحی بھائیوں کی تنگدستی میں ان کی امداد کرو اور مسافر پروری اور مہمان نوازی کو مسیحی شیوہ بناؤ۔ عبر ۱۳: ۱-۲ کیونکہ خلق اللہ کی خدمت بھی

۱۴ الہٰی خدمت ہے۔ مت ۲۵: ۳۱-۴۶ ۔ جو تمہیں ستاتے ہیں ان کے واسطے برکت چاہو۔ اور جب دشمن تمہیں دکھ دے اس وقت مسیحی محبت کی آواز تمہارے دل سے برکت کی نکلے نہ کہ لعنت کی جیسا کہ خداوند نے بھی اپنے ستانے والوں کی بہبودی کے لئے صلیب پر دعا کی اور ستفنس شہید نے بھی ایسا ہی کیا۔ ل ۲۳: ۳۴ ، اعم ۷: ۶۰ ۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اپنے ستانے والوں کو برکت دو۔ لعنت نہ کرو۔ کیونکہ خداوند نے بھی ہمیں ایسی ہی سکھایا ہے۔ ل ۶: ۲۷-۲۸ ۔ خدا کل بنی آدم کا خالق ہونے کی حیثیت سے باپ ہے اور خداوند مسیح کی آمد سے سارے بنی آدم امکانی طور پر خدا کے فرزند ہیں۔ اس لئے ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ اور مناسب ہے کہ ہم مسیحی سب انسان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں جیسا کہ خدا ہر ایک کے ساتھ خاص کر جیسا ہمارے ساتھ وہ رحم وشفقت کا سلوک کرتا ہے تاکہ ایسا کرنے سے "تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو۔ کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے" مت ۵: ۴۵

۱۵ تم اپنے مسیحی بھائیوں سے ایسی محبت رکھو کہ ان کی زندگی کے تجربے تمہاری اپنی زندگی کے تجربے بن جائیں اور تمہاری ہمدردی ان کے ساتھ ایسی ہو کہ تم ان کی خوشی اور غم کے

۱۶ شریک ہو سکو۔ تمہاری محبت ایسی نہ ہو کہ تم طرفداری میں پڑ جاؤ۔ اور کسی کا تو زیادہ خیال کرو اور کسی سے غفلت کرنے لگو۔ نہ ایسی ہو کہ اوروں کی محبت سے تم خود تو فائدہ اٹھاؤ اور اپنی محبت سے کسی دوسرے کو فائدہ نہ پہنچاؤ۔ محض اپنی دلچسپی کا خیال نہ رکھو بلکہ احسن تو یہ ہے کہ اپنی خودی ترک کرکے اور اپنی بڑائی کا خیال چھوڑ کر اوروں نے لوگوں کی طرف اور اپنے غریب بھائیوں کی طرف متوجہ ہو۔ ان کی دلچسپی و بھلائی

کو مدنظر رکھو۔ ان سے گھل مل کر رہو۔ اور تم سب کی کلیسیائی زندگی ایسی کہ جیسی کہ واحد دماغ کی تحت بدن کے اعضا کی۔ اور اپنے عزیزوں اور اپنی برادری میں دوسرے کو حقیر جان کر اپنے آپ کو عقلمند نہ سمجھو۔ اپنے بھائی کا نقصان کر کے اپنا فائدہ کرنا

۱۷ مسیحی عقلمندی نہیں بلکہ عقلمندی یہ ہے کہ سب کا فائدہ ہو۔ بدی کے عوض بدی نہ کرو جیسا کہ پیشتر کہہ چکا ہوں بلکہ نیکی سے بدی پر غالب آؤ۔ کیونکہ اگر بدی کا بدلہ بدی سے دیا جائے تو پھر بدی ختم کیسے ہوگی۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں تو بدی بڑھتی ہی جائیگی اور ہر ایک معلول بدی خود دوسری بدی کی علت بنتی جائیگی۔ اور تمہارا کام ہے بدی اور برائی کا روکنا اور مٹانا۔ اس لئے مناسب ہے کہ بدی کے ہر ایک سلسلہ کو توڑ کر اس کی جگہ نیکی کا سلسلہ قائم کرو۔ بدی کروگے تو بدی پیدا ہوگی۔ لیکن نیکی کروگے تو نیکی پیدا ہوگی۔ اور اصلاح کے زعم میں کہیں ایسے نہ بن جاؤ کہ دوسروں کی خوبیوں کو بھی عیب گننے لگو۔ نہ ایسی باتوں کو خواہ مخواہ توڑنے کی کوشش کرو جنہیں لوگ بری قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ان کی خوبیوں کو قبول کرو اور جسے لوگ برا سمجھتے ہیں۔ اگر اس کے کرنے میں کوئی نیکی نہیں تو تم بھی ان کی خاطر اس سے پرہیز کرو تاکہ انہیں ٹھوکر نہ لگے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے پڑوسی کے رسم و رواج اور خیالات کو مدنظر رکھو اور کسی کے لئے ٹھوکر کا باعث نہ بنو۔ اور جو باتیں سب لوگوں کے نزدیک قابل تحسین ہیں۔ اُن کی کوشش میں لگے رہو اصلاح کے زمانہ میں بہتیرے مصلحین اور دیگر ایسے تھے بلکہ پروٹسٹنٹ کلیساؤں میں بہتیرے اب بھی ایسے ہیں جو کیتھلک کلیسیا کی بہتیری خوبیوں کو نہ فقط نظر انداز کر دیتے ہیں بلکہ محض اس لئے برا سمجھتے ہیں کہ وہ کیتھلک کلیسیا کے اندر وقعت رکھتی ہیں۔ اسی طرح ہندیں بہتیرے ہندوستانی مسیحی بعض ہندو اور مسلم خیالات یا دستور کو محض اس لئے برا سمجھتے ہیں۔ کہ ان کا رواج غیر مسیحیوں میں ہے۔

ایسا رویہ کوئی قابل تحسین نہیں۔ اس لئے کہ کلیسیا کی خوبی یہ ہونا چاہیے کہ ہم اوروں کی خوبیوں کے محافظ بنیں۔ مذہبی بے وقوفی اور اندھا پن جو غیر مسیحیوں میں عام ہے مسیحی کلیسیا کی ترقی کے لئے مضر ثابت ہوا ہے۔ مسیحی محبت کا پھل میل ملاپ ہے "عالم بالا پر خدا کی تمجید ہو اور زمین پر ان آدمیوں میں جن سے وہ خوش ہے شانتی" لوقا ۲: ۱۴۔ ایک مسیحی کو کبھی بھی اپنے پڑوسیوں کے لئے دکھ کا باعث نہ ہونا چاہیے۔ نہ ایسی کوئی بیجا حرکت کرنا چاہیے۔ جس سے کہ میل ملاپ اور امن میں خلل واقع ہو۔ ہماری تو ہمیشہ یہ کوشش ہونا چاہیے کہ ہم اپنے غیر مسیحی بھائیوں کے ساتھ میل ملاپ کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ اس وقت جبکہ ہمارا ملک ہندو مسلم فسادات سے بھرا پڑا ہے مسیحی کلیسیا کا کیا فرض ہے؟ کیا ہم اس معاملہ میں اپنے ہندو اور مسلم بھائیوں کی امداد کر سکتے ہیں اور ملک کو اس جھگڑے اور فساد سے بچا سکتے ہیں؟ کیا مسیحی کلیسیا کی روحانی طاقت اس فساد کو مٹا کر میل ملاپ اور امن کا باعث ہوگی یا فرقہ وارانہ فساد کی ایک اور ہماری گھٹری بڑھ جائیگی۔

۱۹ اے عزیزو! اگر تمہیں کوئی غیر مسیحی ستائے اور دکھ پہنچائے اور تم سے خواہ مخواہ دشمنی رکھے تو تم اس سے بدلہ نہ لو۔ یہ دنیا اور ما فیہا عارضی زندگی ہیں اس لئے تم اپنی انتقام کو اپنے ہاتھ میں لے کر خود منصف نہ بنو۔ بلکہ انصاف کا کام خداوند کے لئے چھوڑ دو کیونکہ وہی سزا اور جزا کا دینے والا ہے۔ خداوند فرماتا ہے "انتقام لینا اور بدلہ دینا میرا کام ہوگا" استثنا ۳۲: ۳۵۔ نہ تم اپنے بھائی سے بدلہ لینا۔ کیونکہ خداوند فرماتا ہے" تو انتقام نہ لینا۔ نہ اپنی قوم کی نسل سے کینہ رکھنا بلکہ اپنے ہمسایہ سے اپنی مانند محبت رکھنا۔ میں خداوند ہوں" احبار ۱۹: ۱۸۔ "اپنے ستانے

۲۰ والوں کو برکت دو" اور برکت کا مطلب ہے بھلائی کا خواہاں ہونا۔ بھلائی کی خواہش اور دعا ہمارے دل سے غیظ وغضب کی آگ بجھا کر انتقام کی جگہ نیکی کا جذبہ پیدا

کرے گی اور دشمن کی بدسلوکی کی وجہ سے تم اس کی حماقت اور بدی پر ترس کھاؤ گے اور اس کے ساتھ بدی کے بدلے نیکی کا سلوک کرو گے۔ کیونکہ آخر کار دشمن انسان ہونے کی حیثیت سے وہ بھی تمہارا بھائی ہے۔ پس "اگر تیرا دشمن بھوکا ہو تو اسے روٹی کھلا اور اگر وہ پیاسا ہو تو اسے پانی پلا۔ کیونکہ تو اس کے سر پر انگاروں کا ڈھیر لگائیگا اور خداوند تجھ کو اجر دیگا" (امثال ۲۵: ۲۱-۲۲)۔ اس طرح تم اپنے دشمن پر غلبہ حاصل کر سکو گے اور اسے شرمندہ کرو گے۔ یہ ہے مسیحی جنگ۔ مہاتما گاندھی کا عدم تشدد مسیحی جنگ کی محض نیم سچائی ہے۔ کیونکہ مسیحی جنگ صرف یہ نہیں کہ ہم اپنے دشمن کو ایذا نہ پہنچائیں اور اس سے بدلہ نہ لیں اور بے حس و حرکت پڑے رہیں۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ موقع پر اپنے دشمن کی امداد کریں اور اس کی کمزوری میں اس کی بہی خواہی کے جویاں ہوں۔ ہمارا یہ طرز عمل عدم تشدد کی طرح دشمن پر محض احسان لادنے کے لئے نہ ہو بلکہ یہ سب کچھ مسیحی محبت کا نتیجہ ہو۔ کوئی ہرگز اس سے یہ مفہوم نہ نکالے کہ ایسا کرنا دشمن کی شرارت اور بدی میں مدد کرنا ہے۔ تاکہ وہ ہمیں اور دوسروں کو اور بھی ستائے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مسیحی اخلاق کا اصول یہ ہے کہ "نیکی کے ذریعے سے بدی پر غالب آؤ"۔ بدی کا بدی سے مغلوب نہیں ہوتی بلکہ دوگنا بڑھ جاتی ہے۔ صرف نیکی سے بدی مغلوب ہو سکتی ہے۔ بدی سے بدی کا مقابلہ کرنا اور برائی کا بدلہ برائی دینا نیکی کی شکست کا اقبال اور اظہار ہے اور ایسا کرنا بدی کے علم کو بلند کرنا ہے۔ یہ آیت خداوند کے پہاڑی وعظ کا خلاصہ ہے۔ اگاپے (محبت) جیسا پیشتر کہہ چکا ہوں الٰہی طبیعت کا خاصہ ہے جس کی وجہ سے خدا ناراستوں اور بدوں کے ساتھ نیکی کا سلوک کرتا ہے اور یہ خاص طور سے اس امر میں ظاہر ہے کہ جب ہم گنہگار ہی تھے۔ مسیح ہماری خاطر مر گیا۔ یہی اگاپے مسیحی ایمان اور روح پاک کی موجودگی کی وجہ سے مسیحی طبیعت کا بھی

خاصہ ہونا چاہیئے۔ اور اس کا اظہار بھی مسیحی زندگی کے ہر ایک پہلو سے ہونا
چاہیئے۔ اس کا ہرگز یہ مفہوم نہیں کہ انتقامی طور سے سزا دینا یا کسی نامناسب درخواست
کو رد کرنا اگاپے کے اصول کے خلاف ہے۔ ہاں اگر سزا کا مقصد محض بدلہ ہے
تو بیشک یہ اگاپے کے اصول کے خلاف ہے لیکن اگر اس کا مقصد انتظامی رکاوٹ
اور مجرم کی بھلائی اور دلی تبدیلی ہو تو یہ اگاپے کے خلاف نہیں۔ اس لئے سزا بھی
بدلہ کے طور پر نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس سے مجرم کی بھلائی مقصود ہونا چاہیئے۔
جیسے کہ باپ اپنے بچوں کی بھلائی کے لئے انہیں سزا دیتا ہے۔

ب۔ حکومت کی تابعداری ۱۳: ۱-۷

اس حصہ میں رسول نے صرف رومی حکومت کی تابعداری کو مدنظر رکھا ہے۔
رسول کے زمانہ میں ایک سوال تھا کہ رومی حکومت کی طرف مسیحیوں کا رویہ کیا ہونا
چاہیئے۔ سلطنت کے رومی باشندے تو قدرتی طور سے اپنی قومی حکومت کے طرفدار
ہونگے لیکن پراگندہ یہودی اس حکومت کے سخت مخالف ہو رہے تھے۔ اس وقت
کی یہودی تصنیفات میں روم کو ایک بدمعاش کی شکل میں پیش کیا جاتا تھا۔ اور اسے
بابل ثانی سمجھا جاتا تھا۔ مکاشفہ کی کتاب میں بھی رومی حکومت کو مخالف مسیح کے
طور پر پیش کیا گیا ہے اور اس میں اور ۱ پطرس میں اسے بابل بھی کہا گیا ہے۔
مکاشفہ ۱۷ باب ۱ پطرس ۵: ۱۳۔ رسول پولس کے زمانہ تک رومی حکومت کے خلاف
مسیحیوں کے دل میں کوئی نفرت نہ پیدا ہوئی تھی۔ ہاں وہ مسیحی جو یہودی خاندان
سے تھے۔ البتہ اس وقت بھی رومیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے۔
یہودیوں کی نفرت بعد ازاں اس قدر بڑھ گئی کہ وہ رومی حکومت کو برداشت نہ
کر سکے۔ اور ۶۶ء کے موسم بہار میں جب فلورس گورنر تھا۔ تو یہ نفرت آزادی کی لہر کی
صورت میں تبدیل ہو گئی۔ اور یروشلیم سے شروع کر کے سارے فلسطین میں

پھیل گئی۔ اس انقلاب کا خاتمہ ۷۰ء میں ہوا جب طیطس کے ہاتھوں ہیکل مسمار کی گئی۔ لیکن ۵۷-۵۹ء میں جب رومیوں کے نام کا خط لکھا گیا تو مسیحی کلیسیا میں رومی حکومت کے خلاف کسی طرح کی نفرت نہ پیدا ہوئی تھی۔ مسیحیوں کے لئے ہر جگہ امن و امان تھا۔ چنانچہ رسول اس وقت یہ کہہ سکے کہ "ہر شخص اعلیٰ اختیارات کا تابعدار رہے"۔ رومی حکومت اور کلیسیا کا مقابلہ ۶۴ء سے شروع ہوا جبکہ نیرو شہنشاہ کے زمانہ میں روم کے مسیحی پہلے پہل ستائے گئے۔ اور قتل و غارت کئے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ رسول پولس اور رسول پطرس اسی ایذا رسانی میں شہید ہوئے۔ لیکن ممکن ہے کہ پطرس رسول کی شہادت پولس رسول کے کچھ بعد ہوئی ہو۔ ۶۴ء سے شروع کر کے ۳۲۳ء تک جب قسطنطین اعظم رومی حکومت کا واحد شہنشاہ بنا کلیسیا اور رومی حکومت برسر پیکار رہیں۔ اس عرصہ میں حکومت کلیسیا کی دشمن رہی اور کلیسیا حکومت سے عاجز اور پریشان رہی۔ کلیسیا نے حکومت کا تلوار سے مقابلہ نہ کیا کیونکہ وہ اسے ناجائز حربہ سمجھتی تھی۔ بلکہ عدم تشدد اور عدم تعاون سے کام لیا۔ بیسویں صدی ع میں ہم ہندوستانیوں کے لئے یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ آج عدم تشدد اور عدم تعاون جو ہندوستان کا اخلاقی بنیاد پر ایک سیاسی عقیدہ ہو رہا ہے وہ ڈھائی سو سال تک۔ کلیسیا کی بھی مذہبی سیاست رہی ہے۔ اس کا پہلا سبق دنیا کو کلیسیا نے پڑھایا اور ثابت کر دیا کہ ایک جابر اور ظالم حکومت کا تخت اس طرح بھی الٹا جا سکتا ہے۔ اور ناجائز حکومت کا خاتمہ اس طرح بھی کیا جا سکتا ہے۔ سولہ سو سال کے بعد کلیسیائی تاریخ کی بنیاد پر مہاتما گاندھی آج یہ سبق ہندوستان کو پڑھا رہے ہیں اور ان کا ایمان ہے کہ کلیسیا کی طرح ہندوستان بھی کامیاب رہیگا۔ اس بربادی کے زمانہ میں امریہ دنیا انھیں بے وقوف کہتی ہے لیکن وہ اس حربہ کے مقابلہ میں دنیا کی ساری

فوجی تیاریوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ کیا خونخوار اور ظالم دشمن کے مقابلہ میں عدم تشدد اور عدم تعاون سچ مچ ایک مفید حربہ ہے یا محض ایک مذہبی اور اخلاقی بیوقوفی ہے؟ خداوند فرماتا ہے "شریر کا مقابلہ نہ کرنا"۔ رومی ۱۳: ۱-۷ کی تعلیم سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ بلا امتیاز نیک و بد اور جائز و ناجائز کے ہر ایک قوم ملک یا شخص کو اس حکومت کا وفادار ہونا چاہیئے جس کا وہ بدقسمتی یا خوش قسمتی سے محکوم ہے۔ نہ فقط غلط بلکہ شیطانی تفسیر ہے۔ ناجائز اور بد حکومت کو ہٹانے کی کوشش کرنا عین مذہب ہے۔ اور اپنی ملکی دلچسپی اور عزت کے خلاف ظالم اور غیر ملکی حکومت کی پاسداری کرنا معصیت نہیں بلکہ بے دینی ہے۔ الغرض اس حصہ کی تعلیم سے یا کتاب مقدس کے کسی حصہ کی تعلیم سے ناجائز طور پر کسی ناجائز حکومت کی وفاداری سکھانا درست نہیں۔ اس سے ہرگز یہ بھی مطلب نہیں کہ ناجائز حکومت کے عہد میں ساری قانونی پابندیاں بھی ناجائز ہیں اور اس عہد میں برائی بھلائی کوئی شے نہیں۔ چاہے کوئی چوری کرے یا لوٹ مار۔ نہ یہ مطلب ہے کہ کسی بدقسمت ملک کو مسلمانوں کی طرح دارالحرب قرار دے کر ہر طرح کی بدامنی اور برائی کا شکار بنائیں۔ جہاں تک کہ قوانین کا تعلق ہے۔ ایسے قوانین جو جائز درست اور ملکی و قومی بہبودی کے لئے مفید ہیں۔ ان کا پابند ہونا عزت کی بات ہے لیکن ایسے قوانین جو مذہبی یا اخلاقی طور سے ناجائز ہیں۔ یا قوم اور ملک کے لئے مضر ہیں ان کو بند کرنے کے لئے جان بوجھ کر توڑنا اور مخالفت کرنا باعث فخر ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس امر میں رسول کا نظریہ مذہبی ہے نہ کہ سیاسی۔ اور جو کچھ رسول نے فرمایا وہ اپنے وقت کی رومی کلیسیا کو کہا نہ کہ ہر زمانہ اور ہر ایک ملک کے مسیحیوں کو۔ پرانا عہدنامہ کے بزرگوں کی مانند پولس رسول کا بھی خیال تھا کہ صاحب اختیار صرف خدا کی ذات ہے اور کسی انسان کا دوسرے انسان پر اختیار جتانا

جائز نہیں۔ لیکن دنیا کی بہبودی کے لئے خدا کا انتظام یہ ہے کہ وہ بعض اشخاص
یا مجلسوں کو اپنا اختیار بخشتا ہے تاکہ وہ خدا کے نام سے حکومت کریں جو واحد
حاکم اور مالک ہے "اے بادشاہو سنو اور سمجھو۔ اے اطراف زمین کے منصفو
سیکھو۔ کان لگاؤ تم جو بہت سے لوگوں پر اختیار رکھتے ہو اور اقوام کی کثرت
پر فخر کرتے ہو۔ کیونکہ خداوند کی طرف سے تمہیں اختیار دیا گیا اور حق تعالیٰ کی طرف
سے طاقت۔ وہ تمہارے کاموں کو ڈھونڈ نکالے گا اور تمہارے مشوروں
کی تحقیقات کرے گا۔ کیونکہ اس کی بادشاہت کے خادم ہو کر تم نے صحیح انصاف
نہیں کیا۔ اور نہ شریعت کی پابندی کی۔ نہ خدا کی مرضی پر چلے۔ وہ جلد غضب
کے ساتھ تم پر آئے گا کیونکہ وہ جو بلند رتبہ ہیں ان کی خوفناک عدالت ہوتی ہے"
حکمت ۶: ۱-۵۔ الغرض جو حکومت یا حاکم خدا کی طرف سے اختیار حاصل کرتا
ہے وہ صحیح اور درست ہے ورنہ سب ناجائز۔ یہ بھی خیال تھا کہ ایک حکومت
یا حاکم اپنی بدچلنی کی وجہ سے اپنے الٰہی اختیار کو کھو سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی بے
اختیار شخص اپنی وفاداری اور خدا کی مرضی کی تعمیل سے الٰہی اختیار حاصل کر سکتا
ہے "حق تعالیٰ آدمیوں کی مملکت میں حکمرانی کرتا ہے۔ اور اسے جسکو چاہتا ہے
دیتا ہے" دان ۴: ۳۲۔ ایسی حکومت جس میں کامل طور سے خدا کی مرضی پوری
ہوتی ہو اور صحیح انصاف ہوتا ہو اور جو خدا کی مرضی کی تعمیل کرتی ہو وہ الٰہی
حکومت سمجھا جاتا تھا۔ پرانے زمانہ میں حضرت داؤد کی حکومت سب سے
کامل تصور کی جاتی تھی۔ چنانچہ یہوداہ کے دیگر بادشاہوں کے عہد اور حکومت
کی تعریف یا تنقید حضرت داؤد کی حکومت سے مقابلہ کر کے کی جاتی تھی۔ ۲ تو ۲۸:
۳۔۴

ہر شخص اعلیٰ اختیارات کا تابعدار رہے۔ کیونکہ کوئی اختیار [illegible]

نہیں۔ جب تک کہ وہ خدا کی طرف سے نہ ہو اور موجودہ [اختیارات] خدا کی طرف سے مقرر ہیں ۔ پس اختیار کا مخالف خدا کے انتظام کا مخالف ہے ۔ اور جو مخالف ہیں وہ سزا پائیں گے ۔ کیونکہ حکام نیک [آدمی] کے لئے خوف کا باعث نہیں بلکہ بد کے لئے ہیں ۔ اور کیا تو اختیار سے نڈر رہنا چاہتا ہے ؟ نیکی کر اور اس کی طرف سے تیری تعریف ہوگی ۔ کیونکہ وہ تیری بھلائی کے لئے خدا کا خادم ہے ۔ لیکن اگر تو بدی کرے تو ڈر کیونکہ وہ تلوار یوں ہی نہیں لگائے ہے ۔ اس لئے کہ وہ خدا کا خادم ہے جو غضب [الٰہی] کے مطابق بدکار کو سزا دیتا ہے ۔ اسی واسطے تابعدار رہنا ضرور ہے ۔ نہ صرف غضب کی وجہ سے بلکہ [اپنی] ضمیر کے سبب سے بھی ۔ کیونکہ اسی لئے تم خراج بھی ادا کرتے ہو کہ وہ خدا کے خدمت گذار ہیں ۔ اور اسی کام میں مشغول رہتے ہیں ۔ سب کا حق ادا کرو ۔ خراج والے کو خراج ۔ محصول والے کو محصول ۔ جس سے ڈرنا چاہئے اس سے ڈرنا ۔ عزت والے کو عزت ۔

ہر شخص سرکاری حکام کا تابعدار رہے ۔ یہ میں اس لئے کہتا ہوں چونکہ در اصل حقیقی حاکم تو صرف خدا ہے اور وہی زمین و آسمان پر کلی اختیار رکھتا ہے ۔ خدا کے سوا کوئی دوسرا حاکم نہیں ۔ نہ کوئی اور صاحب اختیار ہے ۔ تو بھی ممالک کے انتظام کے لئے خدا نے دنیا میں حکومتیں اور اصحاب اختیار مقرر کر رکھے ہیں تاکہ وہ اس کے نام سے انصاف اور انتظام کریں اور دنیا میں امن و امان رکھتے ہوئے اس کی مرضی کو پورا کریں ۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ رومی حکومت اور اس کے حکام کو خدا نے مقرر کیا ہے ۔ خاص کر انہیں جن سے تم روم والوں کا تعلق ہے ۔ پس چاہئے کہ تم ان حکام اور حکومت کے تابعدار رہو جن کا اختیار ان کی اپنی طرف سے نہیں

۲ بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ اور جو کوئی ایسے حکام کا سامنا کرتا ہے جو خدا کی طرف
سے ہیں اور خدا کی مرضی کی تعمیل کرتے ہیں وہ خدا کے انتظام کا مخالف ہے۔ کیونکہ
خدا نے انہیں مملکت کے انتظام کے لئے حاکم مقرر کر رکھا ہے۔ اور جو کوئی الہی انتظام
۳ کا مخالف ہے اس کی سزا بھی واجب ہے۔ خدا کے مقرر کئے ہوئے حاکم سے
نیکوکار کو خوف نہیں رہتا ہے کہ اس کا فیصلہ صحیح درست اور حسب خواہ ہوتا
ہے۔ لیکن ایسے حاکموں سے بدکار کو ہمیشہ خطرہ رہتا ہے۔ کیونکہ وہ بدکار کو
سزا دینے کا خدا کی طرف سے اختیار رکھتا ہے۔ بلکہ اس کو حکم ہے کہ بدکار کو
سزا دے اور انصاف سے کام لے۔ پس اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ حاکموں سے
نڈر رہے تو چاہیئے کہ وہ ایسی نیک اور پاک زندگی بسر کرے جو خدا کی نظر میں
مقبول ہو۔ اور سرکاری قوانین پر چلتے ہوئے امن و امان سے زندگی بسر کرے
۴ ایسا شخص حاکموں کو پسند آئیگا۔ کیونکہ سرکاری حاکم جو خدا کی طرف سے مقرر
ہے خدا کا خادم ہے۔ تاکہ خدا کے نام سے ملک کا خدا کی مرضی کے مطابق الہی انتظام
کرے۔ بدی کو مٹائے نیکی کو قائم کرے۔ اور عدل و انصاف سے ملک یا قوم کا
انتظام کرے تاکہ راستبازوں کا بھلا ہو۔ اور وہ حاکم اس لئے نہیں مقرر ہوا کہ
خود اپنی عیش و عشرت کی فکر میں پڑا رہے۔ بلکہ خدا نے اُسے خادم مقرر کیا ہے
تاکہ رعایا اور ملک کی بھلائی کا کوشاں رہے۔ اور لوگوں کی خدمت کرے۔ اس
لئے اگر وہ خادم نہیں تو حاکم بھی نہیں۔ اور خدا کے مقرر کردہ حاکموں سے خدا کے نیک
بندے بہتری ہی کی امید رکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ انہیں خوف کی کوئی وجہ نہیں بلکہ الہی
مرضی کی تعمیل کا آلہ ہونے کی وجہ سے انہیں ان سے امداد کی امید رکھنا چاہیئے۔
لیکن اگر کوئی بدمعاش بدکار اور امن و امان کا دشمن اور اچھے قوانین کی پرواہ نہ
کرنے والا ہو تو اس کے لئے ڈر کی بات ہے۔ کیونکہ حاکم خدا کا خادم اس لئے بھی

ہے کہ خدا کے غضب کے مطابق ایسوں کو سزا دے اور انصاف کے مطابق مجرم
سے سلوک کرے۔ پس ایسا انسان حاکم کی تلوار سے ڈرے۔ کیونکہ یہ مجرموں کو سزا
دینے کے تقاضا کا نشان ہے ۱۲: ۱۹ و ۱۰: ۸ ۔ خداوند نے کہا کہ ہر ایک درخت
اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ پس حاکموں اور حکومت کے کام کو دیکھ کر ہم
کہہ سکتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے مقرر ہیں یا نہیں۔ اگر حکومت ملک کی بھلائی
کے لئے ہادی اور عدل و انصاف اور امن کا ذریعہ اور الٰہی مرضی کی تعمیل کا آلہ
ہے تو خدا کی طرف سے ہے اور جائز ہے۔ ورنہ شیطانی اور ناجائز ہے۔ مسیحی ۵
تابعداری اور نیکی سزا کے خوف سے نہیں۔ چاہے وہ دنیاوی ہو یا دینی بلکہ یہ اپنی
ضمیر کی تابعداری ہے۔ کیونکہ مسیحی اپنے ماحول کی مجبوری سے نیکی نہیں کرتا بلکہ دل
کی خوشی سے کرتا ہے۔ مسیحی نیکی وہ نہیں جو اپنی طبیعت کے خلاف ماحول کی مجبوری
کا نتیجہ ہے بلکہ وہ ہے جو طبیعت کے مطابق ضمیر کی آزاد تعمیل میں حاصل ہوتی
ہے۔ پس سرکار کی تابعداری بھی ضمیر کی آزادی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ نہ کہ مجبوری
اور خوف سے۔ اس واسطے تم مسیحی مجبوری اور خوف سے سرکاری ٹیکسوں کی ۶
ادائیگی نہیں کرتے جیسا کہ یہودیوں کا حال ہے۔ بلکہ ضمیر کی آزادی کے ساتھ تم
اس لئے ٹیکس ادا کرتے ہو۔ کیونکہ موجودہ سرکار اور حکام کو تم من جانب خدا سمجھتے
ہو اور یقین کرتے ہو کہ ملک کی خدمت کے لئے وہ خدا کے خادم کی طرح عدل و انصاف
سے کام لیتے ہیں اور ملک کا ایسا انتظام کرتے ہیں کہ امن و امان رہے اور دنیا کے
معمول زندگی جاری ہو۔ چنانچہ تم جانتے ہو کہ انجیل کی بشارت میں وہ کسی طرح
کی رخنہ پیدا نہیں کرتے اور خداوند کے رسولوں کو ظالموں اور بے دینوں کے ظلم
سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسیحی کو چاہیے کہ کسی کا قرضدار نہ ہو بلکہ ہر ایک ۷
سے محبت رکھے اور ہر ایک شخص کے لئے اس کے دل میں واجب قدر و منزلت ہو۔ جس کا جی

حق ہے اسے ادا کرنا چاہیئے ۔ خداوند نے کہا کہ " جو قیصر کا ہے قیصر کو ادا کرو اور
جو خدا کا ہے خدا کو" مر ۱۲: ۱۷ ۔ لہذا جس کا ٹیکس چاہیئے اسے ٹیکس دو جس کا
محصول یا چنگی چاہیئے اُسے محصول یا چنگی دو ۔ اور جن حاکموں اور افسروں سے
ڈرنا چاہیئے ان سے ڈرو ۔ اور جن بڑے بزرگوں کی عزت کرنا چاہیئے ان
کی عزت کرو ۔ مختصر یہ ہے کہ جس کا جو حق ہے اسے ادا کرو اور ہمیں کوتاہی نہ کرو ۔

(۱۳) محبت کے قرض کی ادائیگی ۱۳: ۸ - ۱۰

خداوند مسیح فرماتا ہے کہ " خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور
اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ اور
اپنے پڑوسی سے اپنی مانند" لو ۱۰: ۲۷ ؛ استثنا ۶: ۵ ؛ اح ۱۹: ۱۸ ۔ مذہب
صرف یہ نہیں کہ ہم خدا کے فرائض کو ادا کریں بلکہ یہ بھی ہے کہ ہم اپنے پڑوسی کے
حقوق کو بھی ادا کریں ۔ ایک مسیحی کی ذمہ جیسے خدا کی طرف ہے ۔ ویسے ہی بنی آدم
کی طرف بھی ہے اور ان دونوں میں سے ایک بھی نظرانداز نہیں کی جا سکتی کیونکہ
ہم مسیحیوں کے لیئے دونوں یکساں ضروری ہیں ۔ یہ بھی واضح ہو کہ ان دونوں
حقوق میں کسی طرح کا بھی تناقض نہیں پایا جا سکتا کیونکہ دنیا اور خلق اللہ بھی خداوند
ہی کے ہیں ۔ لیکن اگر کوئی تناقض یا ضدیت تو ہمارے خیال میں ضرور کہیں نہ کہیں
کچھ غلطی ہے ۔ چاہے خدا کی نسبت ہمارے خیالات میں غلطی ہے یا انسان کی نسبت
معلومات میں کچھ ضعف ہے ۔ اگر آج ہمارے ملک میں جتنی غیرت خدا کے متعلق
دکھائی جاتی ہے ۔ انسان کے متعلق بھی اتنی ہی سرگرمی ہو ۔ اور دونوں کے حقوق کی
ادائیگی کے متعلق صحیح توازن پایا جائے تو ہمارے ملک کی کتنی زیادہ ترقی ہو ۔ اور
اگر قوموں میں بھی مسیحی اصول پر عمل کریں تو دنیا بہشت بن جائے ۔ اور اگر حکومتیں خدا کی
طرف سے مقرر ہوں اور حکام خدا کی خادموں کی طرح خدا کے نام سے عدل و انصاف

کے ساتھ انتظام کریں تو دنیا میں امن وامان اور سلامتی کا ڈنکا بجے لیکن افسوس ہنوز دلی دور است۔ کیا ہم امید رکھیں کہ محبت کا آفتاب مغرب میں غروب ہو کر مشرق سے پھر طلوع ہو گا؟

۸ آپس کی محبت کے سوا کسی چیز میں کسی کے قرضدار نہ ہو کیونکہ
۹ جو دوسرے سے محبت رکھتا ہے وہ شریعت کو پورا کرتا ہے۔ اس لئے کہ یہ باتیں کہ "زنا نہ کرنا" "خون نہ کرنا" "چوری نہ کرنا" "لالچ نہ کرنا" ان کے سوا اور جو کوئی حکم ہو اُن سب کا خلاصہ اس بات میں پایا جاتا ہے کہ "اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھو"۔
۱۰ محبت پڑوسی سے بدی نہیں کرتی۔ اس لئے محبت شریعت کی تکمیل ہے۔

جس فرض کا مطالبہ قانون کرتا ہے یا جو ذمہ داری انسان پر رسم و رواج کی وجہ سے عائد ہوتی ہے ان سب کی پوری اور تسلی بخش ادائیگی ممکن ہے لیکن جس فرض کا مطالبہ محبت کرتی ہے اس کی ادائیگی ہمیشہ ناتمام اور غیر تسلی بخش محسوس کی جاتی ہے۔ محبت ایک ایسا فرض ہے جو ادائیگی سے اور بھی زیادہ بڑھتا ہے۔ اسی لئے کسی مسیحی کا اپنے آپ کو کامل اور بے داغ محسوس کرنا ایک امر محال ہے۔ کیونکہ مسیحیت محبت کے قرض کی ادائیگی ہے۔ لیکن اگر مسیحیت بھی دیگر مذاہب کی طرح شرعی فرائض یا رسم و رواج کی ادائیگی ہوتی تو اس کے مطالبات کا بھی پورا کرنا نہایت ہی سہل ہوتا۔ اوریجن کہتے ہیں کہ "محبت کا قرض دائمی ہے اور ہم کبھی بھی اس سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ضرور ہے کہ ہم اسے روزانہ ادا کریں اور پھر بھی ہمیشہ قرض دار رہیں" (منقول از ہم صفحہ ۲۰۶)

آپس کی محبت کے سوا کسی امر میں کسی کے قرضدار نہ ہو اور اپنے فرائض اور حق العباد کی پوری ادائیگی کرو۔ جس نے اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت

رکھی۔ اس نے انسانی نسبت سے شریعت کے مقصد کو پورا کیا۔ جیسا کہ خداوند نے بھی خدا اور پڑوسی کی محبت کے دو بڑے حکموں کی بابت کہا کہ "ان ہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیا کا مدار ہے"۔ مت ۲۲: ۴۰ ۹ کیونکہ شریعت کے دس احکام۔ بلکہ ساری شریعت اور انبیا اور سارے جائز سیاسی اور ملکی قوانین اور سارے اچھے قومی رسم و رواج کا خلاصہ یہ ہے کہ "اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھو"۔ ۱۰ اور اس کا منفی مطلب یہ ہوا کہ ایک مسیحی کسی کا بھی کسی طرح کا نقصان نہیں کر سکتا کیونکہ محبت اپنے پڑوسی سے بدی نہیں کر سکتی اور چونکہ محبت سے شریعت کے اُن احکام کی تعمیل ہو جاتی ہے جو حق العباد کے متعلق ہیں۔ اس لئے محبت شریعت کی تکمیل ہے۔ یہودی فقہ کی مشہور امام ہلیل فرماتے ہیں کہ "صلح سے محبت اور صلح کی پیروی کرکے۔ بنی آدم سے محبت کرکے اور انہیں توریت کے پاس لاکر تو ہارون کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد بن"۔ ایک جگہ اور یہ کہا کہ "جس کام سے تجھے نفرت ہے اپنے پڑوسی کے ساتھ نہ کر۔ یہ ہے ساری توریت اور باقی سب تفسیر ہے۔ جا اور سیکھ"۔ منقول از انگ کی صفحہ ۳۷۶۔ ایسی محبت صرف خداوند مسیح کے روح سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جس نے خود دنیا سے ایسی محبت کی ۔

ب۳ آمد کی تیاری ۱۳: ۱۱-۱۴

مقابلہ ۱ تھس ۵: ۱-۱۰

۱۱ اور وقت کو پہچان کر ایسا ہی کرو۔ اس لئے کہ اب وہ گھڑی آ پہنچی ہے کہ تم نیند سے جاگ اٹھو کیونکہ جس وقت ہم ایمان لائے تھے اس وقت کی نسبت اب ہماری نجات نزدیک ہے ۔ ۱۲ رات بہت

گذر گئی اور دن نکلنے والا ہے۔ پس ہم تاریکی کے کاموں کو ترک
۱۳ کریں اور نور کے ہتھیار باندھ لیں۔ جیسا دن کو دستور ہے شائستگی
سے چلیں نہ کہ ناچ رنگ اور نشہ بازی سے۔ نہ زناکاری اور شہوت
۱۴ پرستی سے۔ نہ جھگڑے اور حسد سے۔ بلکہ خداوند یسوع مسیح کو
پہن لو اور خواہشات کو پورا کرنے کے لئے نفس کی فکر نہ کرو۔

تھسلنیکیوں کے دونوں خطوط میں خداوند مسیح کی آمد پر ایسا زور دیا گیا ہے کہ پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ بس خداوند اب آنے والا ہے اور اس کی آمد کو کچھ زیادہ دیر باقی نہیں۔ بلکہ یہ اس قدر قریب ہے کہ یقینی یہ رسول پولس اور تھسلنیکی کلیسیا کے افراد کی زندگی ہی میں وقوع ہوگی۔ دوسرے دورہ کے خطوط میں سے بیشتر کے پڑھنے سے بھی قریب قریب ایسے ہی خیال کا اندازہ ملتا ہے۔ لیکن ۲ کرنتھی پر آکر یہ نشان ظاہر ہو جاتا ہے کہ رسول کو اس وقت اپنی زندگی میں خداوند کی آمد کی امید نہ تھی۔ خداوند کی آمد ہی کے ساتھ حشر ونشر اور دنیا کے اختتام کا خیال بھی وابستہ ہے۔ آمد ہی پر گناہ اور تاریکی کا دور تمام ہو کر نور کا دور شروع ہوتا ہے۔ یعنی ایمان کے وسیلے سے روح القدس کے حصول کے وقت تاریکی کے دور سے نکل کر انسان نور کے دور میں آجاتا ہے۔ اور تاریکی کے زمانہ کی روش کو چھوڑ کر نور کے زمانہ کی روش پر چلتا ہے۔ دنیا کی تاریکی اب رفتہ رفتہ ختم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اور نور بڑھتا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب تاریکی کا نام ونشان بھی باقی نہ رہیگا۔ اس لئے رسول نے رومیوں کو تاکید کی کہ وہ بھی نہایت ہی ہوشیاری سے زندگی کا دیا اور نور کے فرزندوں کی مانند زندگی بسر کرنے میں زیادہ اور زیادہ سرگرم ہوتے چلے جائیں۔

١٢ جیسا کہ اوپر کہہ چکا ہوں دہرایا ہی پھر کہتا ہوں کہ لائق مسیحی زندگی بسر کرو اور
سب کا حق ادا کرو اور وقت کو پہچان کر کام کیا کرو۔ کیونکہ زمانہ کے مطابق
کام کرنا اور زندگی گذارنا عقلمندی کا کام ہے۔ تم جانتے ہو کہ تمہارے لیے
یہ روشنی کا دور ہے اور تمہاری اخلاقی اور روحانی زندگی کی رات گذر چکی اور
دن نکل چکا ہے۔ اس لیے جہالت اور گناہ کی نیند کو ترک کرکے بیدار ہو کر
تم عقل اور راستبازی کی چال چلو کیونکہ جس وقت شروع شروع میں تم مسیحی ہوئے
تھے اس وقت کی نسبت اب ہماری نجات یعنی مسیحی زندگی کی کامیابی اور جلال
قریب تر ہے۔ اب الٰہی نور ہم پر زیادہ اور زیادہ روشن ہوتا چلا جا رہا ہے۔
اور ہم گناہ کی تاریکی سے دور تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں نور میں
ملبس ہونا چاہیے اور ہماری مسیحی زندگی کے ہتھیار مثلاً علم عقل وغیرہ نورانی ہوں
١٣ تاکہ ہم تاریکی کے ہتھیار مثلاً جہالت بے وقوفی وغیرہ کا مقابلہ کر سکیں ٭ اور
جیسا کہ دنیا والوں کا دستور ہے۔ کہ رات کی نسبت دن میں برائیوں سے پرہیز
کرتے ہیں۔ تاکہ انھیں کوئی دیکھ نہ لے۔ اسی طرح ہم بھی جو خداوند کے دن میں
زندگی کاٹتے ہیں اور اس کی روشنی میں چلتے ہیں۔ گناہ کی تاریکی کی ساری برائیاں
مثلاً ناچ رنگ۔ نشے بازی۔ زناکاری شہوت پرستی جھگڑے۔ حسد وغیرہ
وغیرہ ترک کرکے پاکیزگی۔ نیکی اور شائستگی کی زندگی بسر کریں۔ اور گناہ سے خدا کی
١٤ نظر میں پلید نہ بنیں ٭ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ تم خداوند یسوع مسیح کو
پہن لو یعنی اس کی زندگی کو بطور علامت اپنی زندگی پر اس طرح چڑھا لو کہ تمہارا اعمال (چال)
چلن اور زندگی کی روش مسیحانہ ہو۔ اور نفسانی خواہشات کا کبھی خیال بھی نہ کرو۔ خدا
کی مرضی کے جویاں رہو۔ اور اپنی زندگی میں نفسانی خوشی نہیں بلکہ روح القدس کی خوشی
کو پورا کرتے رہو جیسا کہ خود خداوند نے بھی کیا ٭

ذکر ہے کہ بزرگ آگستین اپنی نئی مسیحی زندگی کے حصول سے پیشتر ایک روز اپنی
گناہ آلودہ زندگی پر سخت گریہ و زاری کر رہے تھے۔ آنسوؤں کا تار بندھا تھا، ہچکیاں آ
رہی تھیں۔ ایک انجیر کے درخت کے نیچے گر کر آپ یوں فریادی ہوئے "اے
خداوند کب تک۔ اے خداوند کب تک تو بیزار رہیگا۔۔۔۔ کب تک! کب تک۔
کیا کل؟ کیا کل! ابھی کیوں نہیں۔ اسی گھڑی کیوں نہ میری نجاست کا خاتمہ
ہو"! جب وہ ایسا کہہ کر رو رہے تھے تو انھوں نے پڑوس کے ایک گھر سے لڑکے
لڑکیوں کو یہ گاتے ہوئے سُنا کہ "لے اور پڑھ۔ لے اور پڑھ"۔ یہ سنتے ہی وہ اُٹھے
اور جھپٹ کر رسول کا صحیفہ کھولا تو ان کی نظر رومی ۱۳: ۱۳-۱۴ پر پڑی۔ یہ پڑھتے
ہی ان کی ساری کیفیت تبدیل ہو گئی اور ایمان کے نور سے منور ہو گئے۔ اور ساری
تاریکی جاتی رہی (اقرارات ۸: ۱۲)۔

فصل دوم

مسیحی زندگی کا روی کلیسیا پر اطلاق ۱۴: ۱-۱۵: ۱۳

متی ۷: ۱-۵۔ لوقا ۶: ۳۷-۴۲

سچائی کو جانچنے کا آلہ جو ہر ایک انسان کو بخشا گیا ہے۔ اسکی اپنی ضمیر ہے۔ اس
میں کوئی شک نہیں کہ ہر ایک انسان کی ضمیر کی اخلاقی سطح ایک نہیں۔ لیکن تو بھی کسی
کی ضمیر چاہے کتنی بھی ناقص کیوں نہ ہو اس کے پاس اگر نیک و بد کی تمیز کا کوئی
ایسا آلہ ہے۔ جس پر وہ قدرے بھروسہ کر سکتا ہے تو وہ اس کی اپنی ضمیر ہے۔
مسیحی چال چلن کے لیئے بھی مسیحی ضمیر کی رہنمائی نہایت ہی ضروری ہے۔ ایک انسان
جو اپنی ضمیر کو کام میں نہیں لاتا یا اس کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ وہ اس شخص کی
مانند ہے جو تندرست آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر چلتا ہے۔

اور اپنے آپ کو خدا و نیز دوسروں کا محتاج بناتا ہے۔ ضرور ہے کہ ہم اپنی ضمیر کو
کام میں لائیں اور ایک مسیحی سے اتنی توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس قابل ہے کہ اپنے
تجربہ سے معلوم کرے کہ کون سی بات "نیک اور پسندیدہ اور کامل ہے"۔ اس کے
ساتھ ہی ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ جہاں مسیحی کاملیت کے لئے انفرادی ذمہ داری اور
ضمیر کی رہنمائی ہے۔ وہاں کلیسیائی ترقی کے لئے اوروں کا خیال و لحاظ اور
محبت کی پیروی بھی ہے۔ مسیحی زندگی محض انفرادی زندگی نہیں جیسا کہ اکثر آجکل
زور دیا جاتا ہے۔ بلکہ جہاں یہ انفرادی ہے وہاں کلیسیائی بھی ہے اور ضرور ہے کہ
جہاں انسان اپنی روحانی ترقی کا خیال کرتا ہے وہاں کلیسیا کی ترقی کو بھی مدنظر رکھے
اور جو اصول کلیسیائی ترقی کے خیال و لحاظ میں انسان کا مددگار ہو سکتی ہے وہ مسیحی
محبت ہے۔ پس ضرور ہے کہ جہاں انسان اپنی ضمیر کی آواز پر چلے وہاں مسیحی
محبت کی بھی پیروی کرے تاکہ "سارا بدن جوڑوں اور پٹھوں کے وسیلہ سے پرورش
پا کر اور باہم پیوستہ ہو کر" ترقی کرتا جائے۔ کلیسیائی ترقی کو یہاں تک مدنظر رکھنا چاہیئے
کہ اگر ہمیں ایثار اور قربانی سے بھی کام لینا پڑے اور اپنی آزادی کو برطرف بھی کرنا
پڑے تو دوسروں کی ترقی کی خاطر ہمیں خوشی سے ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ اپنی
شخصی دلچسپی پر کلیسیائی ترقی کے خیال کو ترجیح دینا مسیحی زندگی کا خاصہ ہے۔ اس
ضمن میں سب سے پہلا سوال کرنتھس کی کلیسیا میں اٹھا کہ آیا بتوں کی قربانی کا گوشت
کھانا روا ہے یا نہیں۔ اسی طرح رومیوں کے نام کے خط کے لکھے جانے کے بعد
کلسے کی کلیسیا میں خاص دنوں مثلاً عید، نئے چاند اور سبت کے منانے کا سوال اٹھا
قربانی کے گوشت کے حرام حلال کا استعمال کرنتھس کی کلیسیا کے لئے اس قدر اہمیت رکھتا
تھا کہ اس پر کلیسیا میں پھوٹ سی پڑ گئی۔ لیکن روم میں بھی کوئی ایسا سوال اس قدر
اہمیت رکھتا تھا یا نہیں۔ اس کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ لیکن وثوق کے ساتھ

تاہم ضرور کہا جا سکتا ہے کہ روم میں بھی خاص دنوں کے ماننے اور گوشت سے پرہیز کا سوال اٹھ چکا تھا۔ سبت کا ماننا یہودیوں کے لئے نہایت ہی ضروری تھا۔ اور یہودی مسیحی بھی اس کا جاری رکھنا لابدی سمجھتے تھے لیکن غیر یہودی مسیحی اسے غیر ضروری رواج سمجھتے تھے کیونکہ اس سے بہت سی دقتیں بھی پیدا ہوتی تھیں اور یہ دستور دیگر قوموں کی نظروں میں مضحکہ خیز بھی تھا۔ اس زمانہ میں گوشت سے پرہیز کا خیال ایک مذہبی تعلیم بنتی جا رہی تھی۔ غیر یہودیوں میں آرفی اور فیثاغورثی گوشت سے پرہیز کرتے تھے۔ یہودیوں میں اسینی بھی گوشت سے پرہیز کرنا بہتر سمجھتے تھے۔

۱۴ب انفرادی ذمہ داری۔ ۱۴: ۱-۱۳

۱ کمزور ایمان والے کو قبول کرو لیکن شک و شبہ کی تکراروں کے لئے نہیں ۲ ایک کو اعتقاد ہے کہ ہر چیز کا کھانا روا ہے اور کمزور ایمان والا ساگ پات ہی کھاتا ہے ۳ کھانے والا نہیں کھانے والے کو حقیر نہ جانے اور نہیں کھانے والا کھانے والے پر الزام نہ لگائے۔ کیونکہ خدا نے اسے قبول کر لیا ہے ۴ تو کون ہے جو دوسرے کے نوکر پر الزام لگاتا ہے؟ وہ قائم رہے یا گر پڑے اس کا تعلق اس کے مالک ہی سے ہے۔ بلکہ وہ قائم ہی کر دیا جائیگا۔ کیونکہ خداوند اس کے قائم رکھنے پر قادر ہے ۵ کوئی تو ایک دن کو دوسرے سے افضل سمجھتا ہے اور کوئی سب دنوں کو برابر سمجھتا ہے۔ ہر ایک اپنے دل میں پورا اعتقاد رکھے ۶ جو کسی دن کو مانتا ہے خداوند کے لئے مانتا ہے اور جو کھاتا ہے خداوند کے واسطے کھاتا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کا شکر کرتا ہے اور جو نہیں کھاتا خداوند کے واسطے نہیں کھاتا اور خدا کا شکر کرتا ہے ۷ کیونکہ ہم میں سے نہ کوئی

اور بے چینی کی گھڑیاں نہیں ہوتیں؟ اور کیا ایسی نکتہ چینی کا نتیجہ اکثر خراب نہیں
٢ ہوتا؟ کھانے پینے کا حال یہ ہے کہ بعض تو ہر ایک چیز کا کھانا روا رکھتے ہیں اور
بعض محض سبزی کھانا جائز اور گوشت کھانا ناجائز سمجھتے ہیں لیکن تم میں گوشت
کھانے والا محض سبزی کھانے والے کو ضعیف الایمان سمجھ کر حقیر نہ جانے اور اس پہ
ناروا نکتہ چینی نہ کرے اور خواہ مخواہ اس سے تکرار کرے۔ اور گوشت کھانے پر اُسے
مجبور کرے۔ اسی طرح یہ بھی مناسب نہیں۔ کہ سبزی کھانے والا گوشت کھانے والے پر کسی طرح کا
الزام اور خود بجا فخر کرے۔ کیونکہ خداوند نے جیسے نہ کھانے والے کو نجات
کے لئے قبول کیا ہے ویسے ہی کھانے والے کو بھی نجات کا وارث بنایا ہے۔
٤ کھانے پینے پر نجات کا دارومدار نہیں کیونکہ "کھانے پیٹ کے لئے ہیں اور پیٹ
کھانوں کے لئے۔ لیکن خدا اُس کو اور ان کو دونوں کو نیست کرے گا" اگر
٣۔ گوشت کا کھانا کھانے والے کی ضمیر کے خلاف ہے اور بہتر ہے کہ ایسا
شخص اپنی ضمیر کے خلاف نہ کرے۔ لیکن تجھے اوروں پر الزام لگانے کا حق نہیں۔
تو کون ہے جو خداوند مسیح کے خادموں پر الزام لگاتا ہے اور اس کے مومنوں کو
مجرم ٹھہراتا ہے؟ الزام لگانا اور مجرم ٹھہرانا مالک ہی کا کام ہے نہ کہ تیرا۔ اگر وہ
ایمان کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو اپنے مالک کے لئے۔ کیونکہ مالک سے اسکا
بیڑا پار ہوگا۔ اور اگر ایمان کے مطابق زندگی نہیں کاٹتا تو مجرم ٹھہرانا بھی اس کے
مالک ہی کا ہے۔ وہی اُسے اس کی سزا دیگا۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ خداوند اُسے
ایمان میں مستحکم کر دیگا۔ اور اپنا جلال اُسے عطا کریگا کیونکہ وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔
اور کھانے پینے کی بابت اُس نے خود فرمایا کہ کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہو کر
اُسے ناپاک نہیں کر سکتی۔ مگر جو چیزیں آدمی میں سے نکلتی ہیں وہی آدمی کو ناپاک
٥ کرتی ہیں" مرقس ٧: ١٤-٢٣ یہی صحبت اور دیگر خاص دنوں کے ماننے کا حال

ہے۔ کوئی کسی دن کو کسی دن سے افضل سمجھتا ہے اور کوئی سب دنوں کو یکساں
سمجھتا ہے۔ لیکن جو کوئی کسی دن کو مانے یا نہ مانے وہ اپنی ضمیر کے لحاظ سے اپنی
روحانی ترقی کی خاطر ایسا کرے۔ پس کوئی کسی دن کو مانے یا نہ مانے کسی خاص
چیز کا کھانا روا رکھے یا نہ رکھے۔ جو کچھ کرے وہ اس غرض سے کرے کہ کسی طرح سے
بھی خداوند کی خدمت زیادہ بہتر طور سے ہو اور اس کا جلال زیادہ اور زیادہ
ظاہر ہو۔ اور ایسی حالت میں تم ایک دوسرے کو نہ حقیر جانو نہ ایک دوسرے پر
الزام لگاؤ۔ کیونکہ جو کسی دن کو مانتا ہے وہ خداوند کی خدمت کی خاطر مانتا ہے اور
جو گوشت کھاتا ہے وہ خدا کی شکر گزاری کے ساتھ کھاتا اور تسلیم کرتا ہے کہ وہ
خود اور جانور جس کا وہ گوشت کھاتا ہے دونوں خدا کی مخلوق ہیں اور یقین
کرتا ہے کہ "خدا کی پیدا کی ہوئی ہر چیز اچھی ہے۔ اور کوئی چیز انکار کے لائق
نہیں بشرطیکہ شکر گزاری کے ساتھ کھائی جائے" (۱ تیم ۴: ۴) اور جو شخص سبزی
پر گذارا کرتا ہے اور گوشت سے پرہیز کرتا ہے وہ بھی شکر گزاری کے ساتھ
محض سبزی ہی کو قبول کرتا ہے اور خداوند کے جلال اور بزرگی اور [illegible]
کی خاطر اپنی ضمیر کی پیروی کرتے ہوئے گوشت سے پرہیز کرتا ہے۔ الغرض دونوں
کا اصول ایک ہی ہے۔ کیونکہ دونوں یہ مانتے ہیں کہ ہم کھائیں یا پئیں یا جو کچھ
کریں سب خدا کے جلال کے لئے کریں۔ اور چاہئے کہ تم نہ یہودیوں کے لئے
ٹھوکر کا باعث ہو نہ یونانیوں کے لئے۔ نہ خدا کی کلیسیا کے لئے جیسا میں بھی سب
باتوں میں سب کو خوش کرتا ہوں اور اپنا نہیں بلکہ بہتوں کا فائدہ ڈھونڈتا ہوں
تاکہ وہ نجات پائیں۔ (۱ کر ۱۰: ۳۱-۳۳) ہم نفس کی زندگی بسر نہیں کرتے نہ فقط
پر انسانی طور سے غور و خوض کرتے ہیں بلکہ خدا کے روح کی ہدایت کے مطابق الٰہی
مرضی کے جویاں رہتے ہیں۔ اور متحقق ہی ہو جانے سے اپنی صورت بدلتے جاتے

ہیں۔ کیونکہ ہماری زندگی خدا کے لئے وقف ہو چکی ہے اور ہم نے اپنے آپ کو اس کے حضور بطور قربانی کے گذرانا ہے۔ اس لئے نہ ہم اپنے لئے جیتے ہیں نہ ہم اپنے لئے مرتے ہیں۔ کیونکہ ہماری زندگی اور موت سب خداوند کے لئے۔ اور ہم جیتے ہیں تو خداوند کے لئے جیتے ہیں اور مرتے ہیں تو خداوند کے لئے مرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہم اس کی ایسی ملکیت ہیں جو کلیتاً اس کے ہاتھ میں ہے جیسا چاہے کرے اور ہم اسی میں خوش ہیں۔ خداوند مسیح کی زندگی موت اور قیامت سے ثابت ہے کہ وہ زندگی اور موت دونوں پر قادر ہے اور اس کے مرنے اور جی اٹھنے سے ظاہر ہے کہ وہ مردوں اور زندوں دونوں کا مالک ہے۔ پس یاد رکھو کہ خداوند مسیح ہم زندوں کا بھی مالک ہے جو اس دنیا میں اپنا کام زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کا بھی مالک ہے۔ جو اس دنیا سے کوچ کر چکے ہیں۔ اور عدالت کا کام اس کے سپرد ہے۔ وہی سب کا انصاف کریگا اور ہر ایک اپنے کردار سے حساب دے گا۔ اور اگر ایسی بات ہے تو پھر تو جو گوشت نہیں کھاتا اور بعض دنوں کو خاص طور سے مانتا ہے۔ اپنے بھائی سے گوشت کھانے پر یا دنوں کے ماننے پر کیوں الزام لگاتا ہے؟ اور اسے گوشت کے کھانے والے اور دنوں کے نہ ماننے والے تجھے کیا حق ہے کہ تو اپنے اس بھائی کو حقیر جانتے ہو جو تجھ سے اس معاملہ میں متفق نہیں؟ کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا کام جانچنے کا نہیں بلکہ خداوند کا ہے۔ اور ہم سب چاہے کوئی کیوں نہ ہوں دوست ہو یا دشمن خدا کے تخت عدالت کے سامنے انصاف کے لئے کھڑے ہوں گے؟ پس ہمارا یہ حق نہیں کہ ہم ایک دوسرے کو اپنے معاملات میں ملزم ٹھہرائیں بلکہ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کا خیال رکھیں اور وہ راہ اختیار کریں جس سے سب کی ترقی ہو۔ اور اگر ہم اپنے بھائی کو مجرم ٹھہراتے ہیں یا اسے حقیر جانتے ہیں تو گویا ہم مسیح کی جگہ ہم خود اپنے آپ کو منصف بناتے ہیں۔

حالانکہ منصف صرف ایک ہے یعنی مسیح خداوند جو خدا کی جگہ حشر کے روز سارے
۱۱ عالم کا انصاف کرے گا بلکہ اب بھی انصاف کرتا ہے۔ چنانچہ یسعیاہ ۴۵: ۲۳-
۲۴ میں مذکور ہے کہ خداوند فرماتا ہے کہ "میں نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے
کلام صدق میرے منہ سے نکلا ہے اور وہ ٹلیگا نہیں کہ ہر ایک گھٹنا میرے حضور
جھکیگا اور ہر ایک زبان میری قسم کھائے گی۔ میرے حق میں ہر ایک کہیگا کہ
یقیناً خداوند ہی میں راستبازی اور توانائی ہے۔ اسی کے پاس وہ آئیگا اور جو
اس سے بیزار تھے پشیمان ہوں گے" اور خدا نے خداوند مسیح کو "وہ نام بخشا
جو سب ناموں سے اعلیٰ ہے تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا جھکے۔ خواہ آسمانیوں
کا ہو خواہ زمینیوں کا۔ خواہ اُن کا جو زمین کے نیچے ہیں اور خدا باپ کے جلال کے لئے
ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے" فلپ ۲: ۹-۱۱ تاکہ سارا جہان
اسی کی طرف متوجہ ہو اور نجات پائے۔ اس لئے کہ وہی صرف منجی ہے اور وہی واحد
۱۲ منصف بھی ہے۔ پس بجائے اس کے کہ کوئی شخص دوسرے کی ذمہ داری میں
دخل اندازی کرے۔ اور اس کی ضمیر پر اعتراض کرے۔ چاہیئے کہ ہر شخص اپنا ذمہ دار
آپ ہو۔ کیونکہ ہر شخص کو اپنے عقیدہ اپنی ضمیر اور اپنے اعمال کی جوابدہی محض خدا کے
سامنے کرنا ہے اور حشر کے روز خداوند مسیح کے تخت عدالت کے سامنے ہر شخص اپنا
اپنا بیان دیگا۔

ب باہمی امداد اور برداشت ۱۴: ۱۳-۲۳

۱۳ اس لئے ہم ایک دوسرے پر کبھی الزام نہ لگائیں۔ بلکہ تم یہ ٹھان لو
کہ کوئی (اپنے) بھائی کے سامنے ٹھوکر یا ٹھیس لگنے کی چیز نہ رکھے۔
۱۴ میں جانتا ہوں اور خداوند یسوع میں مجھے یقین ہے کہ کوئی شے

بذاتہ حرام نہیں لیکن جو کسی شے کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے وہ حرام ہے ۵

۱۵ اگر تیرے [کھانے] کھانے سے تیرے بھائی کو دکھ ہوتا ہے تو پھر تو محبت کی چال

نہیں چلتا جس کے واسطے مسیح موا اسے تو اپنے کھانے سے برباد نہ کر ۵

۱۶ پس تمہاری نیکی کی بدنامی نہ ہو ۵ کیونکہ کھانا پینا خدا کی بادشاہت نہیں ہے

۱۷ بلکہ روح القدس کی راستبازی اور شانتی اور خوشی ۵ اور جو شخص اس طور

سے مسیح کی خدمت کرتا ہے وہ خدا کا پسندیدہ اور آدمیوں کا مقبول ہے ۵

۱۹ پس ہم شانتی کی باتوں کے اور ان باتوں کے طالب ہیں [یا طالب

رہیں] جن سے ایک دوسرے کی ترقی ہوتی ہے۔ [یا ترقی ہو] ۵

۲۰ کھانے کی خاطر تو خدا کے کام کو نہ مٹا ۔ ساری چیزیں پاک ہیں ۔ لیکن

برا ہے ۔ ایک شخص کھانے سے [کسی کے لئے] ٹھوکر کا باعث ہو

[یا ہر چیز پاک ہے مگر اس آدمی کے لئے بری ہے جسکو اس کے کھانے

۲۱ سے ٹھوکر لگتی ہے] ۵ اچھا ہے کہ تو نہ گوشت کھائے نہ مے پئے نہ

۲۲ [اور کچھ ایسا کرے] جس سے تیرا بھائی ٹھوکر کھائے ۵ جو کچھ تو اعتقاد

رکھتا ہے وہ خدا کی نظر میں تیرے ہی پاس رہے ۔ مبارک ہے وہ جو اس

چیز کے سبب سے جسے وہ جائز رکھتا ہے اپنے آپ کو ملزم نہیں ٹھہراتا ۵

۲۳ لیکن ایک معترض کھائے تو مجرم ٹھہرتا ہے ۔ اس واسطے کہ [وہ] اعتقاد

سے نہیں [کھاتا] ۔ اور جو کچھ اعتقاد سے نہیں وہ گناہ ہے ۵

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کمزور ایمان والوں کے سبت یا اور دونوں کے

ماننے اور گوشت سے پرہیز کرنے سے مضبوط ایمان والوں کی ضمیر کو ٹھوکر لگنے

کا اندیشہ تھا ۔ کیونکہ مضبوط ایمان والے دنوں کے ماننے اور گوشت سے

پرہیز کرنے کو جائز نہیں بلکہ لاحاصل تصور کرتے تھے ۔ لیکن کمزوروں کی ضمیر کو

گوشت کھانے یا سبت کے توڑنے سے ٹھوکر لگتی تھی۔ رسول نے اس کا حل یہ نکالا کہ چاہیئے کہ کوئی کسی کی ٹھوکر کا باعث نہ بنے۔ اور ہر شخص سچی محبت کی چال چل کر ایسا طریق عمل اختیار کرے جس سے اوروں کی روحانی ترقی ہو۔ یہ ہی حل ہے جو کرنتھس کی کلیسیا کو بھی بتایا گیا۔

۱۳ کھانے پینے یا ایسے معاملات کے متعلق جن میں خدا نے ہمیں آزاد رکھا ہے مناسب نہیں کہ کوئی کسی پر اعتراض کرے اور کوئی کسی کے طرز عمل پر جواب مطالبہ کرے کیونکہ منصف صرف خدا ہی ہے۔ اور ہر شخص اپنی ضمیر کا بیان صرف خدا ہی کو دینا پسند کرتا ہے۔ اس لئے کہ ہم خدا کے ہاں اپنی زندگی کے جوابدہ ہیں نہ کہ انسان کے ہاں۔ لہذا میں ان بھائیوں سے کہتا ہوں جو گوشت سے پرہیز کرنے والے اور دنوں کے ماننے والے ہیں۔ کہ تم بھی ان پر الزام نہ لگاؤ جو تمہارے خیالات سے متفق نہیں۔ دیکھو خداوند بھی کہتا ہے کہ "الزام نہ لگاؤ کہ تم پر بھی الزام نہ لگایا جائے" متی ۷: ۱-۵ اور ان بھائیوں سے جو اپنے آپ کو مضبوط ایمان والا سمجھتے ہیں۔ یہ درخواست کرونگا کہ تم اپنے مسیحی بھائیوں کی لحاظ کرتے ہوئے ہر چیز سے پرہیز کرو اور اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لو کہ آئندہ کسی کی چیز کو حقیر نہ جانو گے اور ہاں پھر اپنے کسی بھائی کے آگے کوئی ایسی چیز نہ رکھو گے جس سے وہ پرہیز کرتا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اس کی ضمیر کو ٹھوکر لگتی ہے اور سچی ایمان میں اس کی ترقی رک جاتی ہے۔ بلکہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ ایمان سے گر نہ پڑے۔ پس خبردار کوئی اپنے بھائی کے لئے کسی امر میں ٹھوکر یا بربادی کا باعث نہ ہو۔ کیونکہ خداوند فرماتا ہے "جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلاتا ہے اسکے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے اور

وہ گہرے سمندر میں ڈبو دیا جائے۔ ٹھوکروں کے سبب سے دنیا پر افسوس ہے
کیونکہ ٹھوکروں کا ہونا ضرور ہے۔ لیکن اُس آدمی پر افسوس ہے جس کے باعث
ٹھوکر لگے" (متی ۱۸: ۶-۷)۔ مسیحی آزادی اچھی ہے۔ بشرطیکہ تم ہوشیار
رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری یہ آزادی کمزوروں کے لئے ٹھوکر کا باعث بنے (۱-کرنتھیوں
۸: ۹)۔ اور "تمہاری نیکی کی بدنامی نہ ہو" (مقابلہ کرو ۱-کرنتھیوں ۱۰: ۲۳-۳۰)۔

۱۴ مجھے معلوم ہے اور میرے دل میں روح القدس کے بخشے سے میری مسیحی ضمیر کبھی یہی
کہتی ہے کہ کوئی شے بذاتہ خود حرام نہیں اس لئے کہ خدا سب کا خالق ہے اور
خوردونوش کی کسی شے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو محض کھانے سے انسان کو گنہگار
بناتی ہے (مرقس ۷: ۱۵-۲۳، اعمال ۱۰: ۹-۱۶)۔ لیکن جو شخص کسی شے کو حرام سمجھتا
ہے اس کے لئے وہ حرام ہے کیونکہ ایسا شخص اگر ایسی چیز کو کھائے جسے وہ
حرام سمجھتا ہے تو ایسی حالت میں وہ اپنی ضمیر کا مخالف اور اس کی ہدایت
کا توڑنے والا ٹھہرتا ہے جو مسیحی زندگی کے لئے نہایت ہی مضر ہے۔ اور ایسا کرنے
سے اُسے کوئی خوشی بھی حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اس کی ضمیر اسے ہمیشہ ملزم ٹھہرا کر
ملامت کرے گی۔ مسیحی بیزا [D] لوقا ۶: ۵ کے بعد خداوند کی نسبت یوں مذکور
ہے کہ "اسی روز سبت کے دن کسی کو کام کرتے ہوئے دیکھ کر اس نے کہا
کہ اے آدمی جو کچھ تو کر رہا ہے اگر اسے جانتا ہے تو تو مبارک ہے۔ لیکن
اگر تو نہیں جانتا تو تو لعنتی اور شریعت کا عدول کرنے والا ہے"۔

۱۵ اگر کسی مسیحی بھائی یا بہن کی ضمیر بعض اشیاء کے کھانے پینے کو روا قرار نہیں دیتی
اور تو جان بوجھ کر ایسوں کے سامنے ان اشیاء کو کھاتا پیتا ہے یا ان کے
سامنے اس امر پر فخر کرتا ہے اور لاحاصل مباحثہ کرتا ہے اور ان کے دل
کو رنج پہنچاتا ہے تو پھر تو محبت کے قاعدہ پر نہیں چلتا جو مسیحی زندگی کا فرض ہے

پس ہوشیار رہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے کھانے پینے سے جو قابلِ قدر شئے نہیں
ایک روح ہلاک ہو جائے جس کے واسطے خداوند مسیح ہوا کیونکہ ہو سکتا ہے
کہ تیری ایسی حرکت سے تیرے کمزور بھائی کو ایسی نفرت ہو کہ وہ مسیحی ایمان
سے گر پڑے۔ حالانکہ تیری ذمہ داری یہ ہے کہ تو اپنی زندگی اور رفتار و گفتار
سے اپنے بھائی کو ایمان میں مضبوط کرے۔ کیا ہماری ذمہ داری محض اسی قدر
ہے کہ اپنے بھائی کے لئے ٹھوکر کا باعث نہ ہوں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ مسیحی
ایمان سے گر پڑے؟ کیا ہماری ذمہ داری یہ بھی نہیں کہ ہم اپنے پڑوسی ہندو
اور مسلمان وغیرہ کیلئے بھی ٹھوکر کا باعث نہ ہوں تاکہ غیر مسیحیوں میں " خدا کا کلام
بدنام نہ ہو" (ططس ۲: ۵) اور مسیحی پیغام بیکار نہ جائے بلکہ " خداوند کا کلام زور پکڑ
کر پھیلتا اور غالب ہوتا جائے"؟ (اعمال ۱۹: ۲۰)۔ رسول فرماتے ہیں " تم نہ
یہودیوں کے لئے ٹھوکر کا باعث بنو نہ یونانیوں کے لئے نہ خدا کی کلیسیا کے لئے
چنانچہ میں بھی سب باتوں میں سب کو خوش کرتا ہوں اور اپنا نہیں بلکہ بہتوں کا
فائدہ ڈھونڈتا ہوں تاکہ وہ نجات پائیں" - (۱ کرنتھیوں ۱۰: ۳۲-۳۳) " میں یہودیوں
کے لئے یہودی بنا تاکہ یہودیوں کو کھینچ لاؤں ..... بے شرع لوگوں کے لئے
بے شرع [بنا] تاکہ بے شرع لوگوں کو کھینچ لاؤں" وغیرہ (۱ کر ۹: ۱۹-۲۳)
کیا ہم بھی دنیاوی طور طریق کے معاملات میں اپنی زندگی ایسی رکھ سکتے ہیں جو کسی
کی ضمیر کے لئے ٹھوکر کا باعث نہ ہو؟ کیا ہم اگر مناسب ہو تو ہندو پڑوسیوں
کی خاطر گائے کے گوشت اور مسلم پڑوسیوں کی خاطر خنزیر اور شراب سے
پرہیز کر سکتے ہیں؟ کیا اگر بہتر ہو ہم مغربی لباس اور مغرب کے غیر مفید اور مضر طور
۱۴ طریق سے پرہیز کر سکتے ہیں تاکہ قوم فروش نہ کہلائیں؟ پس چاہیے کہ تمہاری
مسیحی آزادی ایسی خلوص دلی اور نیک نیتی سے استعمال کی جائے کہ مسیحیوں اور

غیر مسیحیوں میں کسی طرح سے بھی بدنامی کا باعث نہ ہو۔ سب چیزیں روا تو ہیں مگر
سب چیزیں مفید نہیں۔ سب چیزیں روا تو ہیں مگر سب چیزیں ترقی کا باعث
نہیں۔ کوئی اپنی بہتری نہ ڈھونڈے بلکہ دوسرے کی" ۱ کر ۱۰: ۲۳-۲۴۔
"کھانے پیٹ کے لئے ہیں اور پیٹ کھانوں کے لئے لیکن خدا اس کو اور ان کو
دونوں کو نیست کرے گا" ۱ کر ۶: ۱۳ "کھانا ہمیں خدا سے نہیں ملائیگا
اگر نہ کھائیں تو ہمارا کچھ نقصان نہیں اور اگر کھائیں تو کچھ نفع نہیں۔ اسی سبب
سے اگر کھانا میرے بھائی کو ٹھوکر کھلائے تو قیامت تک میں گوشت نہ کھاؤنگا
تاکہ اپنے بھائی کے لئے ٹھوکر کا سبب نہ بنوں" ۱ کر ۸: ۸، ۱۳ "پس کھانے
پینے یا عید یا نئے چاند یا سبت کی بابت کوئی تم پر الزام نہ لگائے" کل ۲: ۱۶۔
"اچھا ہے کہ تو نہ گوشت کھائے نہ مے پئے نہ [اور کچھ ایسا کرے] جس
سے تیرا بھائی ٹھوکر کھائے" کیونکہ کھانے پینے اور دنوں کے ماننے کا نام خدا کی بادشاہت
نہیں۔ نہ ایسی لاحاصل باتوں کا نام مسیحیت ہے کہ ہم ان پر زور دیں جیسا کہ ہندو
اور مسلمانوں کا اس وقت حال ہے۔ مسیحیت ایسی چیزوں میں نہیں اٹکی ہے بلکہ
خدا کی بادشاہت خدا کے فضل اور مسیحی ایمان سے حاصل ہوتی ہے اور بادشاہت
کی صفت الہی راستبازی ہے جو روح القدس کی موجودگی سے حاصل ہوتی ہے
اور اسی روح پاک سے ہمیں وہ شانتی اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جو دنیا کی
ساری عیش و عشرت کے سامان نہیں مہیا کر سکتے۔ یہ الہی راستبازی اور شانتی اور
خوشی اس بات کا اظہار ہیں کہ ہم خدا کے فرزند ہیں۔ اور اگر خدا کے فرزند ہیں تو ہمارا
خدا اور انسان کے ساتھ میل ہے اور ہم امن و امان کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس
کے مقابل میں ذرا ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرف دیکھیں کہ ان کے حرام و حلال
کی تمیز یا ایسا ہی کوئی اور ادنیٰ خیال مذہب کا گویا لازمی جزو بن گیا کس قدر

خونریزی اور فساد کا باعث ہوتا ہے۔ اکثر اوقات وہ ایسے خیالات کی وجہ سے ایک
دوسرے سے خائف رہتے ہیں اور با امن اور خوشی کی زندگی نہیں بسر کر سکتے ٭
۱۸ لیکن جو شخص مسیحی زندگی بسر کرتا ہے اور اپنے کمزور بھائیوں کا خیال رکھتا ہے اور
محبت کے ساتھ ان کے ایمان کی مضبوطی کا کوشاں ہے اور کسی کی ٹھوکر کا باعث
نہیں۔ وہ خداوند مسیح کی خدمت کرتا ہے۔ اور جو اس طور سے خداوند کی خدمت
۱۹ کرتا ہے۔ وہ خدا اور انسان دونوں کی نظر میں مقبول ہے ٭ اور میں امید
رکھتا ہوں کہ ہم سب یعنی میں اور تم دونوں شانتی کی باتوں کے طالب ہیں اور ہمیشہ
امن و امان کے کوشاں ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھتے ہیں کہ
باہمی ترقی ہو۔ اور ضرور ہے کہ ہم ان باتوں سے پرہیز کریں جن سے الہٰی اور انسانی
تعلقات میں ترشی آتی ہے اور آپس کے تعلقات کشیدہ ہوتے ہیں اور اپنی یا کسی
۲۰ اور کی روحانی ترقی رک جاتی ہے ٭ کھانے پینے کی خاطر خدا کے کام کو نہ خراب کرو اور
ہر ایک چیز کی واجب قدر سیکھو۔ بڑی بات کو ہلکا نہ کرو۔ نہ معمولی بات کو ضرورت
سے زیادہ اہمیت دو۔ بلکہ بنی آدم کی نجات اور خدا کی بادشاہت کی ترقی کی خاطر اپنی
شخصی دلچسپی کو قربان کرنا سیکھو اور دوسروں کے فائدہ کی خاطر اپنا نقصان بھی ایک
مفید ایثار جانو۔ ہر چیز پاک تو ہے لیکن یہ مناسب نہیں کہ کوئی شخص کھانے پینے سے
کسی کے لئے ٹھوکر کا باعث ہو۔ پس ضرور ہے کہ تم دوسرے کی ضمیر کا لحاظ رکھو
اور تمہارے کھانے پینے سے یا اور کسی ایسی بات سے کسی کو ٹھوکر لگتی ہے اور اس
کی روحانی ترقی رک جانے کا اندیشہ ہے تو بہتر ہے کہ تم ایسا کھانا پینا ترک کرو اور اپنے
بھائی کی خاطر اپنی آزادی کو کام میں نہ لاؤ۔ [یا کھانے کی ساری چیزیں پاک اور حلال
تو ہیں لیکن اگر کسی کی ضمیر کسی شے کے کھانے پینے سے اسے منع کرتی ہے تو ایسی شے
کا کھانا اس کے لئے مناسب نہیں جس شے کو کوئی شخص اپنے لئے بری سمجھتا ہے بس وہ

اس کے لئے بری ہے اور ضرور ہے کہ وہ اُسے نہ کھلائے اور اپنی ضمیر کی مخالفت نہ کرے۔ اور جو بھائی کھانا پینا روا رکھتے ہیں انھیں چاہیئے کہ اپنے کمزور بھائیوں کی ضمیر کا خیال رکھیں۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ ان کی خاطر قابل اعتراض چیزیں مثلاً گوشت مے وغیرہ کا کھانا پینا ہی بند کر دیں] ۲۲۔ کھانے پینے کے متعلق ہر شخص اپنے اعتقاد کو اپنے ہی تک محدود رکھے اور مناسب نہیں کہ ہندو ولی اور مسلمانو کی طرح کوئی مسیحی بھی ایسی بات کو ایمان کا جز سمجھے کہ خواہ کبھی دوسروں کے لئے تکلیف اور ٹھوکر کا باعث بنے۔ ایسے امور میں ہر شخص کا اعتقاد اس کے اپنے لئے ہو۔ اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسے چاہیئے کہ انسان اپنے اور خدا کے بیچ میں رکھے اور اپنے اور ایسے شخص کے بیچ میں نہ آنے دے جس کی ضمیر کو اس سے ٹھوکر لگتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ جس چیز کا تم کھانا روا سمجھتے ہو اسے جھجک کر نہ کھاؤ اور کھا کے پریشان نہ ہو۔ اور اگر طبیعت جھجکتی ہے اور تم اس کا کھانا ناجائز سمجھتے ہو تو بہتر ہے کہ اس سے قطعی پرہیز کرو ورنہ تم خود اپنی نظر میں مجرم ٹھہرو گے۔ مبارک ہے وہ شخص جو اپنے آپ کو اس طرح مجرم نہیں ٹھہراتا اور اپنی ضمیر کے مطابق کام کرتا ہے ۲۳۔ اور کسی شے کے کھانے پینے پر اعتراض کرنے والا خود بھی اُسے کھائے تو مجرم ٹھہرتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی اپنی ضمیر اسے ملامت کرے گی۔ کیونکہ وہ اعتقاد سے نہیں بلکہ ناجائز سمجھتے ہوئے بھی کھاتا ہے۔ اور جو اس طرح اپنی ضمیر اور اعتقاد کے خلاف کرتا ہے وہ گناہ کرتا ہے کیونکہ اعتقاد کی بنیاد ایمان پر ہے۔ اور جو بات اعتقاد سے نہیں اس کی بنیاد ایمان پر نہیں۔ اور جو اعتقاد کے خلاف ہے وہ ایمان کے بھی خلاف ہوا۔ اور جو اعتقاد کو توڑتا ہے وہ ایمان کو بھی متزلزل کرتا ہے۔ لہٰذا یہ گناہ ہوا۔ اور یہ بات بھی ہے کہ ایسی حرکت کرنے سے انسان اپنی ضمیر کی طاقت کو توڑتا ہے اور

اپنے دل میں ایک ایسا خوف پیدا کرتا ہے جو اُسے خدا سے علیحدہ کرنے کا باعث ہو سکتا ہے ۔ [کلام پاک کا نسخہ L میں تمجید ۱۶: ۲۵-۲۷ کے بجائے باب ۱۴ کے اخیر میں یعنی ۱۴: ۲۳ کے بعد پائی جاتی ہے ۔ A اور P کے نسخوں میں تمجید دونوں مقامات پر پائی جاتی ہے ۔ اور نسخہ G تمجید کے بجائے اس کے لئے ۱۴: ۲۳ کے بعد کچھ جگہ خالی چھوڑ دیتا ہے] ۔

۵ زور آور اور ناتوان ۱۵: ۱-۷

متن فلپ ۲: ۱-۱۱

۱ اور ہم زور آوروں کو چاہیئے کہ ناتوانوں کی کمزوریوں کو برداشت کریں نہ کہ اپنی خوشی پوری کریں ۔ ۲ ہم میں سے ہر شخص [اپنے] پڑوسی کو [اس کی] بھلائی کے لئے خوش کرے تاکہ [اس کی] ترقی ہو ۔ ۳ کیونکہ مسیح نے بھی اپنی خوشی نہیں پوری کی بلکہ جیسا لکھا ہے ۔ تجھ کو ملامت کرنے والوں کی ملامتیں مجھ پر آ پڑیں ۔ ۴ کیونکہ جتنی باتیں پہلے لکھی گئیں ہماری تعلیم کے لئے لکھی گئیں تاکہ صبر اور نوشتوں کی تسلی سے امید رکھیں ۔ ۵ اور خدا صبر اور تسلی کا چشمہ تمہیں یہ بخشے کہ مسیح یسوع کی طرح تم ایک دوسرے کا یکساں خیال رکھو ۔ ۶ تاکہ تم ہم طبع ہو کر یک زبان خدا اور ہمارے خداوند یسوع مسیح کے باپ کی تمجید کرو ۔ ۷ پس تم ایک دوسرے کو قبول کرو جیسے مسیح نے بھی تمہیں الٰہی جلال کے لئے قبول کیا ۔

زور آوروں کا یہ کام نہیں کہ ایسی آزادی دکھائیں جس سے اوروں کو ٹھوکر لگتی ہے اور ایسی حرکتوں پر فخر کریں اور خوش ہوں جن سے دوسروں کا دل

دکھتا ہے۔ بلکہ ایمان کی زورآوری اس میں ہے کہ ہم کمزوروں کی غلطیوں کی برداشت کریں اور ان کی ضمیر کو ٹھوکر نہ لگنے دیں تاکہ اُن کی خوشی پوری ہو اور ان کا ایمان ترقی کرتا جائے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کا طریقہ دیکھیں کہ وہ چھیڑ چھاڑ اور چڑھانے کو مذہبی خدمت سمجھتے ہیں اور اپنی خوشی کے آگے دوسروں کی ضمیر کی قطعی پرواہ نہیں کرتے۔ اگر ان کے اصول پر دنیا چلے تو کل کے بجائے آج ہی فنا ہو جائے لیکن ہم مسیحیوں کا یہ طریقہ نہیں۔ بلکہ ہم میں سے جو اپنے آپ کو ایمان میں مضبوط سمجھتے ہیں انہیں چاہیئے کہ کمزور ایمان والوں کی برداشت کریں۔ اور محض اپنی خوشی نہ تلاش کریں بلکہ ان کی خوشی کے خواہاں ہوں تاکہ وہ ایمان میں ترقی کرتے جائیں ۵ ایک مسیحی کو چاہیئے کہ اپنے بھائی اور پڑوسی کی کمزوریوں کا مضحکہ اڑانے کے بجائے ان کی روحانی ترقی کی کوشش کرے اور اپنے معاملات میں ایسا برتاؤ رکھے جس سے وہ خوش ہوں نہ کہ بیجا طور پر ان کی ضمیر کو ٹھٹھے میں اڑا کر اپنی خوشی پوری کرے۔ کیونکہ اگر ان کے حرام وحلال کی تمیز اور ان کے دنوں وغیرہ کے ماننے کا مضحکہ اڑایا جائے تو اس سے کیا حاصل سوائے اس کے کہ ان کی ضمیر کو اور ٹھوکر لگے اور تعلقات کشیدہ ہوں اور ان کی روحانی ترقی رک جائے۔ لیکن اگر ہم ان کی ضمیر کی تعظیم کریں اور ان کی خوشی پوری کریں اور ان کی روحانی ترقی کے خواہاں ہوں تو جیسے جیسے وہ مسیحی علم و عقل میں ترقی کرتے جائیں گے یہ سب باتیں آپ ہی جاتی رہیں گی ۵ دیکھو خداوند نے بھی ہماری خاطر "اپنے آپ کو خالی کر دیا۔ اور خادم کی صورت اختیار کی اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا۔ اور انسانی شکل پا کر اپنے آپ کو پست کر دیا اور موت بلکہ صلیبی موت تک وفادار رہا" فلپ ۲: ۷-۸۔

پس جیسا کہ خداوند نے دنیا کی اخلاقی کمزوری اور گناہ کے علاج کی خاطر اپنی خوشی اور بزرگی کو چھوڑ کر حلم کے ساتھ انسانی شکل اختیار کی۔ اسی طرح تم بھی اپنے بھائی کی روحانی ترقی کی خاطر اپنی خوشی چھوڑ کر ان کی خوشی کے خواہاں رہو۔ یہی نہیں بلکہ خداوند نے تو یہاں تک کیا کہ ہماری ترقی اور بہتری کی خاطر ہر طرح کی ذلت گوارا کی۔ یہاں تک کہ صلیب پر مر گیا۔ اور زبور ۶۹: ۹ کا قول اس پر کس قدر صادق آتا ہے کہ "تجھ کو ملامت کرنے والوں کی ملامتیں مجھ پر آ پڑیں"۔ یہ ملامتیں اور ذلتیں جو خداوند نے سہیں فقط اپنی راستبازی اور خدا کی خاطر نہیں بلکہ بنی آدم کی خاطر بھی تھے۔ اور کلام پاک کی باتیں جیسے اس زمانہ کے لوگوں کے لئے تھیں ویسے ہی ہمارے فائدہ کے لئے بھی لکھی گئیں تاکہ ہم ان سے تعلیم حاصل کریں اور حضرت ابراہیم کے ایمان کے واقعہ کی طرح ایوب نبی کا صبر بھی ہمیں کچھ سبق سکھائے اور ایسی تعلیم اور واقعات سے کلام پاک ہمیں صبر اور امید کا سبق پڑھاتا ہے اور بزرگوں کی مثال سے ہمیں تسلی دیتا ہے۔ تسلی اور امید کے خیال سے ساتھ ہی رسول کی زبان سے بے ساختہ ایک دعا نکل پڑی کہ صبر اور تسلی کا عطا کرنے والا خدا رومی کلیسیا کے یہودیوں اور غیر یہودیوں۔ زور آوروں اور ناتوانوں کو خداوند مسیح کا سا مزاج دے کہ وہ بھی کمزوروں کی برداشت اور ان کی بھلائی کے ایسے خواہاں ہوں کہ اپنا نقصان بھی گوارا کریں۔ اور آپس میں ایک دوسرے کا خیال رکھیں اور آپس میں میل ملاپ کی ایسی زندگی کاٹیں کہ کسی کے لئے بربادی کا باعث نہ ہوں۔ اور مسیحی محبت اور روح القدس کی موجودگی کے باعث خداوند مسیح کے نمونہ پر واحد مزاج اور یکساں طبیعت حاصل کریں اور دل تسلی اور شانتی کے ساتھ ایسی خوشی حاصل

کریں کہ سب مل کر یک آواز ہمارے منجی خداوند مسیح کے خدا اور باپ کی حمد کریں کہ اس نے کیا یہودی کیا غیر یہودی دونوں کو نجات کا وارث بنایا اور اپنے ازلی ارادہ کے مطابق دنیا کو نجات بخشتا جاتا ہے۔" عالم بالا پر خدا کی تمجید ہو اور زمین پر ان آدمیوں میں جن سے وہ راضی ہے صلح" لوقا ۲: ۱۴ ۔ خلاصہ یہ کہ جیسا کہ تم میں سے جو یہودی تھے، ان کی نجات میں خدا کی وفاداری اور تم میں سے جو غیر یہودی تھے۔ ان کی بابت برگزیدگی ہوئی جس سے اس کے رحم و فضل کو خداوند یسوع مسیح نے ظاہر کیا کیونکہ خدا نے مسیح کے وسیلہ سے اپنے ساتھ ہمارا میل ملاپ کرلیا اور میل ملاپ کی خدمت ہمارے سپرد کی۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کرلیا اور ان کی تقصیروں کو ان کے ذمہ نہ لگایا؛ اور اس نے میل ملاپ کا پیغام ہمیں سونپ دیا ۲ کرنتھیوں ۵: ۱۸-۱۹ ۔ اسی طرح تم بھی جو زور آور ہو کمزوروں کو سنبھالو اور ان کی روحانی ترقی کی فکر میں رہو۔ اور تم جو طرح طرح کا پرہیز کرتے ہو اور اس امر میں دوسروں پر الزام لگاتے ہو بہتر ہے کہ برداشت سے کام لو اور ماحصل طور پر اپنے بھائی کی عیب جوئی نہ کرو۔ کلام خدا کی طرح ایک دوسرے کو ایسے معاملات سے جسے تم فروعی سمجھتے ہو چشم پوشی کرو اور ایک دوسرے کو بھائی بھائی جان کر قبول کرو اور کلیسیا میں پھوٹ پڑنے کا موقع نہ دو اور آپس میں میل ملاپ اور اتفاق سے کام لو تاکہ ایسا نہ ہو کہ خداوند کا بدن تقسیم ہو جائے اور اس کا جرم تمہارے سر ہو۔ اگر تم میل اور محبت سے کام لو گے تو تمہاری رواداری سے خدا کا جلال ظاہر ہوگا جیسا کہ خداوند کی زندگی میں الٰہی رواداری سے خدا کا جلال ظاہر ہوتا ہے۔

[LGFECAS میں "تمہیں" اور PDB کے متن میں "ہمیں" مذکور ہے]۵

۱۵ب یہودی اور غیر یہودی ۱۵: ۸تا ۱۳

۸ کیونکہ میں کہتا ہوں کہ خدا کی سچائی کی خاطر مسیح مختونوں کا خادم
۹ بنا تاکہ ان وعدوں کو ثابت کرے جو آباء سے کئے گئے تھے۔ اور
غیر قومیں رحم کے سبب خدا کی تمجید کریں جیسا لکھا ہے " اس لئے
میں قوموں کے درمیان تیرا اقرار کرونگا اور تیرے نام کی مدح
۱۰ سرائی کرونگا۔ اور پھر کہتا ہے " اے قومو! اُس کے لوگوں کے
۱۱ ساتھ خوشی مناو " ۔ اور پھر " اے سب قومو! خداوند کی حمد کرو
۱۲ اور سب امتیں اس کی ستائش کریں " ۔ اور پھر یسعیاہ کہتا ہے
" یسّی کی جڑ ظاہر ہوگی ۔ اور وہ جو قوموں پر حکومت کرنے کو
۱۳ کھڑا ہوتا ہے اُسی سے قومیں امید رکھیں گی " ۔ پس خدا جو امید
کا چشمہ ہے تمہیں ایمان رکھنے کے باعث ساری خوشی اور شانتی
سے معمور کرے تاکہ روح القدس کی قدرت سے تم امید میں بڑھتے
جاؤ۔

۸ تمہیں معلوم ہے کہ خداوند مسیح یہودیوں کی نجات اور غیر یہودیوں کی بابت
میں خدا کی وفاداری اور رحم کو کس طرح ظاہر کرتا ہے ۔ چونکہ ضرور تھا کہ انجیل
پہلے یہودیوں کو سنائی جائے ۔ اس لئے خداوند مسیح نے یہودیوں کے درمیان
اپنی خدمت انجام دی اور اس خدمت کے دو اغراض تھے ۔ اول یہ کہ جو وعدے
خدا نے آباء سے کئے تھے ان کو پورا کرنے میں خدا کی سچائی اور وفاداری ظاہر
کرے ۔ دوم یہ کہ یہودیوں کی طرح غیر یہودی بھی نجات پاکر الٰہی رحم و فضل
کے سبب خدا کی بڑائی کریں ۔ الغرض خدا نے تم دونوں کو قبول کیا ہے تاکہ

تم ایک بدن ہو۔ پس مناسب نہیں کہ کسی کھانے پینے کے سوال پر تم میں کوئی جدائی پیدا ہو۔ [جارج جی فینڈلے بیکیس کا منٹری آن دی بائیبل میں اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ خداوند مسیح خود بھی عہد کا مختون خادم بنا۔ یعنی ایسا خادم جو اپنے جسم پر خدا کے عہد کا نشان (ختنہ) رکھتا تھا۔ تاکہ اس طرح خدا کی اس سچائی کو ظاہر کرے جو اُن وعدوں میں موجود تھی جو خدا نے بنی آدم کی نسبت تیار کئے تھے ۴۴: ۱۱-۱۸ | اعم ۳: ۲۴ - ۲۶] ؏ خدا کا عہد جو آبا کے ساتھ ہوا ان میں سارے جہان کی نجات کا بھید پوشیدہ تھا۔ بلکہ کلام پاک سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آبا اس امید پر مسرور تھے۔ چنانچہ زبور نویس نے خدا کے رحم و کرم پر غیر یہودیوں کے درمیان خدا کی حمد و تمجید کرنے کا ذکر یوں کیا ہے "اس لئے اے خداوند میں قوموں کے درمیان تیری شکرگزاری اور تیرے نام کی مدح سرائی کرونگا" ۱۸: ۴۹- آخر یہ شکرگذاری غیر یہودیوں کے درمیان کیوں؟ کیا اس لئے نہیں تاکہ وہ خدا کی بزرگی کو جانیں اور جب ان پر بھی الہی شفقت کی نظر ہو تو وہ بھی خدا کی تعریف کریں؟ ؎ اور پھر خود توریت میں استثنا ۳۲: ۴۳ میں مذکور ہے کہ "اے قومو! اس کے لوگوں کے ساتھ خوشی مناؤ"۔ یہاں صاف ظاہر ہے کہ خوشی کے شریک یہودی اور غیر یہودی دونوں ہیں۔ اور دونوں کو الہی رحم و کرم کی وجہ سے خدا میں مسرور رہنے کی تلقین کی گئی ہے ؁ اور پھر زبور ۱۱۷ میں مذکور ہے "اے سب قومو! خداوند کی حمد کرو۔ اے سب امتو! اس کی ستائش کرو۔ کیونکہ ہم پر اس کی بڑی شفقت ہے۔ اور خداوند کی سچائی ابدی ہے۔ خداوند کی حمد کرو"۔ کیا یہاں زبور نویس خداوند کی شفقت کو عام نہیں مانتا؟ اور کیا وہ الہی شفقت کی وجہ سے ساری قوموں کو خدا کی حمد و ستائش کرنے میں شریک ہونے کی دعوت نہیں دیتا؟ ان سب مثالوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں اور غیر یہودیوں کا باہمی اتفاق و اتحاد خدا کو پسند ہے اور

۱۲ خدا کے نیک بندے اور سفاد م پیشتر ہی سے اس خیال پر مسرور تھے ۔ اور دیکھو یسعیاہ نبی نے تو بالکل صاف ہی کہہ دیا ۔ وہ نجات کے مالک کی نسبت کہتے ہیں کہ " یسی کے تنے سے ایک کونپل نکلیگی اور اس کی جڑوں سے ایک بارآور شاخ پیدا ہو گی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس وقت یوں ہو گا کہ لوگ یسی کی اس جڑ کے طالب ہوں گے ۔ جو لوگوں کے لئے ایک نشان ہے اور اس کی آرامگاہ جلالی ہو گی " ۱۱: ۱ ۔ ۱۰ ۔ اور یسعیاہ کے اس باب سے اور دیگر مقامات سے یہ بھی ثابت ہے کہ یسی کی جڑ مسیح ہے ۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ وہ مسیح خداوند یسوع ہے جس سے غیر یہودیوں کو نجات کی امید ہے ۔ اس لئے کہ وہی اکیلا نجات دہندہ ہے ۔ اور جیسے وہ یہودیوں کا مالک ہے ویسے ہی غیر یہودیوں کا بھی حاکم ہے ۔ اور جیسے گناہ ایک عالمگیر حقیقت ہے ویسے ہی نجات بھی بلا استثنا سارے جہان کے لئے مفت ہے ۔ اس لئے خدا کے جلال اور اس کی حمد و ستائش کے لئے کیا یہودی کیا غیر یہودی سب خداوند مسیح میں ایک ہیں ۔ لہٰذا تمہیں یہ چاہیئے کہ تم دونوں کلیسیا میں بھی متفق اور متحد ہو تاکہ واجب طور سے خدا کی حمد و ستائش کر سکو ۔

۱۳ خدا کے رحم کو یاد دلا کر رسول نے غیر یہودی مسیحیوں کے دل میں امید خوشی شکر گزاری اور تمجید کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی اور اپنی نصیحتوں کو برکت کے کلمہ سے ختم کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا جو یہودیوں کے لئے امید کا چشمہ ہے تمہیں مسیحی ایمان کے سبب روح القدس کے وسیلے سے ہر طرح کی خوشی اور شانتی سے معمور کرے تاکہ تم ہر طرح کی رنجش اور بے چینی سے ہمیشہ بچتے رہو ۔ جو تمہاری مسیحی ایمان کی کمزوری کا لازمی نتیجہ ہے اور روح القدس کی قدرت سے تمہارے ایمان کے سبب تم اپنی اور اپنی قوم اور دنیا کی نجات کی امید میں بڑھتے اور مستحکم ہوتے جاؤ اور بنی آدم کی نجات کے ہر طرح سے کوشاں رہو ۔

پولس رسول کی انجیل کا خلاصہ

پولس رسول کی دلی خواہش تھی کہ روم میں خداوند یسوع مسیح کی انجیل کا پیغام سنائیں۔ کیونکہ وہ اس انجیل پہ فخر کرتے تھے اور اُسے نجات کے لیئے خدا کی قدرت تسلیم کرتے تھے۔ روم جانے سے پیشتر ہی اپنے خط کے ذریعے رسول نے رومی کلیسیا کو اپنی انجیل کی تعلیم دی تاکہ وہ قبل ہی سے اس سے واقف ہو جائیں۔ رسول نے اپنی انجیل میں الٰہی راستبازی کو ظاہر کیا۔ یہ الٰہی راستبازی گنہگاروں کو مسیحی ایمان کے سبب راستباز ٹھہراتی ہے اور گناہ کی طاقت توڑ کر روح القدس کی ایسی نئی زندگی بخشتی ہے کہ بعد ازاں انسان خود ہی نہ فقط راستباز ٹھہرتا ہے بلکہ راستباز بنتا جاتا ہے اور نفسانی طبیعت کو چھوڑ کر الٰہی صورت پر ڈھلنے لگتا ہے۔ رسول نے یہ بھی دکھایا کہ اس الٰہی راستبازی کا وعدہ سب سے پہلے اسرائیل سے کیا گیا تھا اور اس وعدہ کی شریک دیگر قومیں بھی سمجھی جاتی تھیں۔ بلکہ یہ وعدہ سارے جہان کے لیے ہے۔ انجیل کو تمام کرنے کے بعد نصیحتوں میں رسول نے یہ دکھایا کہ گو انجیل شریعت نہیں تو بھی یہ مومنوں کو اخلاق کا ایک ایسا معیار بخشتی ہے جو شریعت کے معیار سے کہیں اعلیٰ ہے۔ کیونکہ یہ معیار خود خداوند مسیح ہے۔ یہ مسیحی اخلاقی زندگی میں الٰہی راستبازی کا عمل ہے۔ اور انجیل کی بنیاد رسولی دانی الٰہی محبت ہے جیسا کہ یوحنا ۳: ۱۶ سے ثابت ہے کہ "خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔" یہ ہے رسول کی تعلیم جو آپ نے رومیوں کے آگے پیش کی تاکہ وہ خود اُسے جانچ لیں۔

۱۵ب خیر و عافیت ۱۵: ۱۴-۳۳

اور اے میرے بھائیو! میں خود بھی تمہاری نسبت یقین رکھتا

ہوں کہ تم آپ نیکی سے معمور اور تمام معرفت سے بھرے ہو اور ایک
۱۵ دوسرے کو نصیحت بھی کر سکتے ہو۔ تو بھی بعض جگہ اُس فضل کے سبب
میں نے تمہیں یاد دلانے کیلئے زیادہ دلیری سے لکھا جو مجھے خدا کی طرف
۱۶ سے حاصل ہوا ہے۔ کہ میں غیر قوموں کے لئے مسیح یسوع کا خادم بنوں اور
کاہن کی طرح خدا کی انجیل کی خدمت کروں تاکہ غیر قومیں روح
۱۷ القدس سے مقدس ہو کر ایک مقبول نذر بنجائیں۔ پس مسیح یسوع
۱۸ میں مجھے ان باتوں پر فخر حاصل ہے جو خدا سے متعلق ہیں۔ کیونکہ
میں کچھ کہنے کی جرأت نہ کروں گا سوا اُن باتوں کے جو مسیح نے غیر
قوموں کے تابع کرنے کے لئے میری وساطت سے کیں۔ قول فعل سے
۱۹ نشانوں اور معجزوں کی قدرت سے [اور] روح القدس کی قدرت
سے۔ یہاں تک کہ میں نے یروشلیم سے لیکر چاروں طرف اِلُرکُم تک
۲۰ مسیح کی انجیل کی پوری پوری منادی کی ہے۔ اور یہ حوصلہ رکھتا ہوں
کہ جہاں مسیح کا نام نہیں لیا گیا وہاں انجیل کی بشارت دوں تاکہ دوسرے
۲۱ کی بنیاد پر عمارت نہ اٹھاؤں۔ بلکہ جیسا لکھا ہے "جن کو اس کی خبر نہیں
۲۲ پہنچی وہ دیکھیں گے اور جنھوں نے نہیں سنا وہ سمجھیں گے"۔ اسی لئے
۲۳ میں تمہارے پاس آنے سے بار بار رکا رہا۔ لیکن اب ان اقلیموں میں میرے
لئے کوئی جگہ باقی نہ رہی اور کافی سالوں سے میں تمہارے پاس آنے کا
۲۴ مشتاق ہوں۔ اور اسپانیہ جاتے ہوئے ممکن ہے کہ تم سے ملتا جاؤں۔
اور جب پہلے کسی قدر تم سے سیر ہو جاؤں تو تم آگے وہاں روانہ کر دینا ہے
۲۵ لیکن ابھی تو مقدسوں کی خدمت کرنے کے لئے یروشلم جا رہا ہوں۔
۲۶ کیونکہ مکدنیہ اور اخیہ یروشلم کے غریب مقدسوں کے لئے کچھ چندہ

دینے کو رضامند ہوئے ہیں ٭ رضامند ہوئے ہیں کیونکہ وہ ان کے قرضدار
رہے ہیں اس لئے کہ جب غیر قومیں روحانی باتوں میں ان کی شریک ہوئیں
جن کا کام ہے کہ جسمانی باتوں میں بھی ان کی خدمت کریں ٭ پس میں اس
کے کام کو پورا کر کے اور جو کچھ حاصل ہوا ان کو سونپ کر [یا اس ثمرہ
وران کے لئے مہر کر کے] تمہارے پاس ہوتا ہوا اسفانیہ چلا جاؤں گا ٭
۲۹ اور میں جانتا ہوں کہ جب تمہارے پاس آؤں گا تو مسیح کی پوری برکت
۳۰ کے ساتھ آؤں گا ٭ اور اے بھائیو! میں یسوع مسیح کا جو ہمارا خداوند
ہے واسطہ دیکر روح کی محبت سے تم سے التماس کرتا ہوں کہ میرے
۳۱ لئے خدا سے دعائیں کرنے میں میرے ساتھ مل کر جانفشانی کرو ٭ کہ
میں یہودیہ کے نافرمانوں سے بچا رہوں اور میری وہ خدمت جو
۳۲ یروشلم کے لئے ہے مقدسوں کو پسند آئے ٭ تاکہ خدا کی مرضی سے
۳۳ تمہارے پاس خوش خوش آکر تمہارے ساتھ آرام پاؤں ٭ اور خدا
جو امن کا بانی ہے تم سب کے ساتھ رہے آمین ٭

رسول نے اپنے خط کو شروع کرنے کے بعد ۱:۱۵ پر روک دیا ۔ اور ۱:۱۶-۱۵:
۳ میں اپنی انجیل کو پیش کیا ۔ ۲۱ کے بعد ۱:۱۴ سے پھر اپنے خط کا مضمون
کو شروع کیا ۔ انجیل کا تعلیمی مضمون ۱۱:۳۶ پر ختم ہوا اور ۱:۱۲ سے انجیل کی
بنیاد پر نصیحتیں شروع ہوئیں جس میں ۱:۱۲-۱۳:۱۴ میں رسول نے عام نصیحتیں کیں
اور اس کے بعد ۱:۱۴-۱۵:۱۳ میں آپ نے خاص طور سے رومی کلیسیا کی حالات
کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں نصیحتیں کیں ۔ اور چونکہ رومی کلیسیا سے رسول کا کوئی
تعلق نہ تھا اور یہ کلیسیا پیشتر ہی سے بہت شہرت حاصل کر چکی تھی ۔ اس لئے
رسول نے بہتر جانا کہ انہیں بتا دیں کہ میری نصیحتوں کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ رومی

کلیسیا کسی اخلاق میں پیچھے اور نصیحتوں کی حاجتمند ہے۔ بلکہ رسول کا مقصد
محض انہیں اخلاقی طور سے تازہ دم اور مسیحی کوششوں میں سرگرم رکھنا تھا۔

۱۴ اے بھائیو! میں جانتا ہوں کہ تم میری نصیحتوں کے حاجتمند نہیں۔ اور مجھے
یقین ہے کہ تم خود بھی نیکی سے معمور اور الٰہی معرفت سے ایسے بھرے ہو کہ
خدا کی سچائی اور اس کی مرضی سے خوب واقف ہو۔ اور تم میں اتنی صلاحیت
بھی ہے کہ ایک دوسرے کو نصیحت کرو اور کمزوروں کو سنبھالو (کیا ہندوستانی
۱۵ کلیسیا بھی اس قابل ہے کہ کوئی بزرگ اسے اس طرح خطاب کریں؟) تو بھی میں
نے اس خط میں بعض جگہ (۶: ۱۲ ، ۱۲: ۳۰ اور باب ۱۲-۱۴) میں یاد دلانے کے لئے
نہایت تاکید کے ساتھ تمہیں نصیحتیں کیں اور اس امر میں دلیری سے کام لے
۱۶ سکا۔ کیونکہ خدا نے مجھے اپنے فضل سے غیر قوموں کے لئے خداوند یسوع مسیح
کا خادم اور رسول مقرر کیا ہے (۱: ۱-۶ ، ۱۲: ۳) کہ میں کاہنوں کی طرح خدا
کی انجیل کی ایسی خدمت انجام دوں کہ غیر یہودی اشخاص جو خداوند مسیح پر ایمان
لاتے ہیں انہیں خدا کے حضور بطور نذر پیش کروں۔ میں انجیل کی خدمت میں
کوشش کرتا ہوں کہ غیر یہودی جو گناہ کے سبب خدا کے حضور میں ناپاک
اور نجس ہیں مسیحی ایمان اور روح القدس کے حصول سے الٰہی امتیازی اور
پاکیزگی حاصل کریں۔ اور اس طرح اس قابل بن جائیں کہ پاک نذر کے
طور پر پیش کئے جا سکیں۔ اور جبکہ یہ نذر روح القدس سے پاک ہے تو خدا ضرور قبول
کرے گا۔ اس سے پیشتر رسول ۱۲: ۱ میں ذکر کر چکے ہیں کہ مسیحی زندگی ایک ایسی قربانی
ہے جو ہر شخص خدا کے نام سے خود کرتا ہے۔ اور یہ قربانی زندہ پاک اور پسندیدہ
ہے۔ اور جہاں کہیں رسول کی انجیل خدمت سے ایسا ہوتا رہا کہ لوگوں نے اپنی زندگی
کو خدا کے نذر کیا۔ وہاں رسول کی کہانت کی خدمت بھی انجام پاتی رہی۔ مسیحی

خادم الدین کی کہانت یہی ہے۔ اور ضرور ہے کہ ہر ایک پاسبان کلیسیا ایسی ہی خدمت انجام دے۔ اگر کسی پاسبان کی ایسی خدمت نہیں تو وہ اس مفہوم میں خدا کا کاہن نہیں جو محض خدام دین کے لئے مخصوص ہے۔ میں اپنی خدمت پر جو الٰہی خدمت ہے فخر کر سکتا ہوں کہ خدا نے مجھے رسول مقرر کیا اور کلیسیا نے مخصوص کیا اور خداوند مسیح کے فضل سے میری خدمت کی کامیابی میری رسالت کی سند ہے ۲ کر ۱۰:۱۳-۱۶۔ اس امر کی چنداں ضرورت نہیں نہ مجھے جرأت ہے کہ میں اپنی رسالت کے ثبوت میں فخر کے ساتھ اپنی بڑائی کا بیان کروں۔ کیونکہ اس کے ثبوت کے لئے یہی امر کافی ہے کہ میں محض اتنا ذکر کردوں کہ خداوند مسیح نے غیر یہودیوں کو مومن بنانے اور ان کی نجات کے لئے اپنے کلام اور کام اور نشانوں اور معجزوں اور روح القدس کی قدرت سے کام لیا۔ خداوند نے اپنا کلام ان تک پہنچایا۔ ان کے درمیان اپنی خدمت انجام دی اور ان کے دلوں میں نجات کا کام کرتا رہا۔ اس نے زمانہ اور حالات کے نشانوں سے انہیں سمجھایا اور معجزوں سے اپنے کلام کی سچائی پر مہر کی۔ اور اپنی قدرت کو ان پر ظاہر کیا۔ اور روح القدس کے وسیلہ سے ان کے دلوں کو تبدیل اور ان کی زندگی کو پاک کرتا رہا۔ اور یہ سب کچھ خداوند نے اس لئے کیا تاکہ وہ نجات پائیں اور ان سب امور میں بندہ خداوند مسیح کا آلہ تھا۔ جس کے ذریعے خداوند نے اپنی نجات کا کام کیا۔ ۲ کر ۱۰:۱۳-۱۷ اور ۱۲:۱۱-۱۳ (دیکھو رسول کی زندگی بھی) تمہیں یہ بھی معلوم ہو کہ میں نے یروشلم سے لے کر الرکم تک رومی حکومت کے سارے مشرقی ممالک میں خداوند مسیح کی انجیل کی جان توڑ خدمت کی اور جو ایمان لائے انہیں کاہنوں کی طرح خداوند کے حضور پیش کرتا رہا لو ۲۴:۴۷ اور خدا کا شکر ہے کہ ان علاقوں میں ایسی مستحکم کلیسیائیں بھی قائم

ہو چکی ہیں جو خداوند کے کام کو جاری رکھیں۔ اور خداوند میری ساری خدمتوں
میں میرے ساتھ رہا اور میرے ذریعہ سے اپنے کام کو انجام دیتا رہا مر ۱۶: ۲۰۔
۲۰، ۲۱ اور خداوند کی خدمت کے متعلق میرا ہمیشہ یہ حوصلہ رہا ہے کہ ایسی
جگہوں میں انجیل سناؤں جہاں کسی نے منادی نہیں کی اور جہاں کوئی خداوند
مسیح کا ماننے والا نہیں اور جہاں لوگ اس مقدس نام سے قطعی ناواقف ہیں
تاکہ محض اپنی خدمت سے نئی نئی جگہوں میں کلیسیائیں قائم کروں اور دوسروں
کی بنیاد پر عمارت نہ اٹھاؤں بلکہ جیسا یسعیاہ ۵۲: ۱۵ میں مذکور ہے ویسا ہی ہو
کہ قومیں اور سلاطین خدا کے خادم مسیح کے دکھ کا حال سن کر حیران ہوں اور
جو کچھ ان سے کبھی کہا نہ گیا تھا وہ دیکھیں اور جو کچھ انھوں نے پیشتر نہ سنا تھا وہ
۲۲ سمجھیں۔ اور انجیل کو قبول کر کے خداوند پر ایمان لائیں اور نجات پائیں۔ چنانچہ
میں انجیل کی خدمت میں اس قدر مشغول رہا کہ گو میں تمہارے پاس آنے کا ہمیشہ
خواہشمند رہا لیکن اب تک نہ آسکا۔ میں اپنی خدمت کے عرصہ میں نئی نئی جگہوں کو
تلاش کرتا رہا اور جہاں کہیں انجیل کا پیغام نہیں سنا گیا تھا میں نے اپنی خدمت
۲۳ وہیں شروع کی۔ اگر ایسا نہ کرتا تو تمہارے پاس کبھی کا پہنچا ہوتا۔ لیکن اب
رومی حکومت کے مشرقی ممالک میں کوئی ایسی جگہ باقی نہ رہی۔ جہاں انجیل کا پیغام
نہ پہنچا ہو اور یہاں اپنی خدمت تمام کرنے کے بعد مجھے اس بات کا موقع ہے کہ
انجیل کا پیغام مغرب میں بھی پہنچاؤں اور سلطنت کے مغربی علاقہ میں جہاں
نجات کا کلام نہیں پہنچا۔ وہاں خداوند مسیح کے نام کی منادی کروں اور تمھاری
۲۴ ملاقات کا شرف حاصل کروں جس کا میں کافی عرصہ سے مشتاق رہا ہوں۔ میرا خیال
ہے کہ مغرب میں پہلے پہل اپنی خدمت اسفانیہ میں شروع کروں۔ اس لئے ارادہ
ہے کہ اسفانیہ جاتے ہوئے راستہ میں پہلے تم سے ملتا جاؤں۔ اور تمہارے ساتھ رہ کر

میں کچھ دن قیام کے بعد جب تمہاری ملاقات سے میرا جی سیر ہو جائے ۔ تو براہ کرم

۲۵ مجھے اسفانیہ جانے کی اجازت دے دینا ۔ لیکن سردست میں کرنتھس سے یروشلم

جا رہا ہوں تا کہ یروشلم کے مسیحیوں کی وہ خدمت انجام دوں جو میرے سپرد کی

۲۶ گئی ہے ۔ مکدنیہ اور اخیہ کی کلیساؤں نے خوشی خوشی یروشلم کے غریب مسیحیوں

کی تنگدستی میں حصہ دار ہونے کا ارادہ کیا ہے اور انھوں نے اس غرض سے کچھ چندہ

جمع کیا ہے اور مجھے اس بات کے لئے مقرر کیا ہے کہ میں ان کا ہدیہ یروشلم

۲۷ پہنچا دوں ۔ اک ۱۶: ۱-۵ و ۲ کر ۸: ۲-۴ و اعم ۳۴ ۲: ۲۷ ۔ خوشی کی بات

ہے کہ ان کلیساؤں نے نہایت ہی فراخ دلی سے یروشلم کی غریب کلیسا کی امداد

کا ذمہ لیا ہے ۔ اور اپنی محبت کے قرض کی ادائیگی کے خواہاں ہیں ۔ اور جیسے کہ وہ

باوجود غیر یہودی ہونے کے یروشلم کے یہودی مسیحیوں کے ساتھ اسرائیل کی برکت

کے شریک ہوئے ۔ اسی طرح اب وہ خود بھی اپنی باری پر یروشلم کے مسیحیوں کی

خدمت کے لئے تیار ہیں تا کہ اگر کچھ نہیں تو کم از کم مادی شے ہی سے اپنی شکر

۲۸ گذاری اور محبت کا اظہار کریں ۔ میں چندہ جمع کر کے اور جو کچھ اکٹھا ہو چکا ہے

اسے جو کہ محبت کے اس پھل کو یروشلم والوں کے لئے مہر کر دوں گا اور اس

امانت کو ان کے حوالہ کر کے تمہارے پاس ہوتا ہوا اپنی مغربی خدمت کے لئے ہسپانیہ

چلا جاؤں گا ۔ (غالباً رسول کبھی بھی اسفانیہ نہ جا سکے کیونکہ وہ یروشلم پہنچتے ہی

۲۹ گرفتار ہو گئے ۔ اور اس کے چند سال بعد روم میں شہادت کا جام پیا) ۔ اور

مجھے امید ہے کہ جب میں تمہارے پاس روم آؤں گا تو مالک مسیح کی پوری برکت

کے ساتھ آؤں گا ۔ تا کہ میرے ذریعہ سے خداوند تمہیں بھی اپنی ان بخششوں

سے مالا مال کرے جن سے اس نے اور دیگر اقوام کو بھی مالا مال

کیا ہے ۔

یروشلم کی کلیسیا کی مالی امداد:—

اعمال ۱۱: ۲۷-۳۰ میں ذکر ہے کہ تقریباً سنہ ۴۴ء میں کلادیس شہنشاہ کی تخت نشینی سے پیشتر (کلادیس نے ۲۴ یا ۲۵ جنوری سنہ ۴۱ء سے اکتوبر سنہ ۵۴ء تک حکومت کی) اگبس ہی نے انطاکیہ میں ایک بڑے کال کا اعلان کیا یہ کال ۴۶ء میں پڑا اور اس موقع پر انطاکیہ کی کلیسیا نے یروشلم کی کلیسیا کی امداد کے لیے رسول پولس اور حضرت برنباس کی معرفت یروشلم کو چندہ بھیجا۔ غالباً اسی موقع پر یا کسی اور موقع پر یروشلم کلیسیا کے بزرگ حضرت پطرس حضرت یعقوب اور حضرت یوحنا رسولوں نے حضرت پولس اور حضرت برنباس رسولوں سے یروشلم کی کلیسیا کی مالی امداد کی درخواست کی اور ساتھ ہی غیر یہودیوں کے درمیان مسیحی خدمت کی آزادی بخشی۔ گلتی ۲: ۹-۱۰۔ یروشلم کی غربت کی وجہ کال سے زیادہ ایذا رسانی تھی۔ گو یہ بھی سچ ہے کہ وہاں کے اکثر مسیحی غریب طبقہ سے تھے۔ کلیسیا کی غربت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسیحیوں نے خوشی اور رضا مندی سے اپنے غریب بھائیوں کی خاطر اشتراکیت کا طریقہ اختیار کیا۔ یہ اشتراکیت کی پہلی مثال ہے۔ اور بڑی عجیب بات یہ ہے کہ گو رسولی زمانے کے مسیحی اشتراکیت کے اصول پر عمل کرنے والے تھے لیکن تو بھی موجودہ زمانہ میں جبکہ اشتراکیت کا اصول سیاسی اور اقتصادی طور پر دنیا میں قائم ہو گیا ہے تو سیاسی لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں نے اس کی قانونی شکل کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اس شکل کی بنیاد مسیحی ضمیر ہے یا سرمایہ داری کا زور ہر شخص خود اپنے تجربہ سے سمجھ سکتا ہے۔ یروشلم میں چونکہ مذہبی ماحول اور مسیحی محبت اس اشتراکیت کے والدین تھے۔ اس لئے وہاں یہ ایک مذہبی مسئلہ تھا نہ کہ اقتصادی سوال انھوں نے اپنی موجودہ جائداد کو آمدنی کے طور پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔

اس لئے جائداد کے اختتام کے ساتھ آمدنی بھی ختم ہو گئی - اور نہ کوئی نئی جائداد بنائی گئی نہ کوئی ایسا صیغۂ آمدنی نکلا جسے زوال نہ ہو - اس لئے اس اشتراکیت کا نتیجہ عارضی امداد کے بعد ساری کلیسیا کے لئے ایک مستقل غربت اور کنگالی ہوئی - کیونکہ خرچ بڑھتا گیا اور آمدنی کا صیغہ ضائع ہوتا چلا گیا - اعمال ۲ : ۴۴-۴۵ ؛ ۴ : ۳۴-۳۵ ؛ ۶ - مال و اسباب کو بیچنے کی وجہ ایذا رسانی کے سبب زندگی کی ناپائیداری کا خیال تھا - یروشلم کی ایسی غربت پر غیر یہودی کلیسیاؤں کا یہ فرض ہوا کہ وہ ان کی امداد کریں۔ چنانچہ غیر یہودیوں کی اول کلیسیا جو انطاکیہ میں تھی وہ سب سے پہلے اور بروقت امداد کے لئے کھڑی ہوئی - اور اس امداد کی لہر انطاکیہ سے شروع کر کے تمام کلیسیاؤں پر پھیل گئی اور کلیسیاؤں کی بنیاد کے ساتھ یہ فرض بھی ہر جگہ عائد ہوتا گیا - یروشلم کی کلیسیا شکر گزاری کے ساتھ ان کے ہدیہ کو قبول کرتی تھی - پراگندہ یہودی جب یروشلم کی امداد میں نہایت ہی سخاوت سے کام لیتے تھے تو پھر غیر یہودی مسیحی جو نہ اسرائیل سے تھے اور پراگندہ یہودیوں کی مانند جابجا رہتے تھے مادری کلیسیا کی کیوں نہ امداد کرتے - اس امداد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو یروشلم کے بزرگوں کو بے فکری کے ساتھ انجیلی خدمت انجام دینے کا موقع ملا - اعمال ۶ : ۲-۴ اور دوسری طرف غیر یہودی مسیحیوں کو یہودی مسیحیوں کے ساتھ خلط ملط ہونے کا موقع ملا - اور چونکہ یہودی مسیحیوں اور غیر یہودی مسیحیوں کے لئے اتحاد کا یہ اچھا موقع تھا - اس لئے پولس رسول نے اس کے لئے نہایت ہی جانفشانی سے کوشش کی اور اپنی ساری کلیسیاؤں میں اس کی تاکید کی بلکہ رومیوں کو بھی لکھ بھیجا ۱۲ : ۱۳ - اس کے ساتھ ساتھ یروشلم کی غربت کے حالات سے

رسول نے کچھ سبق بھی سیکھا اور محنت اور روزگار کی سخت تاکید کی۔ ۲ تھِ ۳ : ۱۰۔ اور بتایا کہ غربا کی امداد کے لئے حق حلال کا پیسہ جمع کرو۔ اِف ۴ : ۲۸ " پس پولس مسیحی اشتراکیت کے اصول کو ایک اچھے اقتصادی بنیاد پر قائم کر کے قبول کرتے ہیں " م ن ٹ ک۔ رومن ۔ صفحہ ۲۳۱۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکدُنیہ ۔ گلتیہ ۔ آسیہ اور آخیہ کی کلیسیاؤں میں رسول کی تاکید پر چندہ جمع ہوا کرتا تھا اور غالباً یہ چندہ ہر اتوار کو جمع کیا جاتا تھا ۔ اکر ۱۶ : ۲ ۔ یروشلم جاتے وقت رسول مذکور کلیسیاؤں کے نمائندوں سمیت جو چندہ لے کر کرنتھس آئے تھے ۔ اور رسول کے ساتھ یروشلم جانے کو تیار تھے ۔ اکر ۱۶ : ۲ ۔ ۴ ۔ اس وقت یروشلم جانے کے لئے رسول کے ساتھ حسب ذیل نمائندے موجود تھے ۔ مکدنیہ کے شہر بیریہ سے سوپترس اور تھسلنیکے سے اَرِسترخس اور سکندس گلتیہ کے شہر دربے سے گیس اور لسترہ سے تمتھیس ۔ آسیہ کے شہر سے تخکس اور ترفمس ۔ اور آخیہ کے شہر کرنتھس سے غالباً رسول خود تھے ۔ اعم ۲۰ : ۴ ۔ اور رسول کے سفر کا پروگرام یہ تھا کہ کنخریہ سے بحری راستہ سے براہ راست فلسطین کو روانہ ہو جائیں ۔ اعم ۱۹ : ۲۱ لیکن یہودیوں کی سازش کی وجہ سے انہیں خشکی کا راستہ لینا پڑا ۔ اور کرنتھس سے مکدنیہ روانہ ہو گئے ۔ اعم ۲۰ : ۳ ۔

۳۰ اے بھائیو چونکہ میرے خلاف طرح طرح کی سازشیں ہو رہی ہیں یہاں تک کہ جان کا بھی خطرہ ہے اور روم آنے میں نئی نئی رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں ۔ اس لئے مالک یسوع مسیح کے نام سے جو میرا اور تمہارا دونو کا خداوند ہے اور مسیحی محبت کے نام سے جو روح القدس کا پھل ہے اور جو کچھ

میں اللہ تم میں دونوں میں موجود ہے۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے
اپنا بھائی سمجھ کر سچی محبت کے ساتھ میرے لئے دل و زبان سے دعا کرو۔
۳۱ جیسا کہ میں خود بھی کرتا ہوں۔ دعائیں تین امور کے لئے ہوں ع اول یہ تا
کروکہ میں یہودیہ میں دشمنوں کے ہاتھ میں نہ پڑوں اور خدا نافرمان یہودیوں
کے ہاتھ سے مجھے بچائے رکھے کیونکہ ان کی طرف سے مجھے بڑا خطرہ
ہے۔ اعمال ۲۰: ۲۲ و ۲۱: ۱۱ + رسول کا ڈر بجا تھا جیسا کہ اعمال ۲۱ سے
بھی ثابت ہے۔ نہ معلوم رسول کو اس کی خبر پیشتر ہی سے مل گئی تھی یا محض
گمان ہی گمان تھا۔ یروشلم میں آن کر جب رسول نے بھی خطرہ محسوس
کرکے رسول کو مشورہ دیا کہ جیسا اور چار آدمی تھے اسی طرح آپ بھی منت
مان کر یہودیوں کے دستور کے مطابق رسوم ادا کریں تاکہ یہودی یہ سمجھیں
کہ آپ بھی شریعت کی پابندی میں سرگرم ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ کو قبول کرنے
کے لئے تیار ہو جائیں اور آپ کو شریعت کا دشمن اور مرتد قرار دیں
رسول نے ایسا ہی کیا اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نتیجہ اچھا نکلا لیکن یہودی
ناسمجھوں کی جگہ یہودیوں نے سمجھی اور وہ رسول کے خون کے پیاسے
ہو گئے۔ انہوں نے بعض ناشناسوں کو رسول کے ساتھ شہر میں دیکھ کر آپ پر یہ
الزام لگا دیا کہ آپ نے یونانیوں کو ہیکل میں لاکر ہیکل کو ناپاک کیا۔
حالانکہ یہ محض غلط الزام تھا۔ اس امر میں رسول کی یہ دعا سن لی گئی۔
کہ یہودیوں کے ہاتھ سے آپ مرتے مرتے بچ گئے ÷ دوم یہ دعا کرو کہ غیر
یہودی کلیسیاؤں کا نذرانہ جو ان کی محبت کا نشان ہے یروشلم کی
یہودی کلیسیا کی نظر میں مقبول ٹھہرے کیونکہ میں اپنی خدمت کے عرصہ
میں نہایت ہی جانفشانی سے اس چندہ کے کام کو بھی انجام دیتا رہا ہوں۔

سلام و دعا سے پیشتر ہی رسول نے کنخریہ کی خادمہ فیبے کے نام سے دو چار الفاظ تعارف کے اضافہ کر دئے ۔ تعارف کے خط کا دستور اس وقت بھی موجود تھا ۔ اس وقت ڈاک کا انتظام بھی تھا مگر محض سرکاری خط کتابت کے لئے اور عوام الناس اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے اور اپنے خطوط کا بھیج بھیجا کسی کی معرفت کیا کرتے تھے ۔ حضرت فیبے یا تو خود اس وقت اپنے کسی کام سے روم جو رہی تھیں یا محض رسول کے اس خط ہی کی خاطر اپنے خرچ سے روم گئیں ۔ روم کے لئے جہاز انھوں نے کرنخس سے پکڑا ۔ کنخریہ اور اخیہ کے چند مسیحیوں میں سے ایک حضرت فیبے بھی تھیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت زدہ اور غریب مسیحیوں کی امداد کا انہیں ہمیشہ خیال رہتا تھا ۔ بلکہ پولس بھی ان کے احسانمند تھے ۔ اسی لئے رسول نے رومیوں سے درخواست کی کہ ان کا تپاک سے استقبال کیا جائے اور ان کے ہر ایک کام میں ان کی امداد کی جائے گو انہیں یہاں صرف یا خادمہ کہا گیا ہے لیکن غالباً اس وقت تک یہ کوئی خاص کلیسیائی عہدہ نہ بنا تھا ۔ پہلا تمتھیس میں عورتوں کے لئے خاص ڈیکن یا خادمہ کا استعمال ہوا ہے ۔ لیکن ۳ : ۱۱ اصریحاً ان کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت یہ ایک کلیسیائی عہدہ بن چکا تھا ۔ بتھنیہ اور پنطس کے گورنر پلینی (۱۱۲-۱۱۳ء) کے خط سے ظاہر ہے کہ بتھنیہ میں اس وقت خاتون ڈیکنوں کا عہدہ پورے طور سے قائم ہو چکا تھا ۔ غالباً ان خاتون ڈیکنوں کی خدمت کا دائرہ خواتین تک محدود تھا ۔

ب ۱۶ سلام و دعا ۱۶ : ۳-۲۴

اکولہ اور پرسکہ (یا پرسکلہ) کے ذکر کی وجہ سے بعض نقاد باب ۱۶ کو رومیوں

کے خط سے علیحدہ تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک علیحدہ خط ہے جو حضرت
فیبے کے تعارف کی غرض سے کسی کلیسیا کو لکھا گیا۔ تعارف کے علاوہ سلام و دعا کے
ساتھ ۱۶: ۱۷-۲۰ میں جھوٹی تعلیم سے بچنے کی بھی تاکید کی گئی ہے۔ یہ بھی
خیال پیش کیا گیا ہے کہ غالباً یہ خط افسس کی کلیسیا کو لکھا گیا۔ دیکھیں دیباچہ
میں تصنیفی وحدت کا بیان۔

رسول کا سلام ۱۶: ۳-۱۶

۳ مسیح یسوع میں میرے ہمخدمت پرسکلہ اور اکولہ سے سلام کہو۔
۴ انھوں نے میری جان کے لئے اپنا سر دے رکھا تھا اور صرف میں ہی
نہیں بلکہ غیر قوموں کی سب کلیسیائیں بھی ان کی شکرگزار ہیں۔ ۵ اور
اس کلیسیا سے بھی [سلام کہو] جو ان کے گھر میں ہے۔ میرے پیارے
۶ اپینتس سے سلام کہو جو مسیح کے لئے آسیہ کا پہلا پھل ہے۔ مریم سے
۷ سلام کہو جس نے تمہارے واسطے بہت محنت کی۔ اندرنیکس اور
یونیاس سے سلام کہو۔ وہ میرے رشتہ دار ہیں اور میرے ساتھ قید
ہوئے تھے [اور] رسولوں میں نامور ہیں اور مجھ سے پہلے مسیح میں شامل
۸ ہوئے تھے۔ امپلیاطس سے سلام کہو۔ خداوند میں میرا پیارا ہے۔
۹ اربانس سے جو مسیح میں ہمارا ہمخدمت ہے اور میرے پیارے استخس
۱۰ سے سلام کہو۔ اپلیس سے سلام کہو جو مسیح میں مقبول ہے۔ ارسطبولس
۱۱ کے گھر والوں سے سلام کہو۔ میرے رشتہ دار ہیرودیون سے سلام
کہو۔ نرکسس کے ان گھر والوں سے سلام کہو جو خداوند میں ہیں۔
۱۲ ترُوفینہ اور ترُوفوسہ سے سلام کہو جو خداوند میں محنت کرتی ہیں۔
پیاری پرسس سے سلام کہو جس نے خداوند میں بہت محنت کی ہے۔

کہ ہیکل اور یہودی عبادت خانوں کے علاوہ خاص مسیحی عبادتوں کا انتظام
کسی نہ کسی کے گھر پر ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ مذکورہ بالا بزرگوں کے گھر پر بھی لوگ
عبادت کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ لیکن قرین قیاس ہے کہ گھر کی کلیسیا سے
مراد وہ مسیحی نہیں جو کسی کے گھر پر عبادت کی غرض سے جمع ہوا کرتے تھے بلکہ
اس گھر کے خاندان کے افراد۔ ان کے غلام اور ملازمین۔ اور وہ غلام اور یتیم
جن کی پرورش اس خاندان سے ہوتی تھی اور غالباً وہ لوگ بھی مراد ہیں جو اس
خاندان سے کسی نہ کسی طرح سے بہت گہرا تعلق رکھتے تھے۔ آسیہ میں سب سے
پہلے اپینتس خداوند مسیح پر ایمان لائے۔ غالباً اعمال ۱۹: ۱۰ کے اشخاص میں
وہ بھی شامل تھے۔ یہ اسنس کے بزرگ ترین معلوم ہوتے ہیں۔ رسول کو بھی یہ بہت
عزیز تھے۔ اس وقت اپنے کام سے پاک کلیسیا کی ... رہتے ہوتے
تھے۔ نسخہ A اور P میں آسیہ کی بجائے اخیہ لکھا ہے۔ لیکن یہ صریحاً غلط ہے کیونکہ
اخیہ کا پہلا پھل ستفناس کا خاندان تھا۔ اک ۱۶: ۱۵۔ S A B C D F G
آسیہ لکھتے ہیں۔ نام یونانی ہے جو مریم تھا۔ یہودی خاتون تھیں جو مسیحی ہو گئی
تھیں۔ نام عبرانی ہے۔ اندرنیکس اور یونیاس میاں بیوی پہلے یہودی تھے۔
اسی لیے رسول نے انہیں رشتہ دار کہا۔ ان کا تعلق یروشلم کی کلیسیا سے تھا اور
یہ رسول پولس سے پہلے ہی مسیحی ہو چکے تھے۔ غالباً ان کا تعلق اس جماعت
سے تھا جس کے لیڈر حضرت ستفنس اور حضرت فلپس وغیرہ تھے۔ ان دونوں
بزرگوں کو رسول کا عہدہ حاصل تھا کیونکہ یہ غیر یہودیوں میں خداوند مسیح کے نام کی
منادی کرتے تھے۔ اور کلیسیا نے انہیں اس خدمت کے لئے مقرر کیا تھا۔ حضرت
خرستم فرماتے ہیں کہ "رسول ہونا درحقیقت بڑی بات ہے لیکن ان ناموروں
میں سے بھی ہونا۔ ذرا خیال تو کرو کتنی تعریف کی بات ہے۔ لیکن وہ اپنے کاموں

کی وجہ سے اپنے حصول کی وجہ سے نامور تھے۔ اور اس خاتون کی فرمانبرداری کتنی زیادہ ہے کہ وہ رسول کے خطاب کی قابل سمجھی جائے" منقول از اک ک صفحہ ۲۲ ۳ آیت میں "نامور" سے ممکن ہے یہ مراد ہو کہ روم کی کلیسیا کے قائم کرنے میں ان دونوں کا بھی حصہ تھا۔ ساتھ قید ہونیکا مطلب کوئی ضروری نہیں کہ یہ ہو کہ سچ مچ وہ رسول کے ساتھ ہی قید خانہ میں ڈالے گئے تھے بلکہ محض یہ مراد ہے کہ وہ بھی خداوند کی خاطر قید ہوئے تھے۔ غالباً حضرت ستفنس کی شہادت کے بعد جب بہتیرے مسیحی پراگندہ ہوگئے تو یہ دونوں روم جا کر بس گئے اعم ۱۱: ۱۹

اندرنیکس یونانی نام ہے اور یونیاس لاطینی۔ حضرت یونیاس غالباً روم کی رہنے والی خاتون تھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یونیاس عورت کے بجائے کسی مرد کا نام ہو۔ ۵ امپلیاطس رسول کے محبوب غالباً کسی معزز خاندان سے تھے اور بڑے آدمی تھے (سینڈی اور ہیڈلیم) بشپ لائٹ فوٹ انھیں شاہی محل کا ملازم بتاتے ہیں ۶ اربانس ایک سرگرم مسیحی تھے۔ نام لاطینی ہے ۔ استخس رسول کے محبوب تھے۔ نام یونانی ہے ۵ اپلیس ایک نامور مسیحی تھے۔ نام یونانی ہے ۔ ارستبولس ہیرودیس اعظم کا پوتا اور ارستبولس کے بیٹا اور ہیرودیس اگرپا اول کے بھائی تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی روم میں کاٹی۔ ان کے گھر والے ان کا خاندان یا غالباً ان کے غلام اور دیگر ایسے ہی تعلقات کے یہودی ہونگے جو خداوند پر ایمان لا چکے تھے ۔ ہیرودیون غالب ہیرودی خاندان کے کوئی آزاد کردہ غلام تھے۔ رشتہ دار اس لئے کہ وہ پہلے یہودی تھے نرکسس کلادیس شہنشاہ کے آزاد کردہ غلام اور سکرٹری تھے۔ جو شہنشاہ نیرو کے عہد حکومت کے پہلے ہی سال میں قتل کئے گئے ۔ رسول نے ان کے ان غلاموں یا خاندان والوں کو سلام کہا جو مسیحی ہو چکے تھے۔ چونکہ غلام بھی وارثوں کی ملکیت میں شمار کئے جاتے تھے۔ اس لئے کلادیس کے غلام دستور کے مطابق قدرتی طور سے نیرو کے غلام بن گئے ہونگے ممکن ہے کہ فلپی ۴ : ۲۲ میں قیصر کے گھر والے بھی یہی لوگ ہوں۔ نام یونانی ہے ۔ ترفینہ اور ترفوسہ غالباً دو بہنیں تھیں۔ یہ دونوں سرگرم اور خدا ترس مسیحی تھیں پرسس

۱۳ بھی سرگرم اور خدا ترس مسیحی خاتون تھیں۔ تینوں نام یونانی ہیں۔ ۵۔ روفس غالباً وہی بزرگ ہیں جن کا ذکر مرقس ۱۵ : ۲۱ میں ہوا ہے۔ اُن کے والد شمعون کرینی نے خداوند کی صلیب اٹھائی۔ روفس کو رسول نے بزرگ کہا اور ان کی والدہ کو اپنی والدہ کہا۔ شاید اس لئے کہ انطاکیہ میں وہ رسول کے ساتھ نہایت ہی شفقت سے

۱۴ پیش آئیں۔ نام یونانی ہے ۵۔ اسنکرتس اور فلگون اور ہرمیس اور پترباس اور ہرمس اور ان دیگر اصحاب کو رسول نے سلام کہا جو ان کے ساتھ رہتے تھے۔ یہ سارے نام یونانی ہیں۔ ہرماس کے متعلق اوریجن یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی ہرماس ہیں جنھوں نے مشہور کتاب شبان لکھی۔ شبان ہرماس کو دوسری صدی ع میں بہتیرے الہٰی کلام سمجھتے تھے۔ شبان کی رویا بزرگ مذکور نے حضرت کلیمنٹ اسقف کے عہد میں دیکھی (سنہ ۱۰۰ء) لیکن میوراطوری لحاظ سے یہ کتاب اسقف پائیس کے عہد میں لکھی گئی

۱۵ (سنہ ۱۳۹ء کے بعد) ۵۔ فلگس اور یولیہ اور نیریوس اور ان کی بہن اور اُلمپاس اور دیگر مسیحیوں کو جو ان کے ساتھ رہتے تھے رسول نے سلام کہا۔ فلگس اور یولیہ میاں بیوی تھے

۱۶ (لائٹ فٹ) یہ دونوں نام یونانی ہیں اور باقی دیگر خواتین کے نام بھی یونانی ہیں ۵۔ ان واقف کاروں کے علاوہ رسول نے کلیسیا کے باقی سب شرکا کو بھی سلام کہا۔ مذکورہ بالا ۲۶ ناموں میں ایک عبرانی۔ سات لاطینی اور اٹھارہ یونانی ہیں۔ ان میں سے کل آٹھ خواتین اور دیگر مرد ہیں ۵۔ رسولی کلیسیا میں پاک بوسہ سے مسیحی محبت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ ا کر ۱۶ : ۲۰ و ۲ کر ۱۳ : ۱۲ و پہلا پط ۵ : ۱۴ و پہلا تھ ۵ : ۲۶۔ اسے محبت کا بوسہ بھی کہتے تھے۔ یونانی کلیسیا میں اب تک دستور ہے کہ وہ یوخارست کے وقت پاک بوسہ سے مسیحی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ رسول کا یہ بھی دستور تھا کہ سلام لکھتے وقت اپنے ساتھیوں اور ان سب لوگوں اور کلیسیاؤں کی طرف سے بھی سلام لکھ دیتے تھے جو خط لکھتے وقت کسی نہ کسی طرح رسول سے متعلق ہوتے تھے۔ یہاں سب کلیسیاؤں کی طرف

ہے ۔ ہم لکھ کر رسول نے رومی کلیسیا میں مشرق کی مسیحی کلیسیاؤں کی دلچسپی کا اظہار کیا ہے (۱ کر ۱۶: ۱۹؛ ۲ کر ۱۳: ۱۳؛ فلپ ۴: ۲۱-۲۲)۔ اپنی طرف سے سلام لکھوانے کے بعد رسول نے خط کو تمام کر دیا۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر ۱۶: ۱۷-۱۹ میں اپنے ہاتھ سے آخری نصیحت لکھی اور ۲۰ آیت پر رکھ دیا اور برکت کے کلمے سے خط کو تمام کیا۔ رسول کا دستور تھا کہ خط کے اختتام پر موجود ہوتے ہاتھ سے قلم لے کر ایسی باتوں کو خود اپنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔ (۱ کر ۱۶: ۲۱-۲۲؛ گل ۶: ۱۱؛ ۲ تھس ۳: ۱۷)

۱۶ب آخری نصیحت ۱۶: ۱۷ تا ۲۰

۱۷ اور اے بھائیو! میں تم سے التماس کرتا ہوں کہ جو تعلیم تم نے حاصل کی اس کے برخلاف جو پھوٹ اور ٹھوکر کا باعث ہیں ان سے ہوشیار رہا کرو اور کنارہ کیا کرو۔ ۱۸ کیونکہ ایسے لوگ ہمارے خداوند مسیح کی نہیں بلکہ اپنے پیٹ کی خدمت کرتے ہیں۔ اور چکنی چپڑی باتوں سے سادہ دلوں کو بہکاتے ہیں۔ ۱۹ کیونکہ تمہاری فرمانبرداری سب میں مشہور ہو گئی ہے اس لئے میں تمہارے بارے میں خوش ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم نیکی کے اعتبار سے دانا اور بدی کے اعتبار سے بھولے بنے رہو۔ ۲۰ اور خدا جو امن کا بانی ہے شیطان کو تمہارے پاؤں سے جلد کچلوا دیگا۔ ہمارے خداوند یسوع (مسیح) کا فضل تمہارے ساتھ رہے۔

۲۱ یہاں جن سے ہوشیار رہنے کے لئے کہا گیا ہے وہ یہودی نما مسیحی نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو بے لگام زندگی گذارنا پسند کرتے تھے اور اپنے آپ کو کسی امر کا پابند نہ سمجھتے تھے۔ انھیں اصطلاحی طور پر مخالف شرع کہتے ہیں۔ یہ لوگ ناستکوں سے اگلے تھے۔ اے بھائیو! میں تم سے التماس کرتا ہوں کہ جو لوگ تمہاری مسیحی تعلیم کے خلاف اخلاق کی پرواہ نہ کرنیوالے ہیں اور جو اپنی

بدعتی تعلیم کے سبب کلیسیا کے لئے نا اتفاقی اور ٹھوکر کا باعث ہیں۔ ان سے
۱۸ ہوشیار رہو اور کنارہ کرو کیونکہ ایسے لوگ اپنی تعلیم اور زندگی سے خداوند مسیح کی
خدمت نہیں کرتے بلکہ اپنی پرورش کے لئے چکنی چپڑی باتوں سے سادہ دلوں کو
بے وقوف بناتے ہیں اور روحانی باتوں کو اپنے نفسانی فائدہ کی خاطر قربان کر
دیتے ہیں۔ فلپ ۳: ۱۷-۱۹ یہ نصیحت تمہیں اس لئے کر رہا ہوں کیونکہ ۱۹
تمہاری اپنی تابعداری اور ایمان کا شہرہ ہو رہا ہے۔ اور میں بہت خوش
ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم نیکی کے معاملات میں ایسے دانا بنو کہ اچھی تعلیم کو قبول
کرنے میں ذہین اور نیک کاموں میں سرگرم رہو۔ اور بدی کے معاملات میں
ایسے بھولے بنو کہ بری باتوں کو سمجھ ہی نہ سکو اور ان سے دور رہو یعنی
تکبر سے اپنے آپ کو اونچا اور اپنے آپ کو [illegible] کام کرنے
کے لائق نہ سمجھو تاکہ تمہاری شہرت پر کسی طرح کا دھبہ نہ لگنے پائے۔
۲۰ اور خدا جو کلیسیا کا امن اور اتفاق کا بانی ہے شیطان کو تمہارے پاؤں
سے جلد کچلوا دے گا۔ پیدائش ۳: ۱۵۔ اور بدی تم سے مغلوب ہو کر پامال
ہو جائے گی۔ بشرطیکہ تم دینداری سے خداوند مسیح کی انجیل پر قائم رہو۔
ہمارے خداوند یسوع مسیح کا فضل تمہارے ساتھ رہے۔ کہ تم برائی سے
بچے اور نیکی سے لپٹے رہو تاکہ ہمیشہ کی زندگی کے وارث بنو اور خدا
تمہیں ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ ۱۵: ۳۳ کے بعد یہ برکت کا دوسرا
اختتامی کلمہ ہے۔ یہ کلمہ S A B C L P کے نسخوں میں پایا جاتا ہے
اس کلمے کے بعد رسول نے اپنے ساتھیوں کی طرف سے سلام لکھا جو اب
تک باقی رہ گیا تھا۔

۱۶ ب رسول کے ساتھیوں کا سلام ۱۶: ۲۱-۲۴

۲۱ میرا ہم خدمت تیمتھیس اور میرے رشتہ دار لوکیس اور یاسون

اور سوسپطرس تمہیں سلام کہتے ہیں ٥ میں ترتیس خط کا محرر خداوند
۲۲ میں تمہیں سلام کہتا ہوں ٥ گیس میرا اور ساری کلیسیا کا میزبان تمہیں
سلام کہتا ہے۔ اراستس شہر کا خزانچی اور بھائی کوارتس تم کو سلام
کہتے ہیں ٥ [ہمارے خداوند مسیح کا فضل تم سب کے ساتھ رہے
آمین] ٥

حضرت تیمتھیس لسترہ کے رہنے والے تھے۔ ان کی والدہ یونیکے مسیحی ہونے سے پیشتر یہودی تھیں اور ان کے والد یونانی تھے اعم ۱۶: ۱-۳۔ انھیں بچپن ہی سے ان کی نانی لوئس اور ان کی والدہ نے پرانے عہدنامہ کی الہی تعلیم دی تھی ۲ تی ۱: ۵ و ۳: ۱۵ غالباً حضرت یونیکے اور حضرت تیمتھیس پولس کی معرفت اس وقت ایمان لائے جب رسول اپنے پہلے دورہ پر تھے۔ دوسرے دورہ میں رسول نے حضرت تیمتھیس کو اپنا ہمخدمت مقرر کیا اور اس وقت یہ کلیسیا میں مشہور ہو چکے تھے۔ اعم ۱۶: ۲۔ شہرت کے وقت غالباً ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا حضرت تیمتھیس رسول کے خاص مقبول شاگرد تھے۔ اکر ۴: ۱۷۔ ان کا تقرر رسول اور کلیسیا کے ہاتھوں ہوا۔ ۱ تی ۴: ۱۴ و ۲ تی ۱: ۶۔ یہ دوسرے اور تیسرے دورہ میں رسول کے ساتھ تھے۔ روم میں بھی پہلی نظربندی کے وقت رسول کے ہمراہ تھے۔ فلپ ۱: ۱ و کل ۱: ۱ فلیم ۱۔ دوسری نظربندی کے وقت رسول کے ساتھ روم میں نہ تھے۔ ۲ تی ۴: ۹، ۲۱۔ لیکن جب رسول نے بلا بھیجا تو آپ روم تشریف لائے اور خود بھی گرفتار ہو گئے۔ گر بعد ازاں رہا کر دیئے گئے۔ عبر ۱۳: ۲۳۔ رسول نے آپ کو دو خطوط بھی لکھے۔ آپکا نام یونانی ہے۔ لوکیس غالباً وہی ہیں جن کا ذکر اعمال ۱۳: ۱ میں ہے۔ نام لاطینی ہے۔ یاسون تھسلنیکے میں رسول کے میزبان تھے۔ انھوں نے اپنی میزبانی کے باعث یہودیوں کے ہاتھ دکھ اٹھایا اعم ۱۷: ۵-۹ یاسون یونانی طرز پر دیا نام ہے جیسے عبرانی میں یشوع یا یہوشوع کہتے ہیں۔ یہ پہلے یہودی تھے + سوسپطرس

الباً دہی ہے جسکی اعمال ۲۰: ۴ میں بیریہ کا سوپطرس بن پرُس کہا گیا ہے۔ یہ اپنی کلیسیا کی
اسندگی کے لئے چندہ کے ساتھ رسول کے ہمراہ یروشلم بھی گئے۔ ممکن ہے کہ یہ بھی یہودی
ہیں۔ غالباً لوکیس اور یاسون اور سوسیپطرس روم کے مسیحیوں سے خاص تعلق رکھتے تھے۔
تیس محرر نے یہ سمجھ کر کہ خط تمام ہوا۔ آخر میں اپنی طرف سے سلام لکھ دیا۔ لیکن بعد
میں رسول کو تین اور اشخاص کی طرف سے سلام لکھنا یاد آ گیا یا بعد میں وہ خود آ کر سلام
لکھا گئے۔ گیس کرنتھس میں رسول کے میزبان تھے اک ۱: ۱۴ کلیسیا کا میزبان
ہے غالباً یہ مطلب ہے کہ ان کے مکان پر کلیسیا جمع ہوا کرتی تھی اور شاید یہ بھی کہ
ان کا گھر مسیحیوں کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ اراستس شہر کے خزانچی اور باعزت
شخص تھے۔ کوارتس غالباً کوئی رومی کلیسیا کے نمائندہ رکھتے۔ LGFED کے
نسخوں میں یہاں پر برکت کا کلمہ ہے۔ LGF میں خط یہیں تمام ہو جاتا ہے
اور ۲۵-۲۷ آیات موجود نہیں ہے۔

تمجید ۱۶: ۲۵-۲۷

اور خدا جو تم کو میری انجیل اور یسوع مسیح کی منادی کے موافق مضبوط
کر سکتا ہے۔ اس بھید کے مکاشفہ کے مطابق جو ازل سے پوشیدہ رہا
مگر اس وقت ظاہر ہو کر خدائے ازلی کے حکم کے مطابق نبیوں کے نوشتوں
کے ذریعہ سے سب قوموں کو بتایا گیا تاکہ وہ ایمان کے تابع ہوں۔ اسی
واحد حکیم خدا کی یسوع مسیح کے وسیلہ سے ابداً لآباد تمجید ہوتی رہے۔ آمین
یہ تمجید یہاں پر S اور B C D E پشیتو اور ولگیت کے نسخوں میں پائی جاتی ہے۔
نسخہ G اور F میں یہاں پر خالی جگہ چھوٹی ہوئی ہے۔ اس عظیم الشان خط کے اختتام پر
یہ تمجید نہایت ہی موزوں ہے۔ اس تمجید میں رسول نے نجات کے متعلق اس الہٰی ارادہ
کا بیان کیا جس کی گواہی گو انبیاء نے دی پر تو بھی یہ بھید کے طور پر خداوند مسیح کی آمد تک پوشیدہ
رہا۔ رسول کے پہلے خطوط میں اس بھید کے متعلق بہت کچھ ذکر نہیں تاہم حوالہ جات حسب
ذیل ہیں۔ اک ۲: ۶-۷؛ ۱۵: ۵۱ اور رومی ۱۱: ۲۵۔ بعد کے خطوط میں کچھ زیادہ صاف

ہے۔ اِف ۳: ۱-۳۔ کُل ۱: ۲۶-۲۷؛ ۲: ۲-۳۔ خدا کا بھید یہ ہے کہ سارا جہان کیا یہودی کیا غیر یہودی سب نجات پائیں چونکہ نجات اور بھید کے انکشاف کا وسیلہ خداوند مسیح ہے اس لئے اسے بھی بھید کہا گیا ہے۔ انجیل جلیل کا موضوع یہ بھید ہے جو مومن مسیحیوں پر ظاہر ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں یہ انجیل خود خداوند مسیح کی منادی ہے۔ اور انجیل کے موافق خداوند مسیحیوں کو اس طرح مضبوط کر سکتا ہے کہ وہ ہر طرح کی برائیوں پر غالب آئیں۔ رسول اس امر میں خدا کی تعریف کرتے ہیں۔

خدا جو تم کو میری انجیل کی تعلیم اور خداوند یسوع مسیح کی منادی کے موافق ایمان میں ایسا مضبوط کر سکتا ہے کہ تم کیا یہودی کیا غیر یہودی سب خداوند میں ایک ہو کر رہو۔ اور میری خدمت کو قبول کرو۔ اور جو اپنے اس ازلی بھید کے مطابق تم کو ایمان اور مسیحی زندگی میں مستحکم کر سکتا ہے جو پیغمبر خدا کے حکم سے ابد کی معرفت بتایا گیا اور اب جس کا انکشاف انجیل سے تم پر اور سب قوموں پر ہوا ہے تاکہ سارا جہان مسیحی ایمان کے تابع ہو اور نجات پائے اور تم خداوند کی روحانی برکتوں سے ایسے مالا مال ہو جاؤ کہ ایمان میں قائم محبت میں سرگرم اور خداوند کی الٰہی خصوصیت پر بڑھتے بڑھتے ہوئے کامل بنتے جاؤ تاکہ تم میں کسی طرح کی کمی اور ضعف باقی نہ رہے۔ اب اُسی خدا کی جس نے اپنی حکمت سے دنیا کی نجات کا ایسا طریقہ نکالا اُسی ابدی مسیح کے وسیلے جو جہان کا منجی ہو کر آیا ابد الآباد تمجید ہوتی رہے۔ آمین۔

(مسٹر ڈی۔ اے۔ بیڈ نے خواجہ برقی پریس دہلی میں چھپوا کے چلڈرنس لٹریچر ہاؤس موری گیٹ دہلی سے برائے نارتھ انڈیا کرسچین ٹریکٹ سوسائٹی الہ آباد شائع کیا)

ublished with the help of a grant made by
ndian Literature fund of the National
ian Council.